477

سوال و جواب

برائے

نکاح و طلاق

ترجمہ | مولانا محمد یاسر عرفات

لأصحاب الفضيلة

الإمام ابن باز
العلامة العثيمين
العلامة الفوزان
سعودی فتوی کمیٹی

پاکستان میں ملنے کا پتہ

سوال و جواب

برائے

نکاح وطلاق

لأصحاب الفضيلة

الإمام ابن باز
العلامة العثيمين
العلامة الفوزان
سعودی فتوی کمیٹی

ترجمة

مولانا محمد یاسر عرفات

طبع دوم

۱۴۳۳ھ ——— ۲۰۱۲ء

مکتبہ بیت السلام الریاض
ص-ب 16737 فون نمبر 4381122-4381155 فیکس 4385991
سعودی عرب موبائل نمبر 0532666640 - 0566661236
bait-us-salam@hotmail.com

فہرست

❀ نکاح اور ولی (سرپرست)

❀ احکام عقدِ نکاح

حقوق زوجین

❀ نکاح شغار

❀ خفیہ نکاح

❀ نکاح حلالہ

❀ متفرق مسائل

تیسری قسم

❀ طلاق کے احکام

❀ خلع کے احکام

❀ ایلاء اور لعان

❀ منہ بولا بیٹا

نان ونفقہ کے احکامات

رضاعت کے احکامات

❀ نیکی اور صلہ رحمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

شرعی احکام سے آگاہی اور واقفیت ہر مسلمان کے دینی فرائض میں شامل ہے کیونکہ اسی کے ذریعے بندۂ مومن اپنے عقائد اور عبادات و معاملات کی اصلاح کرسکتا ہے۔ ہر عمل وعقیدہ کی قبولیت کا معیار یہی ہے کہ وہ اخلاص وللہیت اور اتباع قرآن وسنت پر مبنی ہو وگرنہ کوئی عبادت، خواہ کتنی ہی محنت و ریاضت کر کے بجا لائی جائے، بارگاہِ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل نہیں کرسکتی۔

اسی لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ دینی مسائل کی معرفت و فقاہت حاصل کرے تاکہ وہ اپنی عبادات و معاملات کو شریعت کے مطابق انجام دے سکے، لیکن اگر اسے کسی مسئلے کی بابت شرعی حکم سے واقفیت نہیں ہے تو ایسے علماء سے دینی مسائل پوچھے جو کتاب وسنت کی نصوص پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی راہنمائی کرسکیں۔

زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں عوام الناس کو پیش آمدہ مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی میں حل پیش کیا گیا ہے اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عالم اسلام کے نامور علماء کے فتاویٰ جات کو یکجا کیا گیا ہے جو کسی امتی کے اقوال پر مبنی نہیں بلکہ خالصتاً کتاب وسنت کی بنیاد پر تحریر کیے گئے ہیں۔

اس لیے یہ مجموعہ ہر مسلمان کے لیے تسلی بخش اور مفید ہیں، چاہے وہ دنیا کے کسی خطے اور کسی مسلک سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ اور اس مجموعے کی ایک امتیازی صفت یہ بھی ہے کہ اس میں صرف صحیح اور ثابت احادیث پر اعتماد کیا گیا ہے، اس ضمن میں عالم اسلام کے نامور محدث جلیل علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کے افادات وتحقیقات سے خصوصی استفادہ کیا گیا ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة.

زیر نظر کتاب کو ہمارے فاضل بھائی مولانا محمد یاسر حفظہ اللہ نے اردو زبان میں منتقل کیا ہے جس پر ہم ان کے مشکور ہیں۔ اور آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اس کتاب کو دنیوی اور اخروی فوز وفلاح کا ضامن اور جنت میں بلندئ درجات کا باعث بنائے۔ آمین یارب العالمین.

والسلام

ابو میمون حافظ عابد الٰہی

مدیر

مکتبہ بیت السلام ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الخلق والمرسلين، وعلى آله وصحبه، وسلم تسليما كثيرا. وبعد:

میں نے اس کتابی سلسلہ میں کبار علماءِ امت کے مختلف احکام و مسائل پر مشتمل پانچ صد فتاویٰ جات جمع کیے ہیں جو عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق و آداب کے مختلف پہلوؤں پر راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ ان جوابات کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فتاویٰ جات جدید پیش آمدہ مسائل پر ہر ملک اور اسلامی معاشرے کے لیے یکساں مفید ہیں، کیونکہ ان میں قرآن و سنت کی نصوص پر اعتماد کرتے ہوئے مختلف لوگوں کے سوالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

شرعی احکام کا یہ مجموعہ عالم اسلام کے نامور اور سربر آوردہ علماء کے جوابات پر مشتمل ہے، جس میں مسلمانانِ عالم کے متنوع سوالات کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کیا گیا ہے، چنانچہ اس مجموعہ میں ''نکاح اور طلاق'' کے موضوع پر فتاویٰ جات جمع کیے گئے ہیں، جو اس موضوع کی تمام جزئیات اور نواحی کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ جو مسلمان بھی اس موضوع سے متعلق کوئی مسئلہ اور فتویٰ چاہے گا وہ ضرور اس مجموعہ میں پائے گا۔ وللہ الحمد

اسلوبِ کتاب:

1. اس کتاب میں نکاح و طلاق کے متعلقہ پانچ صد جدید عصری مسائل کے

جوابات جمع کیے گئے ہیں۔

2. جواب سے پہلے سوال کو عنوان اور سرخی کی شکل میں درج کیا گیا ہے۔

3. ہم نے جواب کو جوں کا توں مکمل تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے، البتہ بعض مقامات پر ضرورت کے پیش نظر اختصار سے کام لیا ہے۔

4. ہم نے تمام مسائل کو موضوع کے لحاظ سے ترتیب وار جمع کیا ہے، تاکہ کتاب سے استفادہ میں سہولت رہے۔

5. قرآنی آیات کا نمبر اور سورت کا نام بھی ذکر کیا ہے۔

6. احادیث کی تخریج و تحقیق کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے۔ جو احادیث صحیح بخاری و مسلم میں ہیں ان میں صرف حوالہ جات کا اہتمام کیا ہے، کیونکہ جو حدیث صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہے اس کی صحت و ثقاہت مسلّمہ امر ہے، البتہ جو احادیث دیگر کتب احادیث کے حوالے سے لکھی گئی ہیں ان میں سے ہر حدیث کے شروع میں صحت وضعف کا حکم لگایا گیا ہے، جس میں زیادہ تر اعتماد محدث العصر ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تحقیقات پر کیا گیا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو قبول فرمائے اور ہمارے لیے اس کتاب کو توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یا رب العالمین.

أحمد بن عبداللہ

پہلی قسم:

نکاح کے احکام

1. منگنی اور حق مہر۔
2. نکاح اور ولی (سرپرست) کے مسائل۔
3. عقدِ نکاح کے مسائل۔
4. حقوقِ زوجین۔
5. ازدواجی تعلقات۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منگنی اور حق مہر

1۔ رفیقہ حیات کیسی ہونی چاہیے؟

نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے دین والی، بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت سے شادی کرنے پر ترغیب دلائی ہے۔ یہ چیز نیک بیوی پسند کرنے کے انتہائی مؤثر اہتمام پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ جہاں اس میں ازدواجی مصلحتیں پنہاں ہیں وہاں یہ اولاد کی اصلاح پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾
[النساء: 34]

”پس نیک عورتیں فرمانبردار ہیں، غیر حاضری میں حفاظت کرنے والی ہیں، اس لیے کہ اللہ نے (انھیں) محفوظ رکھا۔“

2۔ منگنی کے خواہشمند آدمی کے حوالے سے لڑکی کے سرپرست کی ذمہ داری۔

عورت کے سرپرست پر لازم ہے کہ نیک اور برابر کے آدمی کا انتخاب کرے، جس کے دین اور امانت کو وہ پسند کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((إِذَا أَتَاكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَهُ وَدِينَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ)) [1]

''جب تمہارے پاس وہ شخص آئے کہ جس کے اخلاق اور دین کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو، وگرنہ زمین پر فتنہ اور لمبا چوڑا فساد پھیل جائے گا۔''

چنانچہ سرپرست پر واجب ہے کہ وہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے، وہ اپنی بیٹی کی مصلحت کا لحاظ رکھے نہ کہ اپنی غرض کو سامنے رکھے، یقیناً جو امانت اسے اللہ کی طرف سے سونپی گئی ہے اس کے متعلق اس سے باز پرس کی جائے گی۔ یہ بھی اس کے شایان شان نہیں کہ وہ منگنی کرنے والے پر ایسا بوجھ ڈال دے جس کا وہ متحمل ہی نہیں، اور اس سے معروف و مروّج حق مہر سے زیادہ مہر کا مطالبہ کرے۔ (اللجنة الدائمة: 20062)

3۔ وہ امور جن کی بنیاد پر لڑکی خاوند کا انتخاب کرے۔

وہ اوصاف کہ جن کی بنیاد پر عورت کے لیے خاوند کا انتخاب کرنا مناسب ہے ان میں سب سے اہم اخلاق اور دین ہیں، رہا مال اور خاندان تو یہ ثانوی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن سب سے اہم چیز یہ ہے کہ منگیتر دین اور اخلاق والا ہو، اس لیے کہ دین اور اخلاق والے کے پاس عورت کسی چیز کا فقدان نہیں پائے گی، اگر وہ اسے رکھے گا تو اچھے طریقے سے رکھے گا اور اگر چھوڑے گا تو احسان کے ساتھ چھوڑ دے گا، اور پھر دین و اخلاق والا اس کے اور اس کی اولاد کے حق میں یقیناً بابرکت ثابت ہوگا کہ وہ اس سے دین و اخلاق سیکھے گی، لیکن اگر وہ ایسا نہ ہو تو عورت پر لازم ہے کہ اس سے دور رہے، بالخصوص بعض ایسے لوگوں سے جو

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [1085]

ادائیگی نماز میں سستی و کاہلی اور شراب پینے میں مشہور و معروف ہوں، اللہ کی پناہ!

رہے وہ لوگ جو سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں وہ کافر ہیں، ان کے لیے مومنہ عورتیں حلال نہیں، اور نہ ہی وہ ان کے لیے حلال ہیں۔ زیادہ ضروری یہ ہے کہ عورت دین و اخلاق پر توجہ کرے، رہا اونچا خاندان! اگر مل جائے تو بہتر ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إذا أتاكم من ترضون دينه و خلقه فأنكحوه»[1]

''جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہوئے تو اس سے نکاح کردو۔''

4۔ نوجوان لڑکے اور لڑکی کے درمیان تبادلۂ محبت کا شرعی طریقہ۔

اس میں شرعی طریقہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں جب کسی ایسی عورت سے محبت جاگزیں ہوجائے جو بغیر خاوند کے ہے تو اس کے گھر والوں کے سامنے نکاح کی خواہش ظاہر کرے، پھر اس سے نکاح صحیح کرلے، اس طرح وہ شرعی سلامتی والے راستے پر چلے گا، اس دوران یہ جائز نہیں کہ عقدِ نکاح سے قبل تنہائی میں وہ اسے ملے، یہ بھی ناروا ہے کہ تحریر یا تکلّم کے ذریعے محبت، خوشامد اور لذت پرستی کے پیغامات کا تبادلہ کرے، کیونکہ نکاح کے داعیہ کے پیشِ نظر جب وہ ضرورت محسوس کرے تو محض دیکھنا ہی جائز ہے، رہے پیغامات، خطوط اور ٹیلی فون پر گفتگو تو یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ فتنے کا پیش خیمہ ہیں، اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اِس کا دل اُس کے ساتھ اور اُس کا دل اِس کے ساتھ معلق رہ جاتا ہے، حالانکہ شرعی طریقہ نکاح کے ذریعے ان کا ایک دوسرے کو حاصل کرنا ممکن نہیں رہتا۔ (ابن عثيمين: نور على الدرب، ص: 13)

---

[1] حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث [1085]

5۔ منگیتر کے متعلق تحقیق و جستجو۔

نکاح کے خواہشمند آدمی کو کوئی بھی جواب دینے سے قبل اس کے متعلق تحقیق کرنا ضروری ہے، خاص طور پر اس زمانے میں جبکہ جھگڑا اور اختلاف عروج پر ہے، سب سے پہلے اس آدمی کے دین کے متعلق پوچھا جائے، اس کی نمازوں اور چال چلن کو پرکھا جائے، پھر اس کے اخلاق، طبیعت اور خصلتوں کو جانچا جائے، اس کے بعد دوسری چیزوں کے متعلق، جو انھیں دو کی فروع شمار کی جاتی ہیں، دریافت کرلیا جائے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إذا أتاكم من ترضون دينه وخلقه فانكحوه» [1]

”جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہوئے تو اس سے نکاح کردو۔“

لہٰذا تحقیق انتہائی زیادہ ضروری ہے، کیونکہ بہت ساری عورتیں شکایت کرتی ہیں کہ انھوں نے ایسے مردوں سے شادی کی جن کے متعلق وہ اچھا خیال رکھتی تھیں، لیکن بعد میں پتہ چلا کہ معاملہ برعکس ہے، حتی کہ بعض عورتیں یہ بھی شکایت کرتی ہیں کہ ان کا خاوند نماز ہی نہیں پڑھتا اور بعض شکایت کرتی ہیں کہ ان کا خاوند وقت پر نماز ادا نہیں کرتا، اور بعض جماعت کے عدم اہتمام کی شکایت کرتی ہیں، کچھ کہتی ہیں کہ وہ عورتوں سے عشق پیچا لڑاتا ہے، جبکہ کچھ اس کے گانوں کے رسیا ہونے کی شکایت کرتی ہیں۔

تو جواب سے قبل تحقیق لازم ہے، یہاں تک کے جب وہ سمجھیں کہ ایک دن بعد جواب دیں گے تو دو تین یا دس دنوں تک تاخیر کردیں، حتی کہ انھیں تحقیق

---

[1] حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث [1085]

کامل حاصل ہوجائے کہ آدمی برابر کا ہے، اس کے بعد اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے نکاح کردیں۔ (ابن عثمین: نور علی الدرب، ص: 14)

6۔ آدمی کا اپنی منگیتر کو دیکھنا:

مسنون ہے کہ آدمی اپنی منگیتر کو دیکھ لے، کیونکہ نبی ﷺ نے خود اس کا حکم دیا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ میاں بیوی کی زندگی میں خوشی کے زیادہ لائق ہے، چنانچہ جو چیز اسے اِقدام نکاح پر ابھارتی ہے وہ دیکھ سکتا ہے، جیسا کہ چہرہ، سر، ہتھیلیاں، قدم اور گردن، اس لیے کہ یہ ساری چیزیں استمرارِ نکاح کی داعی ہیں۔

اس طرح عورت کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ بھی جو چاہے دیکھ لے، جیسا کہ اس کا چہرہ، ہتھیلیاں، قدم، گردن اور سر جبکہ سر پر کوئی ڈھانپنے والی چیز نہ ہو، کیونکہ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھنے کا احتیاج رکھتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ خلوت نہ ہو اور نہ ہی شہوت سے دیکھیں، بلکہ مرد اس طرح دیکھے جیسے سامان کا بھاؤ معلوم کرنے والا اس سامان کی طرف دیکھتا ہے، اور اگر پہلی دفعہ صحیح طور پر نہ دیکھ سکے تو دوسری مرتبہ بھی دیکھنے کی گنجائش ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب، ص: 1)

7۔ وہ اعضاء جنھیں منگیتر اپنے منگیتر کے سامنے ظاہر کرسکتی ہے:

اس میں کوئی حرج نہیں کہ منگیتر ترغیبِ نکاح کی خاطر اپنی زینت کو ظاہر کرے، چنانچہ وہ بال، چہرہ، ہتھیلیاں اور قدم ظاہر کرسکتی ہے، لیکن منگیتر کے لیے بطور خاص آراستہ نہ ہو، کیونکہ وہ اس کا خاوند نہیں ہے، اور اس لیے بھی کہ اگر اس نے بناؤ سنگھار کیا یا چہرے کو کسی چیز سے مزین کرلیا، پھر نکاح ہوگیا اور

بعد میں آدمی کو وہ خوبصورتی نظر نہ آئی جو اس وقت تھی تو وہ ایسا بے رغبت ہوگا کہ جدائی کا اندیشہ ہے، یہ خیال رکھنا ضروری ہے، کیونکہ منگیتر کی نظر اور خاوند کی نظر میں یقیناً فرق ہوتا ہے، خاوند اس کا مالک ہے اور اس کا حصول باوثوق طریقہ سے ہو چکا ہے۔

اس لیے میں کہتا ہوں کہ جب آدمی کسی عورت سے نکاح کا آرزومند ہو تو شوقِ نکاح کی خاطر اس کے چہرے، ہتھیلیوں، سر بال اور قدم دیکھ سکتا ہے، لیکن شرط ہے کہ خلوت نہ ہو، اور عورت کے ساتھ محرم کا ہونا لازم ہے کیونکہ اجنبی عورت سے خلوت حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لا يخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم» [1]

''کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ ہرگز تنہا نہ ہو مگر محرم کے ساتھ۔''

(ابن عثيمين: نور على الدرب: 6)

8۔ لڑکی کا اپنے منگیتر کے باپ سے مصافحہ کرنا:

یہ جائز نہیں کہ لڑکی اپنے منگیتر کے باپ کے سامنے بے حجاب ہو، کیونکہ وہ عقدِ نکاح کے بعد ہی اس کا محرم بنے گا، البتہ منگیتر کے سامنے بے حجاب ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن بغیر خلوت وشہوت کے۔ اور نہ ہی ازراہِ تلذذ اس کی طرف دیکھنا درست ہے، منگیتر کے سامنے اس کا بے حجاب ہونا محض جانکاری کے لیے ہے، پھر اگر دونوں طرف سے رغبت وشوق ظاہر ہوتا ہے تو عقدِ نکاح ہو جائے گا، وگرنہ دونوں اپنے اپنے باپ کے گھر میں رہیں گے۔

(ابن عثيمين: نور على الدرب: 10)

---

[1] متفق عليه: صحيح البخاري [5233]، صحيح مسلم [1341]

9۔ لڑکی کا اپنے منگیتر کے ساتھ بیٹھنا اور گھر سے باہر جانا:

لڑکی اپنے منگیتر کی نسبت اجنبی عورت ہے، وہ اس کے لیے حلال نہیں، اور وہ اس کے لیے ایسے ہی ہے جیسے دوسرے غیر مرد، چنانچہ آدمی کے لیے جائز نہیں کہ عقدِ نکاح سے قبل اس کے ساتھ تنہائی میں بیٹھے یا ٹیلی فون پر مخاطب ہو یا کسی اور چیز کے ذریعے اس سے کلام کرے۔

کیونکہ جیسا کہ میں نے کہا وہ اس کے لیے اجنبی عورت ہے، منگیتر ہو یا کوئی اور مرد اس کے لیے برابر ہے، کچھ لوگ اس مسئلہ (منگیتر سے بات چیت) میں کوتاہی کرتے ہیں، بسا اوقات لڑکی تنہا اس کے ساتھ گھر سے باہر چلی جاتی ہے، یہ حرام ہے، حلال نہیں ہے، اگر آدمی ایسا کرنا چاہتا ہے تو جلد شادی کر لے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 6)

10۔ لڑکی کا اپنے منگیتر سے مصافحہ کرنا۔

عورت کے لیے جائز نہیں کہ اپنے منگیتر سے مصافحہ کرے، کیونکہ وہ اس کے لیے اجنبی ہے، اسی طرح مرد کے لیے بھی جائز نہیں کہ اس سے خلوت کرے، اور نہ ہی ٹیلی فون پر اس سے باتیں کرنا درست ہے، ضرورت کے پیش نظر صرف اس کی طرف دیکھنے کی گنجائش ہے، کیونکہ جب لڑکا اپنی منگیتر کو اور وہ اسے دیکھ لیتی ہے تو زیادہ امید اور توقع ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اکٹھا فرما دیے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 9)

11۔ آدمی کے اپنی منگیتر کے ساتھ کھانا کھانے کا حکم:

یہ ناجائز ہے، کیونکہ یہ اس کے ساتھ بیٹھنے اور باتیں کرنے کا موجب ہے اس

لیے کہ یہ صرف بیوی اور محرم خواتین کے ساتھ ہوسکتا ہے کہ جن کی طرف دیکھنا جائز ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 14)

12۔ آدمی کا اپنی منگیتر کو یکے بعد دیگرے دیکھنا:

آدمی کے لیے جائز نہیں کہ منگیتر کے گھر والوں کی طرف بار بار جائے اور اس کے ساتھ باتیں کرے، ہاں معاملہ واضح ہونے تک اس کو دیکھ سکتا ہے، اگر پہلی دفعہ بات واضح نہیں ہوئی تو دوبارہ دیکھنے بلکہ بالتکرار دیکھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں تاآنکہ اطمینان ہوجائے، لیکن اس کے بعد بھی اس کا جانا اور منگنی کو پکا کرنا تو اس کے لیے جانے کی ضرورت نہیں۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 3)

13۔ اعتبار شرعی عقد کا ہوتا ہے نہ کہ انگوٹھی پہنانے کی رسم کا:

اصل اعتبار عقدِ شرعی کا ہے، جب آدمی عورت سے عقدِ شرعی کرے گا تو اس کا نکاح صحیح ہوگا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ سرپرست موجود ہو، دو عادل گواہ ہوں، بیوی کا تعین کر دیا جائے اور وہ رضا مند بھی ہو، سرپرست لڑکے سے کہے: میں نے تیری شادی اپنی فلاں بیٹی سے کر دی، لڑکا کہے: میں نے یہ نکاح قبول کیا، اس کے ساتھ ہی نکاح مکمل ہوجائے گا اور عقد صحیح ہوگا، رہا بیوی کو انگوٹھی پہنانے کی رسم کا مسئلہ، اگر تو اس میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ جب عورت اس انگوٹھی کو پہنے گی جس پر اس کے خاوند کا نام کندہ ہے تو شادی پائیدار رہے گی تو یہ باطل اور فاسد عقیدہ ہے، انسان کے لیے ایسا برا نظریہ رکھنا درست نہیں، اگر وقت کی مناسبت سے محض انگوٹھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ لڑکا خود نہ پہنائے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 15)

14۔ نکاح سے پہلے آدمی کا اپنی منگیتر سے خلوت اختیار کرنا:

وہ اعضاء جو عموماً کھلے ہوتے ہیں نکاح کے داعیہ کے پیشِ نظر آدمی انھیں دیکھ سکتا ہے، جس طرح کہ چہرہ، سر، قدم اور ہتھیلیاں وغیرہ، اس لیے کہ جب وہ اپنی منگیتر کو دیکھ لے گا اور مطمئن ہو کر نکاح کرے گا تو ان کے درمیان محبت و مودت اور خوشگوار فضا پیدا ہونے کے قوی امکانات ہیں، لیکن اس کی چند شرطیں ہیں۔ پہلی تو یہ کہ کسی جگہ تنہا نہ ہوں، کیونکہ غیر محرم عورت کے ساتھ اس کی خلوت حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((لا یخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم))[1]

”کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ ہرگز خلوت نشین نہ ہو مگر محرم کے ساتھ۔“

دوسری یہ کہ اس کا دیکھنا شہوت و تلذذ کی نظر سے نہ ہو، بلکہ محض اطلاع کی خاطر ہو، تاکہ وہ مزید پیش قدمی کرے یا چھوڑ دے، اگر وہ لذت و تمتع کی بنا پر دیکھتا ہے تو یہ ناجائز ہے، کیونکہ وہ ان عورتوں میں سے نہیں کہ جو اس کے لیے حلال ہیں اور نہ ہی انھیں لطف اندوزی و تلذذ کی خاطر دیکھنا جائز ہے۔

تیسری یہ کہ منگنی کرنے کے حوالے سے اس کا غالب ظن ہو اگر اس کا غلبہ ظن اس کے برعکس ہو تو دیکھنے کا کوئی داعیہ اور سبب نہیں۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4)

15۔ منگیتر کے ساتھ ٹیلی فون پر بات کرنا:

آدمی کے ٹیلی فون پر اپنی منگیتر سے گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ بات ابھی چل رہی ہو، افہام و تفہیم مقصود ہو، بقدر ضرورت ہو، فتنہ بھی نہ ہو اور جب لڑکی کے

[1] متفق علیه: صحیح البخاري [5233]، صحیح مسلم [1341/420]

سرپرست کی موجودگی میں یہ سب کچھ ہو تو شک و ریب کا اندیشہ پیدا نہیں ہوگا۔ لیکن جو مکالمات مرد و زن اور لڑکے لڑکیوں کے مابین بغیر منگنی کے چلتے ہیں اور جسے وہ تعارف کا نام دیتے ہیں، یہ منکر و حرام فتنے کا سبب اور بے حیائی کا پیش خیمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾ [الأحزاب: 32]

"تو بات کرنے میں نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے طمع کر بیٹھے اور وہ بات کہو جو اچھی ہو۔"

چنانچہ عورت اجنبی آدمی سے ضرورت کے علاوہ بات نہ کرے، اور ایسے عمدہ انداز سے بات کرے جس میں فتنے اور شک کی گنجائش نہ ہو علماء نے اس مسئلہ میں نص بیان کی ہے کہ عورت بحالت احرام تلبیہ اس طرح کہے کہ آواز بلند نہ کرے۔ حدیث پاک میں ہے:

((إذا أنابكم شيء في صلاتكم فليسبح الرجال، ولتصفق النساء)) [1]

"جب تمہیں نماز میں کوئی چیز پیش آ جائے تو مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں تالی بجائیں۔"

اس میں دلیل ہے کہ عورت کی آواز مرد صرف بحالت مجبوری سن سکتے ہیں، جب وہ ان سے بات کرنے پر لاچار ہو جائیں، لیکن حیا اور وقار کا دامن نہیں چھوٹنا چاہیے، واللہ اعلم۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 186)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1218]

16۔ بغیر خلوت کے منگیتر کی جانب دیکھنے کا جواز:

جب آدمی کسی عورت سے منگنی کرنا چاہتا ہو تو بغیر خلوت کے اس سے بات کرنے اور اسے دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا، وہ اس معاملے میں آپ ﷺ سے مشاورت کر رہا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أنظرت إليها؟)) ''کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟'' اس نے کہا نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اذهب فانظر إليها))، قال: ((إذا خطب أحدكم المرأة فإن استطاع أن ينظر منها إلى ما يدعوه إلى نكاحها فليفعل)) [1]

''تو جا اور اسے دیکھ'' اور فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی ایک کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے، اگر اس سے ہو سکے تو جس بنا پر اس سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ چیز دیکھ لے۔''

نظر کلام سے سخت ہوتی ہے، اگر آدمی اس سے منگنی کرنا چاہتا ہے تو گفتگو شادی، رہائش، اس کی عادات وغیرہ کے متعلق ہو تا کہ اس کی سوجھ بوجھ پرکھ سکے تو کوئی حرج نہیں، اگر منگنی کا ارادہ نہ ہو تو پھر جائز نہیں، جب تک اس کا ارادہ منگنی کا ہے تو منگنی اور شادی کے متعلقات کے حوالے سے بحث و تمحیص میں کوئی مضائقہ نہیں، جبکہ خلوت نہ ہو، بلکہ بات چیت دور سے یا اس کے باپ، بھائی یا ماں وغیرہ کی موجودگی میں ہو۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 430/20)

---

[1] صحیح. سنن النسائي [3235] سنن أبي داود، رقم الحديث [2082]

17۔عورت حق مہر کا استحقاق کامل رکھتی ہے۔

بوقت عقد جب حق مہر مقرر کر دیا جائے یا خاوند اور عورت کے سرپرست کے مابین بالاتفاق طے پا جائے، پھر شادی ہو جائے تو محض عقد سے ہی وہ حق مہر کی مالک بن جائے گی، اگر خاوند ہم بستری سے پہلے طلاق دے دے تو اسے نصف واپس مل جائے گا، اگر مباشرت ہوگئی تو وہ مکمل حق مہر کی مالک بن جائے گی، جب نکاح ہو جائے اور حق مہر مقرر نہ کیا جائے تو مرد جب بھی وظیفہ زوجیت ادا کرے گا عورت کو حق مہر مثلی ملے گا۔ (ابن جبرین: الفتاویٰ: 11/23)

18۔عقد نکاح کے وقت طرفین کا بالاتفاق حق مہر مقرر کرنا چاہیے دولہا کچھ بھی ادائیگی نہ کرے:

نکاح میں حق مہر واجب ہے اور وہ عورت کا حق ہے، جس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ﴾ [النساء: 4]

''اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دو۔''

چنانچہ حق مہر واجب ہے اور بوقت نکاح مقرر کرنا سنت ہے، اگر اس وقت مقرر نہ بھی کیا جائے تو نکاح صحیح ہوگا اور وہ عورت کا حق ہے اور حکم الٰہی اس بارے معلوم ہی ہے، لوگ نکاح کے وقت اسے ذکر کریں، اگرچہ ادائیگی بعد میں ہی کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے حق مہر اسی وقت ادا کر دیا جائے تو بھی درست ہے، بعد میں ہو جائے پھر بھی صحیح ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ حق مہر ہونا چاہیے، جو خاوند بیوی کے حوالے کرے،

اس میں کمی کرے اور نہ ہی اس کے مطالبے پر ٹال مٹول کرے، اور اگر عورت خود اسے دے دے یا معاف کر دے یا کچھ حصہ معاف کر دے تو کوئی حرج نہیں، یہ اس کا اپنا حق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ﴾ [النساء: 4]

''پھر اگر وہ اس میں سے کوئی چیز تمھارے لیے چھوڑنے پر دل سے خوش ہو جائیں تو اسے کھالو، اس حال میں کہ مزے دار، خوشگوار ہے۔''

مسئلہ طرفین کے اتفاق کا ہے، وہ حق مہر کی ادائیگی کے حوالے سے فوراً ہو جائے یا بعد ازاں۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 181)

19۔ حق مہر کی مقدار کا تعین۔

ہمارے علم میں کتاب و سنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں جس میں حق مہر کی مقدار کا تعین کر دیا گیا ہو، قرآن مجید میں کچھ دلائل ایسے موجود ہیں جن میں زیادہ حق مہر کی ادائیگی پر خبردار کیا گیا ہے، اور کچھ ایسے ہیں جو زیادہ اور تھوڑے حق مہر دونوں کو شامل ہیں۔ پہلی بات کی دلیل یہ ہے:

﴿وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ﴾ [النساء: 20]

''اور اگر تم کسی بیوی کی جگہ اور بیوی بدل کر لانے کا ارادہ کرو اور تم ان میں سے کسی کو ایک خزانہ دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔''

اور دوسری بات کی دلیل یہ ہے:

﴿ وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ [النساء: 24]

''اور خاوند والی عورتیں (بھی حرام کی گئی ہیں) مگر وہ (لونڈیاں) جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہوں، یہ تم پر اللہ کا لکھا ہوا ہے۔ اور تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں جو ان کے سوا ہیں کہ اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو، اس حال میں کہ نکاح میں لانے والے ہو، نہ کہ بدکاری کرنے والے، پھر وہ جن سے تم نے ان عورتوں میں سے فائدہ اٹھایا، پس انھیں ان کے مہر دو، جو مقرر شدہ ہوں اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس پر تم مقرر کر لینے کے بعد آپس میں راضی ہو جاؤ، بے شک اللہ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ

لَا مُتَّخِذِيٓ اَخۡدَانٍ﴾ [المائدۃ: 5]

''آج تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے جنھیں کتاب دی گئی اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور مومن عورتوں سے پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جب تم انھیں ان کے مہر دے دو، اس حال میں کہ تم قید نکاح میں لانے والے ہو، بدکاری کرنے والے نہیں اور نہ چھپی آشنائیں بنانے والے۔''

''الأموال'' اور ''الأجور'' کے الفاظ کم اور زیادہ حق مہر دونوں کو شامل ہیں۔ اور جو دلائل سنت میں مذکور ہیں ان میں مختلف واقعات کی وجہ سے حق مہر کے مسئلہ میں بہت فرق دکھائی دیتا ہے، جس طرح کے رسول اللہ ﷺ کی بیویوں اور بیٹیوں کے حق مہر ہیں، اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیویوں کے حق مہر معروف ہیں، جیسا کہ قرآنِ مجید کو حق مہر بنا کر شادی کرنا، جتنا کہ شادی کرنے والے کو یاد تھا، اور دو جوتوں کو حق مہر بنا کر نکاح کرنا، گٹھلی برابر سونے پر اور چار اوقیوں پر، جو مزید معلومات چاہتا ہے وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ وغیرہ کی طرف رجوع کرے۔ (اللجنۃ الدائمۃ: 34241)

20۔ حق مہر کی تعیین پر اہل قبیلہ کی اصطلاح۔

جب اہل قبیلہ صالح عورتوں اور نوجوانوں کے حق مہر کے سلسلہ میں کوئی اصطلاح مقرر کر دیں تو کسی کے لیے اس کی مخالفت کرنا روا نہیں ہے، نہ ہی تمام کی مصلحت کے خلاف چلنا جائز ہے، اہل قبیلہ کی ایسی اصطلاح کا نفاذ ہر ایک پر

لازم ہے، اس میں خلل اندازی اہل قبیلہ یا بستی والوں کی مصلحت عامہ میں خلل اندازی ہے، اگر وہ معین حد سے تجاوز کرتا ہے تو اضافہ منہا کر کے اہل قبیلہ یا بستی والوں کی مصلحت میں صرف کر دیا جائے گا، جو شخص ایسی مصلحت عامہ کی مخالفت کرتا ہے وہ لائق تعزیر ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 88/21)

21۔ عورتوں کے حق مہر میں غلوّ سے کام لینا۔

عورتوں کے حق مہر میں غلوّ ناپسندیدہ ہے، اس میں تخفیف اور آسانی پیدا کرنا مسنون ہے، لیکن اگرچہ غلوّ سے کام لیا گیا ہو عورت کے لیے حرام نہیں ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا﴾ [النساء: 20]

''اور تم ان میں سے کسی کو ایک خزانہ دے چکے ہو۔''

''القنطار'' مال کثیر کو کہتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے خود ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے چار سو دینار حق مہر سے نکاح کیا تھا، جو نجاشی نے آپ ﷺ کی طرف سے ادا کیا تھا۔ اُس وقت یہ چار ہزار درہم کے برابر کی مالیت تھی۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 87/21)

22۔ کچھ حق مہر کی ادائیگی پہلے اور کچھ کی بعد میں۔

یہ مسئلہ میاں بیوی یا میاں اور بیوی کے سرپرست کے باہمی اتفاق کا ہے، جب وہ پہلے یا بعد میں حق مہر کی ادائیگی کے حوالے سے کسی بھی چیز پر متفق ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں، اللہ کا شکر ہے کہ اس مسئلہ میں وسعت ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«المسلمون علی شروطهم» [1]

''مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«إن أحق الشروط أن يوفىٰ به ما استحللتم به الفروج» [2]

''جن شرطوں کی بنا پر تم شرمگاہوں کو حلال سمجھتے ہو یقیناً وہ زیادہ لائق وفا ہیں۔''

جب طرفین متفق ہو جائیں کہ سارا حق مہر پہلے یا بعد میں ادا کر دیا جائے یا کچھ پہلے اور کچھ بعد میں ادا کر دیا جائے تو سب صورتیں جائز ہیں، لیکن کسی چیز کا بوقت نکاح نام لینا مسنون ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ ﴾ [النساء: 24]

''جو ان کے سوا ہیں کہ اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو۔''

سو حق مہر جیسی چیز کا نام لیا جائے، اگر وہ ایسا کرے تو اچھا ہے اور اگر کہے کہ میرے ذمہ ہے کہ بعد میں حق مہر کی ادائیگی کر دوں گا اور طرفین کو مقدار معلوم ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، یا وہ کہے کہ بعد میں آدھا، تہائی یا چوتھائی حق مہر ادا کروں گا اور پہلے اور بعد والے کی وضاحت کر دے تو بھی کوئی حرج نہیں، الحمدللہ سب میں گنجائش ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 89/21)

23۔ عورت کے حق مہر کو مؤخر کرنا۔

تاخیر سے حق مہر کی ادائیگی میں کوئی حرج نہیں، یہ امر جائز ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [5349]

[2] متفق عليه. صحيح البخاري [2721] صحيح مسلم [1418/63]

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ﴾ [المائدة: 1]

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو عہد پورے کرو۔ تمھارے لیے چرنے والے چوپائے حلال کیے گئے ہیں، سوائے ان کے جو تم پر پڑھے جائیں گے، اس حال میں کہ شکار کو حلال جاننے والے نہ ہو، جبکہ تم احرام والے ہو، بے شک اللہ فیصلہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔''

حکمِ ایفاء، ایفاءِ عہد اور ایفاءِ شرط دونوں کو شامل ہے۔

جب آدمی پورے یا کچھ حق مہر کی تاخیر سے ادائیگی کی شرط لگائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اگر اس نے مقررہ وقت کی تعیین کر دی تو اس وقت کے آنے پر وہ ثابت ہو جائے گا، اور اگر اس نے تعیین نہیں کی تو میاں بیوی کی جدائی پر وہ ثابت ہو جائے گا، جو کہ طلاق، فسخ اور موت کی وجہ سے ہو سکتی ہے، یہ خاوند کے ذمہ قرض ہوگا، اگر زندہ ہے تو وہ وقتِ مقرر گزرنے کے بعد وگرنہ موت کے بعد اس کا مطالبہ کیا جائے گا، باقی قرضوں کی طرح اسے ورثاء ادا کریں گے۔

اگر خاوند مالدار ہے تو عورت پر اس حق مہر مؤجل میں زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر وہ محتاج ہے تو عورت پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اگر لوگ اس مسئلہ (حق مہر کی بالتاخیر ادائیگی) کو اپنا لیں تو بہت زیادہ لوگوں کے لیے شادی کرنا آسان ہو جائے۔

عورت اگر عقلمندی کا مظاہرہ کرے تو حق مہر مؤخر سے سبکدوش ہو جائے اور اگر خاوند معاف کروانے کے لیے اسے مجبور کرے یا طلاق کی دھمکی دے تو حق مہر ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ میاں اپنی بیوی کو حق مہر کی معافی کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 91)

24۔ لڑکی کا باپ لڑکے سے حق مہر سے زائد مال کی شرط لگاتا ہے، وہ مال اس کا ذاتی ہوگا نہ کہ حق مہر میں متصور ہوگا۔

عورت کا حق مہر اس کی ملکیت ہے اور جو اس کا باپ لڑکے کی رضا مندی سے مشروط طور پر لیتا ہے اس کی ادائیگی لڑکے پر لازم ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن أطيب ما أكلتم من كسبكم، وإن أولادكم من كسبكم)) [1]

"یقیناً سب سے پاکیزہ جو تم کھاتے ہو وہ تمہاری کمائی ہے اور بے شک تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہی ہے۔"

لڑکی کے باپ نے اسے فروخت نہیں کیا بلکہ شرعی طریقہ سے اس کے ساتھ نکاح کیا ہے، لہٰذا یہ اس حدیث کی زد میں نہیں آ سکتا جس میں آزاد شخص کی قیمت کھانے کی تحریم واقع ہوئی ہے۔ (اللجنة الدائمه: 9450)

25۔ آدمی کا دوسرے آدمی پر اپنی بیٹی کو صدقہ کرنا اور اسے حق شمار کرنا۔

ایک شخص کا دوسرے پر اپنی بیٹی کو بغیر حق مہر کے صدقہ کرنا جائز نہیں ہے، یہ شادی صحیح نہیں ہوگی، لڑکا اگر یہ سمجھے کہ اس انداز سے حق مہر کی ادائیگی لازم نہیں آئے گی تو حق مہر مثلی لڑکی کو ملے گا، کیونکہ وہ اس کی ملکیت نہیں ہے، حق مہر اس کے حقوق میں سے ہے، کتاب و سنت میں وجوبِ حق مہر پر دلیل موجود ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

[1] صحيح. سنن الترمذي [1358]، سنن ابن ماجه [2290]

﴿اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ [النساء: 24]

اور تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں جو ان کے سوا ہیں کہ اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو، اس حال میں کہ نکاح میں لانے والے ہو، نہ کہ بدکاری کرنے والے۔"

اس لیے بھی کہ بغیر حق مہر کے محض ہبتاً نکاح صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے۔ فرمان ربانی ہے:

﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الأحزاب: 50]

"اور کوئی مومن عورت اگر وہ اپنا آپ نبی کو ہبہ کر دے، اگر نبی چاہے کہ اسے نکاح میں لے لے، یہ خاص تیرے لیے ہے، مومنوں کے لیے نہیں۔" (اللجنة الدائمة: 1943)

26۔ عورت نکاح کے کچھ عرصہ بعد حق مہر کا مطالبہ کرتی ہے۔

عورت مہر کا استحقاق رکھتی ہے، وہ جب بھی مطالبہ کرے خاوند کے ذمہ ہے کہ اس جیسی دیگر عورتوں کی مانند اسے حق مہر ادا کرے، کیونکہ حق مہر شرمگاہ سے استفادہ کے عوض خاوند پر عائد ہوتا ہے، اگر عورت از خود سارا یا کچھ حق مہر معاف کر دے تو جائز ہے، یہ چیز صحت نکاح پر بھی اثر انداز نہیں ہوگی۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ

﴿مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا﴾ [النساء: 4]

''اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دو، پھر اگر وہ اس میں سے کوئی چیز تمھارے لیے چھوڑنے پر دل سے خوش ہو جائیں تو اسے کھالو، اس حال میں کہ مزے دار، خوشگوار ہے۔'' (اللجنة الدائمة: 20879)

27۔ خاوند کی اجازت کے بغیر عورت کا اپنے حق مہر میں تصرف کرنا۔

عورت حق مہر کی پوری طرح مالک ہے سوائے اس صورت کے کہ خاوند بغیر مباشرت اور خلوت کے اسے طلاق دے دے، اس طرح خاوند کو نصف واپس مل جائے گا، جبکہ وہ حق مہر پر مکمل استحقاق رکھتی ہے، چاہے تو اسے بیچ ڈالے یا اس سے کوئی چیز خرید لے، خاوند کو اعتراض کا کوئی حق نہیں، ہاں! اگر وہ سونا خریدے تاکہ خاوند کے لیے آراستہ ہو، اور پھر اس سے مطالبہ شروع کر دے کہ اس کے بدلے وہ کچھ اور خرید کر دے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ خاوند کو تکلیف دینے کا باعث ہے، بسا اوقات خاوند کی مالی حالت ناگفتہ بہ ہوتی ہے اور بیوی کی خوشنودی کے لیے وہ قرض اٹھاتا ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 22)

28۔ باپ کا بیٹی کی رضا مندی کے بغیر اس کا حق مہر لے لینا۔

بیٹی جب حق مہر کی مالک بن چکی ہو تو باپ اس کی رضا مندی کے بغیر بھی اس کا حق مہر لے سکتا ہے، الا یہ کہ وہ اس کی ضرورت مند ہو اور اس کی ضروریات اس حق مہر کے بغیر پوری نہ ہوسکتی ہوں، اس صورت میں باپ نہیں لے سکتا، کیونکہ ذاتی ضرورت غیر کی ضرورت پر مقدم ہے، اگر باپ نکاح یا منگنی کے وقت یہ شرط لگائے کہ حق مہر میں اتنا اتنا میرے لیے ہوگا اور لڑکے کو اس کی

ادائیگی کا پابند کرے تو یہ یقیناً حرام ہے، حلال نہیں ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیٹیاں باپوں کے ہاں فروخت کردہ سامان کی مانند ہیں کہ جن کی قیمت میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے، یہ امانت میں خیانت کے مترادف ہے، جس طرح کہ کئی لوگ اس کے مرتکب ہوتے ہیں، باپ یہ نہیں دیکھتا کہ لڑکا دین اور اخلاق کے اعتبار سے کیسا ہے؟ بلکہ یہ نظر رکھتا ہے کہ حق مہر میں سے اسے دوسروں کی نسبت زیادہ کون دیتا ہے؟ سرپرستوں کو متنبہ ہوجانا چاہیے کہ حق مہر میں سے ذاتی نوعیت کی کسی چیز کی بھی شرط لگانا اُن کے لیے حلال نہیں ہے، خواہ باپ ہو، بھائی ہو، چچا ہو یا کوئی اور، یہ شادی شدہ عورت کا حق ہے جو اس کی شرمگاہ اور اس سے استفادہ کا عوض ہے، کسی کا بھی اس پر قبضہ و اختیار نہیں ہوسکتا۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 14)

29۔ باپ کی بیوی کا اپنے شوہر کی بیٹیوں کے حق مہر سے حصہ لینا، اس تگ و دو کے عوض جو وہ ان کی تربیت کے حوالے سے کرتی ہے۔

حق مہر کی وہ لڑکیاں مالک ہیں، اگر وہ اپنے باپ کی بیوی یا کسی کو بھی اپنی اجازت سے کچھ دیتی ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ﴾ [النساء: 4]

”پھر اگر وہ اس میں سے کوئی چیز تمھارے لیے چھوڑنے پر دل سے خوش ہوجائیں تو اسے کھالو، اس حال میں کہ مزے دار، خوشگوار ہے۔“

(الفوزان: المنتقیٰ: 182)

30۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ ...﴾ کا مفہوم

اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کو حکم دیا ہے کہ بیویوں سے اچھے طریقے سے رہیں، انھیں ازدواجی زندگی کے بقا پر رغبت دلائی ہے اور بیویوں کی ایذاء رسانی اور برے سلوک سے ڈرایا ہے، جو وہ حق مہر واپس لینے کی خاطر روا رکھ سکتے تھے، اس کے بعد یہ تعلیم دی ہے کہ جب وہ پہلی بیویوں کو طلاق دے کر دوسریوں سے نکاح کرنا چاہیں تو انھیں دیا ہوا حق مہر واپس نہیں لے سکتے، چاہے وہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو، پھر اس حکم امتناعی کو مزید پختہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کچھ بھی نہیں لے سکتے، جبکہ ان سے مباشرت کر چکے ہیں، ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوئے ہیں، بڑا عہد و پیمان ان کے مابین ہو چکا ہے، جو عدل کو قائم کرنے حقوق کی حفاظت کرنے، اچھے طریقے سے رہنے سہنے اور گناہوں اور بہتان سے اجتناب کرنے کے حوالے سے ہے۔ (اللجنة الدائمة: 5276)

31۔ لڑکی کا شادی کے لیے اپنے آپ کو نیک آدمی پر پیش کرنا جس میں وہ عمدہ اخلاق اور بہترین صفات دیکھتی ہے۔

اگر معاملہ ایسے ہی ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تو لڑکی کے لیے شرعاً جائز ہے کہ ایسے آدمی پر اپنے آپ کو پیش کرے، اس میں کوئی حرج والی بات نہیں، جبکہ ایسا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا اور اس ہبہ کرنے والی عورت نے جس کا قصہ سورۂ احزاب میں مذکور ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیٹی حضرت حفصہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ پر پیش کیا تھا۔

32۔ دوسرے کے لیے از خود شادی سے سبکدوش ہو جانا۔

کیا جائز ہے کہ میں فی الحال شادی سے عدم رغبت کی بنا پر اپنی منگیتر کو اپنے سگے بھائی کے لیے پیش کر دوں کہ وہ اس سے شادی کر لے اور لڑکی شادی کے قابل بھی ہے؟

تیرے لیے جائز ہے کہ اپنے بھائی یا کسی اور کی خاطر خود شادی سے سبکدوش ہو جائے، اگر لڑکی رضا مند ہو تو تیرا بھائی اس سے شادی کر سکتا ہے، لیکن اگر تیری شادی اس لڑکی سے ہو چکی ہے تو پھر کوئی دوسرا اس سے شادی نہیں کر سکتا، جب تک تو طلاق نہ دے اور اگر تو نے مباشرت کی ہے تو پھر عدت گزر جانے کا انتظار بھی کیا جائے گا، پھر لڑکی اگر رضا مند ہے تو دیگر شرعی شروطِ نکاح کا لحاظ رکھتے ہوئے نکاح جائز ہے۔ (اللجنة الدائمة: 6969)

33۔ لڑکے کا اپنے کام کاج کے حوالے سے اپنی منگیتر سے جھوٹ بولنا۔

اپنے کام کے متعلق منگیتر سے کذب بیانی جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ عیب چھپانے والی بات ہے، اگر اس نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرے اور لڑکی سے بھی معافی کا خواستگار ہو۔ (اللجنة الدائمة: 8256)

34۔ اولاد کے شادی کے معاملات میں باپ کی مداخلت۔

کیا باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ بیٹے سے بیوی اور بیٹی سے خاوند کے انتخاب کے متعلق بلا واسطہ بات چیت کرے؟

ہاں! باپ کے لیے جائز ہے کہ بیٹے سے بیوی منتخب کرنے کے متعلق اور اپنی بیٹی سے خاوند کے انتخاب کے بارے گفتگو کرے، اور اس ضمن میں دونوں سے مشورہ کرے، کیونکہ یہ مصلحت سے خالی نہیں ہے۔ (اللجنة الدائمة: 9174)

35۔ منگیتر سے لڑکی کے مرض کو چھپانا۔

اگر لڑکے کو علم نہ ہو تو لڑکی کے سرپرست پر لازم ہے کہ لڑکی میں جو بھی عیب یا بیماری ہے اس کے متعلق لڑکے کو ضرور آگاہ کرے، تاکہ اسے علم ہو جائے کیونکہ اسے لاعلم رکھنا دھوکہ ہے، اور نبی ﷺ نے کا فرمان ہے:

((من غشنا فليس منا)) [1]

''جس نے ہم سے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

36۔ لڑکی کا اپنے منگیتر کے ساتھ گھر سے باہر جانا۔

نکاح سے پہلے محرم کے بغیر لڑکی کے لیے جائز نہیں کہ اپنے منگیتر کے ہمراہ گھر سے باہر نکلے، کیونکہ یہ فتنے اور ایسی چیز کا سبب ہے جس کا انجام اور نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ (اللجنة الدائمة: 20893)

37۔ لڑکے کا اپنی منگیتر کو بوسہ دینا۔

بغیر خلوت کے لڑکا اپنی منگیتر سے اور منگیتر لڑکے سے بات کر سکتی ہے، لیکن لڑکا اسے بوسہ دے سکتا ہے اور نہ ہی چھو سکتا ہے مگر نکاح کے بعد ہی، کیونکہ نکاح سے پہلے وہ اجنبی ہے، اگرچہ وہ اس کی منگیتر ہے۔ (اللجنة الدائمة: 17961)

---

[1] صحیح. صحیح مسلم [102/164]

38۔ بیٹی کو ایسے آدمی سے نکاح کرنے پر مجبور کرنے کا حکم دینا جسے وہ ناپسند کرتی ہے۔

یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«والبكر يستأذنها أبوها وإذنها صمتها» [1]

''کنواری لڑکی سے اس کا باپ اجازت لے اور خاموشی ہی اس کی اجازت ہے۔''

اگر وہ اس شخص کو ناپسند کرتی ہے، چاہے متقی ہی ہو تو پھر بھی باپ اسے مجبور نہیں کرسکتا، وہ بس اسے نصیحت کرسکتا ہے اور جو اس کے لیے بہتر دیکھتا ہے اس کی طرف اشارہ کرسکتا ہے، اور لڑکی کے لیے مشروع یہ ہے کہ نیکی اور خیر کے کام میں اپنے باپ کی اطاعت کرے، جبکہ لڑکا بھی نیک اور صالح ہے تو اس کے لیے مسنون ہے کہ اپنے باپ کی فرمانبرداری کرے، اس کی شفقتوں اور احسانات کو چنداں فراموش نہیں کرے، لیکن اگر وہ اس شخص کو پسند نہیں کرتی تو اس معاملے میں باپ کی اطاعت بہر حال ضروری نہیں ہے۔ والله ولي التوفيق.

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 424/20)

39۔ چاندی کی انگوٹھی کا حکم۔

مردوں اور عورتوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی پہننے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاندی کی انگوٹھی پہنی ہے، لیکن سونے کی انگوٹھی صرف عورتوں کے لیے جائز ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے

---

[1] صحيح. صحيح مسلم [4121/66]

مردوں کو سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع کیا ہے۔ جب آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جس نے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی تو آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ سے اتار کر پھینک دی اور فرمایا:

«يعمد أحدكم إلى جمرة من النار فيجعلها في يده!» [1]

''تمہارا کوئی ایک آگ کے انگارے کا قصد کرتا ہے اور پھر اسے اپنے ہاتھ میں رکھ لیتا ہے!''

آدمی کے لیے افضل ہے کہ چاندی کی انگوٹھی چھنگلی کے ساتھ والی انگلی میں پہنے، کیونکہ نبی کریم ﷺ بھی اسی انگلی میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 428/20)

40۔ تعلیمِ قرآن کو عورت کا حق مہر مقرر کرنا۔

قرآن مجید کا کچھ حصہ عورت کا حق مہر مقرر کرنا درست ہے، جبکہ مرد کے پاس کوئی مال نہ ہو، کیونکہ صحیحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی ہ کہ، رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی، اس نے کہا: میں اپنی جان آپ ﷺ کے لیے ہبہ کرتی ہوں، کافی دیر وہ کھڑی رہی تو ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ کو ضرورت نہیں تو میری شادی اس کے ساتھ کر دیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «هل عندك من شيء تصدقها؟» ''کیا تیرے پاس اس کے حق مہر کے لیے کچھ ہے؟''

اس نے کہا میرے پاس تو صرف میرا تہبند ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: «إزارك إن أعطيتها إياه جلست ولا إزار لك فالتمس شيئا» ''اپنا تہبند اگر

---

[1] صحيح. صحيح مسلم [2090/52]

اسے دے دے گا تو خود بغیر تہبند کے رہے گا، جا اور کوئی چیز تلاش کر۔" اس نے کہا میرے پاس اور کوئی چیز نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ((التمس ولو خاتما من حديد)) "تلاش کر، اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے۔" اس نے تلاش کیا مگر کچھ نہ ملا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((زوجتكها بما معك من القرآن)) [1]

"جتنا تجھے قرآن آتا ہے، بس اس کے عوض میں نے تیری اس کے ساتھ شادی کر دی ہے۔"

جس طرح کہ یہ بھی جائز ہے کہ قرآن مجید کا مصحف بھی بطور حق مہر پیش کیا جا سکتا ہے، کیونکہ علماء کے زیادہ صحیح فتویٰ کی روشنی میں مصحف کی خرید و فروخت جائز ہے۔ (اللجنة الدائمة: 6029)

41۔ "قائمہ" کا حکم۔

"قائمہ" کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے؟ "قائمہ" سے مراد ہمارے ہاں یہ لیا جاتا ہے کہ دولہا کی طرف سے شادی کے عہد و پیمان میں کچھ تحفظات نقل کیے جاتے ہیں، یا پھر دولہا کی جانب سے تو پیش نہیں کیے جاتے، لیکن انھی پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ "مصالح مرسلہ" ہیں تاکہ کوئی بھی اپنی ذمہ داری سے منحرف نہ ہو سکے؟

اگر معاملہ ایسے ہی ہو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے تو شادی کے عہد و پیمان میں انھیں ذکر کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، میاں بیوی دونوں کے دستخط لے لیے جائیں تاکہ اختلاف کے وقت خلع ہو سکے، نیز خاوند جو وثیقہ پیش کرے وہ واضح اور التباس سے خالی ہو۔

---

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [5029] صحيح مسلم [1425/76]

42۔ حق مہر کی خاطر قرض لینا۔

شادی کا ارادہ کرنے والے کے پاس اگر مال نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ رقم قرض لے لے جبکہ ادائیگی کی نیت ہو۔ (اللجنة الدائمة: 10322)

43۔ لڑکے کا لڑکی کے باپ سے خرچ لینا تاکہ شادی کے اخراجات پورے کر سکے۔

یہ جائز ہے، اور مشروع ہے کہ خاوند بیوی کے لیے بوقت نکاح حق مہر مقرر کرے، چاہے کم ہی ہو۔ (اللجنة الدائمة: 4086)

44۔ حق مہر کے بغیر نکاح کا انعقاد۔

نکاح میں حق مہر کا ذکر کرنا اس کا رکن نہیں ہے، اگر حق مہر ذکر کیے بغیر بھی عورت سے نکاح کر لیا جائے تو یہ درست ہے اور عورت کو حق مہر مثلی ملے گا، کم سے کم حق مہر کی کوئی حد نہیں ہے بلکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق ہر وہ چیز جس کا قیمت بننا جائز ہے، اس کا حق مہر ہونا بھی جائز ہے، کیونکہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((التمس ولو خاتما من حديد)) [1]

"تلاش کر، اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو" (اللجنة الدائمة: 10934)

---

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [3359]

45۔ کیا حق مہر کو قرض سمجھا جائے کہ جس کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے؟

جو حق مہر بیوی کے لیے مقرر کر دیا جائے وہ سارے کا سارا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے، جب خاوند مباشرت کرے یا وفات پا جائے اور اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو جائے تو اسے نصف مل جاتا ہے، دونوں حالتوں میں یہ خاوند پر قرض ہوتا ہے، اس کی ادائیگی لازم ہے، الا یہ کہ عورت اپنی خوشی سے سارا یا کچھ حق مہر چھوڑ دے تو ساقط ہو جائے گا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾

[البقرۃ: 237]

”اور اگر تم انھیں اس سے پہلے طلاق دے دو کہ انھیں ہاتھ لگاؤ، اس حال میں کہ تم ان کے لیے کوئی مہر مقرر کر چکے ہو تو تم نے جو مہر مقرر کیا ہے، اس کا نصف (لازم) ہے، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں، یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور یہ (بات) کہ تم معاف کر دو تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنا نہ بھولو، بے شک اللہ اس کو جو تم کر رہے ہو، خوب دیکھنے والا ہے۔“

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ﴾ [النساء: 4]

”اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دو، پھر اگر وہ اس میں سے کوئی چیز تمھارے لیے چھوڑنے پر دل سے خوش ہو جائیں تو اسے کھالو، اس حال میں کہ مزے دار، خوشگوار ہے۔“ (اللجنة الدائمة: 606)

نکاح اور ولی (سرپرست) کے مسائل

46۔ سرپرست کے بغیر عورت کا نکاح۔

سرپرستی صحتِ نکاح کی شرائط میں سے ہے، کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ بغیر سرپرست کے نکاح کرے، اگر کرے گی تو اس کا نکاح باطل ہوگا۔
حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لا نكاح إلا بولي»[1]

''نکاح ولی کی اجازت ہی سے ہوتا ہے۔''

اور دوسری حدیث میں ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها، فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له»[1]

''جو عورت بھی سرپرست کی اجازت کے بغیر نکاح کرتی ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اگر آدمی اس کے ساتھ ہم بستری کرے تو اس کی شرمگاہ کو حلال کرنے کی وجہ سے مہر ادا کرے گا۔ اگر جھگڑا ڈالیں تو جس کا کوئی سرپرست

[1] صحيح. سنن أبي داود [2085] سنن الترمذي [1101] سنن ابن ماجه [1881]
[2] صحيح. سنن أبي دواد [2083] سنن الترمذي [1802]

نہیں حکمران اس کا سرپرست ہے۔"

مندرجہ بالا دونوں احادیث کو امام نسائی رحمہ اللہ کے علاوہ پانچوں نے بیان کیا ہے اور دوسری کو امام ابو دواد طیالسی رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے۔

اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

«لا نكاح إلا بولي، وأيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل باطل باطل، فإن لم يكن لها ولي فالسلطان ولي من لا ولي لها»[1]

"بغیر سرپرست کے نکاح نہیں ہے، اور جو عورت بھی سرپرست کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے، اگر اس کا سرپرست نہ ہو تو حکمران اس کا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔"

امام ابن منذر رحمہ اللہ نے فرمایا:

"اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔"

(اللجنة الدائمة: 1273)

47۔ عورت کا سرپرست بننے کا زیادہ مستحق کون ہے؟

عورت کا باپ اور اسی جہت سے اوپر تک یعنی اس کا دادا وغیرہ زیادہ سرپرستی کے حقدار ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو پھر عورت کا بیٹا اور اسی جہت سے نیچے تک یعنی اس کا پوتا وغیرہ، پھر اس کا حقیقی بھائی، پھر اس کا وہ سوتیلا بھائی جو باپ کی طرف سے ہے، پھر اس کا حقیقی بھانجا، پھر سوتیلا بھانجا، پھر اس کا حقیقی چچا،

[1] صحیح. مسند الطیالسی، رقم الحدیث [1463]

پھر سوتیلا چچا، پھر حقیقی چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے چچا کا بیٹا، پھر اگر وہ آزاد کردہ ہے تو ولاء (وہ تعلق جو آقا اور غلام کے مابین آزادی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے) یا اگر اسے کسی پر یا کسی کو اس پر یہ نسبتِ ولاء حاصل ہو تو وہ سرپرست بنے گا، پھر حکمران کہ جسے کنٹرول حاصل ہو یا اس کا نائب ہو۔ عورت کے کسی ایسے رشتہ دار کو سرپرستی نہیں مل سکتی کہ جو ماں کی نسبت سے تعلق دار ہے، چنانچہ ماں کے باپ کو، ماں کی طرف سے بھائی کو اور ماموں وغیرہ کو سرپرست نہیں بنایا جا سکتا۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 28)

48۔ مطلقہ عورت کا ایجاب وقبول کے ساتھ سرپرست اور گواہوں کے بغیر نکاح کرنا۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ شادی درست نہیں، کیونکہ اس میں سرپرست موجود نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لا نكاح إلا بولي» [1] ''بغیر سرپرست کے نکاح نہیں۔''

لیکن بعض اہل علم یہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت بالغ، عقلمند اور آزاد ہو، اور ایسے علاقہ میں رہتی ہو جو لوگ بغیر سرپرست کے نکاح کو درست سمجھتے ہیں تو اس کا نکاح صحیح ہے، اس بناء پر کہ عوام کا مذہب وہی ہوتا ہے جو اس علاقے کے علماء کا ہوتا ہے، اور اگر وہ ایسے علاقے میں رہتی ہے کہ جہاں بغیر سرپرست کے نکاح درست نہیں سمجھا جاتا تو پھر لازم ہے کہ اپنے خاوند سے علیحدہ ہو جائے اور نئے سرے سے نکاح کرے، اور جو کچھ ہو چکا اس کی معافی ہے، کیونکہ یہ شبہے کی

[1] صحيح. سنن أبي داود [2085] سنن الترمذي [1101] سنن ابن ماجه [1881]

وجہ سے ہوا ہے۔ اور اس دوران جو اولاد پیدا ہوئی وہ انھیں دونوں کی متصور ہوگی۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 25)

49۔ عورت خود اپنا نکاح نہیں کرسکتی۔ اس میں کیا حکمت ہے؟

یہ تو معلوم ہی ہے کہ عورت سخت جذباتی اور ناقص العقل ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«ما رأيت من ناقصات عقل و دين أذهب للب الرجل الحازم من إحداكن»[1]

''کم دین اور عقل والیوں میں سے میں نے کوئی ایسی نہیں دیکھی جو تم سے بڑھ کر عقلمند آدمی کے ہوش وحواس اڑا دینے والی ہو۔''

جب یہ سخت جذباتی، کم سمجھ بوجھ والی اور وسیع النظر نہیں ہے تو یقیناً دھوکہ کھا جاتی ہے، اور ایسا شخص اس سے نکاح کر لیتا ہے جو نا اہل ہے، تب فرحت وانبساط اور خوشی کی جگہ بدبختی اور ندامت آ جاتی ہے، چنانچہ شرعی حکمت یہی ہے کہ عورت بغیر سرپرست کی اجازت کے نکاح نہ کرے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 28)

50۔ باپ کی اجازت کے بغیر دوشیزہ کا نکاح۔

عورت کے لیے جائز نہیں کہ باپ کی اجازت کے بغیر نکاح کرے، کیونکہ وہ اس کا سرپرست ہے اور وہ اس کی نسبت بہتر دیکھ سکتا ہے، لیکن باپ کے لیے بھی جائز نہیں کہ نیک اور برابر کے آدمی سے شادی کرنے پر بیٹی کے لیے رکاوٹ بنے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [298] صحيح مسلم، رقم الحديث [79]

« إِذَا أَتَاكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَهُ وَدِينَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ » [1]

"جب تمھارے پاس وہ شخص آئے کہ جس کے اخلاق اور دین کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو، وگرنہ زمین پر فتنہ اور لمبا چوڑا فساد پھیل جائے گا۔"

ایسا آدمی کہ جسے لڑکی کا باپ پسند نہیں کرتا لڑکی کو بھی اس سے شادی کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس کا باپ زیادہ گہری نظر سے دیکھتا ہے، اور ممکن ہے اس سے شادی نہ کرنے میں ہی بھلائی ہو۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ ﴾ [البقرة: 216]

"اور ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو۔"

اور اس پر لازم ہے کہ نیک خاوند کے انتخاب کے بارے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 139)

51۔ عورت نے اپنے پھوپھو زاد کو وکیل و سرپرست بنا کر عدالت کے ذریعے شادی کر لی، عدالت نے بھی موافقت کی۔

عورت خود کسی کو وکیل نہیں بنا سکتی، وکیل تو وہی بنا سکتا ہے جو سرپرست ہو، چنانچہ ضروری ہے کہ وکالت عدالت کی طرف سے ہو نہ کہ لڑکی کی طرف سے، اگر معاملہ ایسے ہی ہے، جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ اس نے اپنے پھوپھو زاد کو وکیل بنا لیا اور نکاح ہو گیا تو یہ نکاح درست نہیں، اس کا اعادہ ضروری ہے، اس طرح کہ وہ اپنے سرپرست کے ساتھ عدالت میں جائے اور عدالت معاملے میں غور و فکر کرے۔ واللہ اعلم (الفوزان: المنتقیٰ: 142)

---

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [1085]

52۔ عورت نے اپنے ماموں کو وکیل بنایا، وہی اس کا سرپرست بھی بنا اور اس کی شادی کر دی۔

اس طرح نکاح درست نہیں، کیونکہ ماموں سرپرست نہیں بن سکتا، نہ ہی عورت خاوند کو وکیل بنا سکتی ہے اور نہ ہی وہ خود اپنی سرپرست بن سکتی ہے، چنانچہ یہ سارا عمل تحریر، دستخط اور گواہی ان کی کوئی قیمت نہیں۔ اور لازم ہے کہ عورت کا نکاح اس کا سرپرست کرے، یعنی جو باپ کی طرف سے سب سے قریب ہے، اگرچہ اس سے دور ہی رہتا ہو، اگر کوئی ایسا رشتہ دار نہ ہو تو پھر حاکمِ شہر اس کا سرپرست بنے گا یا پھر شرعی عدالت کا قاضی۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 143)

53۔ کیا عورت جس سے چاہے خود اپنی شادی کر سکتی ہے؟

عورت کے لیے جائز نہیں کہ خود اپنی شادی کرے، اگر خود اپنا نکاح کرے گی تو جمہور سلف و خلف اہل علم کے نزدیک اس کا نکاح باطل ہوگا، کیونکہ شادی کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خطاب عورتوں کے سرپرستوں سے کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَاَنكِحُوا الْاَيَامٰى مِنكُمْ وَالصّٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ ﴾

[النور: 32]

''اور اپنے میں سے بے نکاح مردوں، عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں سے جو نیک ہیں ان کا بھی۔''

نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إذا أتاكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه))[1]

[1] **حسن**. سنن الترمذي، رقم الحديث [1085]

"جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو۔"

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لا نكاح إلا بولي وشاهدي عدل)) [1]

"بغیر سرپرست اور دو عادل گواہوں کے کوئی نکاح نہیں۔"

54۔ باپ کا اپنی بیٹی کو شادی پر مجبور کرنا۔

باپ اپنی بیٹی کو مجبور نہیں کر سکتا، لیکن بیٹی کو چاہیے کہ اگر اس کا باپ اس کی خیر خواہی کر رہا ہے اور نیک اور برابر کا رشتہ منتخب کر رہا ہے تو وہ اپنے باپ کی نافرمانی نہ کرے، رہا مجبور کرنے کا مسئلہ تو اگر لڑکی بیوہ ہے تو بالاتفاق مجبور نہیں کر سکتا اور اگر کنواری ہے تو بھی صحیح قول کی روشنی میں مجبور نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (الفوزان: المنتقیٰ: 134)

55۔ کتابیہ عورت کا سرپرست کون ہے؟

اس کا سرپرست بھی وہی ہے جو مسلمان عورت کا ہے، یعنی باپ کی جہت سے رشتہ دار، ان میں سب سے قریبی باپ ہے، پھر دادا اور اسی جہت سے اوپر تک صرف مرد، پھر اس کا بیٹا، پھر پوتا اور اسی جہت سے نیچے تک۔ جو عورت کے زیادہ قریب ہے وہ سرپرستی کا زیادہ حقدار ہے، پھر وراثت کے حساب سے باقی خونی رشتہ دار۔ (اللجنة الدائمة: 12087)

---

[1] صحيح. سنن الطبراني في الأوسط [5564]

عقدِ نکاح کے مسائل

56۔ الفاظِ عقد۔

ہر وہ لفظ جو عقدِ نکاح پر دلالت کرتا ہے اس سے نکاح درست ہے، سب سے واضح الفاظ درج ذیل ہیں: ''میں نے تیری شادی کر دی''، میں نے تیرا نکاح کر دیا''، ''میں نے تجھے مالک بنا دیا۔'' (اللجنة الدائمة: 4123)

57۔ نکاح کے موقع پر سورۂ فاتحہ پڑھنا۔

یہ غیر شرعی بلکہ ایک بدعت ہے، فاتحہ ہو یا کوئی اور خاص سورت صرف اسی جگہ پڑھی جائے جہاں اس کا پڑھنا مشروع ہے، اگر کسی اور ہر جگہ بغرض عبادت پڑھی گئی تو بدعت شمار ہوگی، ہم نے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ تمام مواقع پر ہی فاتحہ پڑھتے ہیں، یہاں تک کہ ہم نے سنا ہے ایک آدمی کہتا ہے فاتحہ میت پر پڑھو اور فلاں پر اور فلاں پر پڑھو، یہ سب بدعات وخرافات ہیں، فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت صرف ایسی حالت، جگہ اور وقت میں پڑھی جائے گی کہ جہاں کتاب وسنت کی روشنی میں مشروع قرار دی گئی ہے، ورنہ وہ بدعت تصور ہوگی اور پڑھنے والے کو روکا جائے گا۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب:۲)

58۔ عقدِ نکاح کے موقع پر سورۃ کوثر کی تلاوت۔

یہ سنت سے ثابت نہیں ہے، خطبہ نکاح میں مسنون یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ والا مشہور و معروف خطبہ پڑھا جائے اور اگر وہ بھی چھوڑ دے تو کوئی حرج نہیں، لیکن افضل یہ ہے کہ وہ پڑھا جائے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 2)

59۔ مسجد میں نکاح کرنا۔

مسجد میں نکاح کا انعقاد جائز ہے، جبکہ مسجد یا اہل مسجد کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اگر ان کے لیے باعث مضرت ہو تو جائز نہیں، اگر تو کورٹ میں نکاح کے لیے جگہ مخصوص ہو تو وہیں کرنا چاہیے، ورنہ گھروں میں بھی درست ہے۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 3)

60۔ صرف تحریراً نکاح کرنا۔

محض دستخط کرنے سے ہی نکاح نہیں ہو جاتا بلکہ زبان سے بولنا ضروری ہے، سرپرست بول کر قبول کروائے اور دولہا بول کر قبول کرے، دونوں ایسے الفاظ بولیں جو عام متعارف ہیں۔ (اللجنۃ الدائمۃ: 17979)

61۔ ٹیلی فون پر نکاح کرنا۔

آج کل دھوکہ اور فریب بہت زیادہ ہے، گفتگو اور دوسرے کی آواز کی نقل اتارنے میں ایسی مہارت سے کام لیا جاتا ہے کہ ایک ہی آدمی متعدد افراد جن میں مرد، عورتیں، چھوٹے اور بڑے سب ہوتے ہیں، ان کی نقل اتار لیتا ہے، ان کی آوازوں اور مختلف زبانوں کی ایسی نقل اتارتا ہے کہ سننے والا سمجھتا

ہے کہ بہت سارے لوگ کلام کر رہے ہیں، حالانکہ صرف ایک آدمی ہوتا ہے۔
شریعت نے شرمگاہ اور عزت و ناموس کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا ہے اور دیگر معاملات کی نسبت ان میں زیادہ احتیاطی تدابیر بتلائی ہیں، ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فتویٰ کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ انعقاد نکاح کے سلسلہ میں ٹیلی فون پر ہونے والے ایجاب و قبول اور وکالت پر اعتماد نہ کیا جائے، تاکہ شرعی مقاصد حاصل ہوسکیں، شرمگاہوں اور عزت و ناموس کا مزید تحفظ ہوسکے اور اہل ہوس اپنے مکر و فریب کے ذریعہ دھوکہ نہ دے سکیں۔ (اللجنة الدائمة: 1216)

62۔ ہفتے کے دنوں میں سے جس دن چاہیں نکاح کریں۔

پورے ہفتے میں جس دن چاہیں نکاح کر لیں، کوئی حرج نہیں، اور نہ ہی نکاح جمعہ کے دن کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ اس پر کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہیں، اور نہ ہی کوئی ایسی بات ہے کہ ہفتہ یا اتوار کے دن نکاح کریں گے تو کفار سے مشابہت لازم آئے گی، کیونکہ مذکورہ دونوں دنوں میں نکاح کا انعقاد عید کے مترادف متصور نہیں ہوتا۔ (اللجنة الدائمة: 13175)

63۔ نکاح میں بھائیوں اور بیٹوں کی گواہی کا حکم۔

بھائی کی بھائی کے حق میں گواہی قبول کی جائے گی، لیکن بیٹے کی باپ کے حق میں اور باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں ناقابل قبول ہے۔
(اللجنة الدائمة: 20010)

64۔ دو گواہوں میں سے ایک نماز نہیں پڑھتا۔

نکاح کے وقت جبکہ سرپرست کہہ رہا ہو: ''میں نے تیرا نکاح کیا'' اور

دولہا کہہ رہا ہو: ''میں نے قبول کیا'' دو گواہ ہی ہوں اور ان میں سے بھی ایک نماز نہ پڑھتا ہو تو نکاح دوبارہ پڑھا جائے گا، کیونکہ وہ گواہ عادل نہیں ہے، نکاح میں سرپرست کے ساتھ دو عادل گواہوں کا ہونا ضروری ہے، اگر نکاح کے موقع پر جب سرپرست اور دولہا ایجاب وقبول کے الفاظ کہہ رہے تھے، صرف دو گواہ ہی موجود تھے اور ان میں سے بھی ایک مشہور و معروف فاجر تھا یا کافر تھا، جیسا کہ نماز کا تارک ہے، تو نکاح نئے سرے سے پڑھا جائے گا۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 45/21)

65۔ ایام مخصوصہ میں عورت کا نکاح۔

جس نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو مخصوص ایام میں تھی اس کے ایام کا نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، چاہے عورت بیوہ ہو یا کنواری ہو، بلکہ نکاح صحیح ہے اور اسی حالت میں رخصتی بھی جائز ہے، لیکن خاوند ہم بستری نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ ایام مخصوصہ ختم ہو جائیں اور عورت غسل کر لے۔

(اللجنة الدائمة: 4646)

66۔ پوشیدہ اور چھپ کر نکاح کرنا، بایں طور کہ قرآن مجید رکھ لیا جائے اور میاں بیوی باہمی رضا مندی پر قرآن مجید کو گواہ بنائیں۔

اس شکل میں نکاح درست نہیں ہے، صحیح نکاح یہ ہے کہ وہاں لڑکی کے ساتھ اس کا سرپرست بھی موجود ہو، سرپرست اور لڑکے کے مابین ایجاب و قبول ہو، دو یا زیادہ گواہ ہوں، دونوں کی رضا مندی ہو، نکاح کی جمیع شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے، قرآن مجید کو درمیان میں رکھ کر نکاح کرنا یہ بدعات و خرافات میں

سے ہے، یہ شرعی نکاح نہیں ہے، عورت خود اپنا نکاح نہیں کرسکتی، بلکہ اس کا سرپرست ہی اس کی شادی کرے گا۔ (الفوزان: المنتقی: 140)

67۔ لڑکی کو بتائے بغیر اس کی شادی کرنا۔

لڑکی کو بتائے بغیر اس کی شادی کرنا حرام ہے، اس طرح نکاح درست نہیں، الا یہ کہ وہ بعد ازاں اس کی اجازت دے دے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لا تنكح البكر حتى تستأذن، ولا تنكح الأيم حتى تستأمر»، قالوا: يا رسول الله وكيف إذنها؟ ـأي البكرـ قال: «أن تسكت»[1]

''کنواری لڑکی کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے اور بیوہ کا نکاح بغیر اس سے مشورے کے نہ کیا جائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس (کنواری لڑکی) کی اجازت کیسے لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی خاموشی ہی اجازت ہے۔''

نبی ﷺ نے کنواری لڑکی کی شادی اس کی اجازت کے بغیر کرنے سے منع فرما دیا ہے، اور یہ حدیث عام ہے، سرپرست باپ ہو یا کوئی اور سب کو شامل ہے، بلکہ صحیح مسلم میں اس حوالے سے باپ اور کنواری لڑکی کے لیے بطور نص یہ حکم موجود ہے کہ باپ پر اس سے اجازت لینا واجب ہے، چنانچہ یہی قول راجح ہے کہ کنواری لڑکی کی شادی اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، چاہے اس کا سرپرست باپ ہی کیوں نہ ہو، اور جب اس سے اجازت لی جائے تو لڑکے کے متعلق ایسے انداز سے

---

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [5136] صحيح مسلم [1419/64]

اطلاع دی جائے کہ اسے اچھی طرح معرفت اور پہچان حاصل ہو جائے، یہ لازم ہے، محض یہ نہ کہا جائے کہ ایک آدمی تجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کیا ہم اس کے ساتھ تیری شادی کر دیں؟ بلکہ معاملہ پوری طرح واضح کیا جائے اور کہا جائے، فلاں بن فلاں تجھ سے نکاح کا خواہشمند ہے، اس کا کام کاج یہ ہے، اس کے دین و اخلاق کے متعلق اس طرح وضاحت کی جائے کہ اسے صحیح پہچان ہو جائے، ہاں اگر لڑکی کے باپ کو معلوم ہو کہ وہ معاملہ اس کے سپرد کر دے گی تو تب وہ کہہ سکتا ہے کہ تیری منگنی ہوگئی ہے اور ہم تیری شادی کرنا چاہتے ہیں۔

سو اہم بات یہی ہے کہ عورت کی شادی اس کی اجازت اور علم کے بغیر جائز نہیں ہے، چاہے وہ کنواری ہو یا بیوہ، اس کا سرپرست باپ ہو یا کوئی اور، سنت کی دلالت اس کی متقاضی ہے، عقل اور قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے، کیونکہ عورت نے، اگر جدائی واقع نہ ہو، تو ایک لمبی زندگی خاوند کے ساتھ رہنا ہے، خاوند اس کا شریک زندگی ہے تو بغیر علم و اجازت اور اس پر جبر کرتے ہوئے اس کی شادی کیسے کی جا سکتی ہے؟ باپ ہو یا کوئی دوسرا سرپرست عورت کے مال میں سے ایک روپیہ بھی اس کی اجازت کے بغیر خرچ نہیں کر سکتے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کو ایسے شخص کے ساتھ بیاہ دیں جسے وہ ناپسند کرتی ہے؟

لڑکی کا باپ ہو یا کوئی اور سرپرست اس کی جائیداد میں سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، ماسوائے اس کی اجازت کے، تو پھر وہ اس کی شادی کیسے کر سکتے ہیں اور خاوند اس کے ان منافع جات کے استعمال کا مجاز کیسے بن سکتا ہے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے عورت کے لیے حلال کیا ہے؟ جبکہ عورت کو علم ہی نہیں یا علم تو ہے لیکن شادی پر مجبور کیا گیا ہے۔

جو آدمی بھی شرعی مصادر پر غور و خوض کرتا ہے جان لیتا ہے کہ دین میں

ایسی باتوں کی کوئی گنجائش نہیں کہ لڑکی کو مجبور کیا جائے، یا بالفاظِ دیگر شریعت یہ اجازت نہیں دیتی کہ عورت کی شادی ایسے شخص سے کر دی جائے جسے وہ ناپسند کرتی ہے۔ اور شریعت اس بات سے بھی روکتی ہے کہ عورت کے مال سے بغیر اجازت کے کوئی چیز فروخت کی جائے یا اس کی جائیداد میں سے کوئی چیز بطور اجرت لی جائے۔ اس مناسبت سے میں اپنے ان بھائیوں کو جو عورتوں کے سرپرست ہیں دو بڑی بڑی ممنوع چیزوں سے روکوں گا، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ عورت کو ایسے شخص سے نکاح پر مجبور کرنا جسے وہ پسند نہیں کرتی، شرعی طور پر یہ یقیناً حرام ہے، الا یہ کہ وہ بعد ازاں اجازت دے دے۔

اور دوسری ممنوع چیز یہ ہے کہ عورت کو پسند اور برابر کے آدمی سے شادی سے روکنا، بعض سرپرست لڑکیوں پر جبر کرتے ہیں، شادی کے بارے وہ اپنی خواہش کو مدنظر رکھتے ہیں اور ان کی چاہت کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے، آپ دیکھتے ہیں کہ پہلے تو ان کی زیرِ سرپرستی لڑکی کی منگنی ہو جاتی ہے، لیکن بعد میں یہ رکاوٹ پیدا کرتے ہیں اور شادی کا موقع ہی نہیں آتا، اس دوران ان سے مشورہ تک نہیں لیا جاتا، اسے معلوم کروائے بغیر ہی وہ لڑکے کو جواب دے دیتے ہے، ایسے سرپرستوں کی شکایات بہت زیادہ ہیں، وہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں وغیرہ کی منگنیاں کرتے ہیں لیکن پھر شادیاں نہیں کرتے، حالانکہ لڑکا دین و اخلاق میں برابر کا ہوتا ہے، ایسے لوگ دو ممنوع کاموں کے مرتکب ہیں۔

(1) پہلا کام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے سرگردانی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«إذا أتاكم من ترضون دينه وخلقه فانكحوه إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض»[1]

---

[1] صحیح. سنن الترمذي، رقم الحديث [1085]

''جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو، اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین پر فتنہ اور لمبا چوڑا فساد ہوگا۔''

2 دوسرا ممنوع کام: شادی سے روک کر عورت پر ظلم کرنا یا ایسے شخص سے شادی نہ کرنے دینا جو اس سے شادی کرنے کا اہل ہے، یقیناً عورت کے بھی جذبات اور نکاح کی خواہش مرد کی طرح ہی ہے، میں اس سرپرست کے متعلق نہیں جانتا کہ اگر کوئی اس کی شدتِ خواہش کے باوجود اس کی شادی نہ ہونے دے تو کیا یہ اسے ظالم کہے گا یا کہ اسے حق پر تسلیم کرے گا؟ جواب ظاہر ہے کہ یہ اسے ظالم اور ناحق والا کہے گا۔

بلکہ یہ جائز بھی نہیں کہ کوئی اسے شدید تمنا کے ہوتے ہوئے پسند کی شادی سے روکے، اس میں صرف اس کی شخصی خواہش کا احترام ہے، اگر یہ اپنے لیے ایسا پسند نہیں کرتا تو ان عورتوں کے حق میں ایسا کیوں چاہتا ہے کہ جو اس کی زیر سرپرستی ہیں؟

ایسے سرپرستوں کو بہت بڑے ممنوع کام سے ڈر جانا چاہیے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی سے اور ان بیچاری عورتوں پر ظلم و ستم سے، ہاں عورت اگر ایسے آدمی کو پسند کر لیتی ہے جو دینی اعتبار سے نامناسب ہے تو اس حالت میں ولی کو حق حاصل ہے کہ اسے شادی سے روکے اور لڑکے کو جواب دے دے، کیونکہ عورت کوتاہ بین ہے، وہ ایسے آدمی کو پسند کر سکتی ہے جو دینی اعتبار سے ناپسندیدہ ہے، اور پھر اس کی خرابیاں واضح ہیں، اس وجہ سے نبی ﷺ نے عورت کو خود نکاح کی اجازت نہیں دی بلکہ یہ سرپرست کے ذمہ لگا دیا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ میں ان سرپرستوں کو ڈراتا ہوں جو اپنی بچیوں کی شادی ایسے لوگوں سے نہیں کرتے جو دینی اور اخلاقی اعتبار سے مناسب ہیں،

کیونکہ اس میں دو ممنوع کام ہیں، جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے، مجھے یہ واقعہ بیان کیا گیا کہ ایک عورت کی موت کا وقت آ گیا، اس کا باپ اس کی شادی میں رکاوٹ بنتا، ہر رشتے کو رد کر دیتا، نزع کے وقت اس عورت کے پاس عورتیں تھیں، ان سے کہنے لگی، میرے باپ کو بتا دینا کہ اسے میری طرف سے معافی نہیں ہے، کیونکہ اس نے مجھے ایسے شخص سے نکاح کرنے سے روکا جو مناسب اور اہل تھا۔ اس کے وہ بعد فوت ہوگئی۔ یہ بہت بڑا معاملہ ہے، انسان کو اس کے لیے خبردار رہنا چاہیے اور جن کا وہ سرپرست ہے۔ ان کے بارے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 12)

68۔ نکاح کا مسنون طریقہ۔

نکاح ایجاب و قبول سے مکمل ہوتا ہے، ایجاب لڑکی کے سرپرست یا وکیل کی طرف سے ہوتا ہے، وہ یہ الفاظ کہتا ہے: میں نے تیرا نکاح کیا، یا تیری شادی کی یا ایسا ہی کوئی اور لفظ۔ اور قبول لڑکے یا اس کے وکیل کی طرف سے ہوتا ہے، وہ کہتا ہے: میں نے یہ نکاح قبول کیا یا میں اس پر راضی ہوں، یا ایسا کوئی اور لفظ۔ یہ دو عادل گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے، نیز نکاح سے قبل کسی قسم کے الفاظ، دعائیں یا پڑھائی وغیرہ نہ ہو، صرف خطبہ حاجت پڑھنا مستحب ہے، جو کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے یہ خطبہ درج ذیل ہے:

«الحمد لله نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونتوب إليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيآت أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله»

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں اور اس سے بخشش طلب کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے برے اعمال اور اپنے نفسوں کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ وحدہ لا شریک ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

پھر تین آیات پڑھتی ہیں:

① ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ [آل عمران: 102]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تم ہرگز نہ مرو مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔''

② ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ [النساء: 1]

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی۔''

③ ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴾ [الأحزاب: 70]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور بالکل سیدھی بات کہو۔''

(اللجنة الدائمة: 18200)

69۔ گونگے کا نکاح۔

گونگے کا نکاح ایسے اشارے سے کیا جائے جو سمجھا جائے۔ کھانے، پینے اور دیگر کاموں کے لیے جس طرح اسے اشارے سے متوجہ کیا جاتا ہے، کیونکہ اس حالت میں سمجھا جانے والا اشارہ اس کے حق میں کلام کے قائم مقام ہے۔

70۔ نکاح رجسٹرار کی شادی۔

نکاح پڑھانے والا یا نکاح رجسٹرار اپنی شادی بھی کر سکتا ہے، جبکہ ارکانِ نکاح اور شروطِ نکاح پائی جائیں اور موانع بھی نہ ہوں۔ (اللجنة الدائمة: 1764)

71۔ نکاح اور رخصتی کے مابین کتنی مدت ہو؟

نکاح اور رخصتی کے درمیان کوئی مدتِ مقررہ نہیں ہے۔

(اللجنة الدائمة: 10666)

72۔ چرچ میں نکاح کا حکم۔

چرچ میں نکاح جائز نہیں ہے۔ (اللجنة الدائمة: 11967)

73۔ عیسائی طریقے سے مسلمان کی شادی۔

سوال: کیا شادی دو مرتبہ جائز ہے؟ ایک مرتبہ اسلامی طریقہ سے اور دوسری بار عیسائی طریقہ سے، تاکہ میاں بیوی دونوں خوش ہو جائیں؟

نکاح کا اسلامی طریقہ ہی کافی ہے، دوسرا طریقہ جائز نہیں ہے۔

(اللجنة الدائمة: 11967)

74۔ مشرکین کے ساتھ ان کی بیٹیوں کے نکاح کے موقع پر شرکت کرنا۔

مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کی بیٹیوں کے نکاح میں ان کے شریک مجلس ہوں، کیونکہ یہ ان کی طرف دستِ دوستی دراز کرنے کے مترادف ہے، اور اس چیز کا اظہار ہے کہ جس کفر پر وہ ہیں ہم اسے پسند کرتے ہیں اور جس دین پر وہ ہیں ہم اس پر راضی ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی سے بھی اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں کریں گے، اگر آپ کے لیے ممکن ہو تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" کی طرف رجوع کیجیے، انھوں نے اس مسئلہ میں اور اس جیسے دیگر مسائل میں بڑی وضاحت سے رشحاتِ قلم بکھیرے ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 2775)

75۔ نیشنلٹی کے حصول کے لیے شادی کرنا۔

عقدِ نکاح ان عہود و پیمان میں سے ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان قرار دیا ہے اور اس کا نام میثاق غلیظ (پختہ عہد) رکھا ہے، نیشنلٹی کے حصول کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ غیر حقیقی طریقہ ہے۔

(اللجنة الدائمة: 15722)

76۔ نکاح پڑھانے والا کا تقاضائے اجرت۔

اگر تو وہ حکومت کی طرف سے مقرر نہیں ہے تو جائز ہے کہ نکاح پڑھانے اور لکھنے کی اجرت وصول کرے لیکن اگر حکومت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے تو

پھر اجرت نہیں لے سکتا، کیونکہ اس کام کی تنخواہ اسے حکومت کی طرف سے مل رہی ہے۔ (اللجنة الدائمة: 8129)

77۔ جنبی کے نکاح کا حکم۔

صحتِ نکاح کے لیے یہ شرط نہیں کہ میاں بیوی دونوں یا ان میں سے کوئی ایک حدث سے پاک ہو۔ (اللجنة الدائمة: 721)

78۔ کتابیہ عورت سے مسلمان کی شادی۔

سوال: ایک مسلمان کی شادی کتابیہ عورت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو چکی ہے، بعد ازاں وہ چرچ میں پادری کے ہاتھ پر دوبارہ شادی کی مشہوری کرنا چاہتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ چرچ میں مسلمان یا کتابیہ عورت سے شادی کی مشہوری کرے، اور نہ ہی کسی پادری کے ہاتھ پر شادی کرنی جائز ہے، چاہے یہ مسنون طریقہ سے شادی کرنے کے بعد ہی ہو، کیونکہ اس میں عیسائیوں کے ساتھ ان کے شادی کے طور طریقوں میں مشابہت ہے، اس طرح ان کی عبادت گاہوں سر پرستی اور ان کے علاوہ عابدوں کا احترام اور عزت افزائی ہے۔

جبکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((من تشبه بقوم فهو منهم)) [1]

''جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ اُن میں سے ہی ہے۔''

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث [4031]

79۔ جبراً کی گئی شادی کا حکم۔

اگر وہ اس شادی پر رضا مند نہیں ہے تو اس کا معاملہ عدالت میں پیش کیا جائے، پھر اس نکاح کے باقی رکھنے یا فسخ کرنے کا فیصلہ ہو جائے۔
(اللجنة الدائمة: 7289)

80۔ نکاح میں عورت کی رضا مندی شرط ہے۔

سوال: لڑکی کی شادی کے متعلق اس کی ذاتی رائے لینے کے حوالے سے شرعی حکم کیا ہے؟ اگر وہ انکار کرتی ہے تو کیا باپ کی نافرمان سمجھی جائے گی؟

عورت جس سے بھی شادی کرنا چاہے اس کی موافقت حاصل کرنا ضروری ہے، خواہ عورت کنواری ہو یا بیوہ، پھر اگر وہ کسی آدمی سے شادی کرنے سے انکار کرتی ہے تو باپ کی نافرمان نہیں سمجھی جائے گی، کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔
(اللجنة الدائمة: 18254)

81۔ بیٹے کی رضا مندی کے بغیر اس کا نکاح کرنا۔

باپ کا اپنے عاقل و بالغ بیٹے کا نکاح ایسی عورت سے کرنا جسے وہ پسند نہیں کرتا، درست نہیں ہے، یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا، کیونکہ صحتِ نکاح کی ایک شرط کم ہے، یعنی رضا مندی۔ اور نکاح کا ایک رکن بھی مفقود ہے اور وہ ہے بیٹے کا قبول کرنا، تو دراصل یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا کیونکہ یہ معدوم کے حکم میں ہے، لہٰذا طلاق کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ (اللجنة الدائمة: 19049)

82۔عرفی نکاح (مرد وزن کا ایک دوسرے کو صرف قبول کرنا)

یہ شرعی نکاح متصور نہیں ہوگا، یہاں تک کہ عورت کا شرعی سرپرست خود اس کا نکاح نہ کروائے، اور نکاح کی باقی ماندہ شرائط بھی پوری ہوں، جن کا ذکر اہل علم کی کتب میں موجود ہے، صرف عورت کے اپنے آپ کو ہبہ کرنے اور مرد کے قبول کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا جائے گا، رہا ورق پر لکھنا تو یہ صحتِ نکاح کی کوئی شرط نہیں ہے، یہ تو پختگی اور باہمی حقوق کی حفاظت کی خاطر ہوتا ہے تاکہ بوقتِ ضرورت اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ (اللجنة الدائمة: 9643)

83۔نکاح میں بیٹے کا اپنے باپ کو وکیل بنانا۔

جائز ہے کہ باپ نکاح میں بیٹے کا وکیل بنے جب کہ بیٹا بالغ ہو، اور معاملہ اس کے سپرد کرے، اور ایسا نکاح صحیح ہوگا جبکہ اس کے ارکان وشروط پورے ہوں اور موانع نہ ہوں۔

84۔گواہوں کے بغیر نکاح کرنا۔

نکاح میں صرف عورت کے سرپرست اور لڑکے کا اتفاق ہی کافی نہیں ہے بلکہ گواہوں کا موقع پر ہونا ضروری ہے، چاہے جانبین سے ایجاب وقبول ہو بھی چکا ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لا نكاح إلا بولي وشاهدي عدل» [1]

”سرپرست اور دو عادل گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔“

---

[1] **صحيح**. سنن أبي داود [2085] سنن الترمذي [1101] سنن ابن ماجه [1881]

اور یہ وجہ بھی ہے کہ عورت کے ولی اور لڑکے کا شادی پر باہمی اتفاق دو عادل آدمیوں کی گواہی کے بغیر زنا کا ذریعہ ہے۔ (اللجنة الدائمة: 5129)

85۔ قریشی عورت سے شادی۔

صحیح بات یہ ہے کہ نکاح میں برابری دینی لحاظ سے ہے نہ کہ خاندانی اعتبار سے۔ فرمان باری تعالیٰ عام ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات: 13]

''بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا (جو کہ قریش خاندان کی تھیں) کا نکاح اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، اسی طرح آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور وہ بنو اسد سے تھیں۔ اسی طرح بخاری، نسائی اور ابوداود میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس قریشی (جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ بدر میں حاضر ہوئے تھے) نے سالم رضی اللہ عنہ کو اپنا متبنّیٰ بنایا اور اس کی شادی اپنی بھتیجی ہند بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے کی، حالانکہ سالم ایک انصاری عورت کا آزاد کردہ غلام تھا۔

امام ترمذی نے ابو حاتم المزنی سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إذا أتاكم من ترضون دينه وخلقه فانكحوه، إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد كبير» قالوا: يا رسول الله! وإن

كان فيه؟ قال: ((إذا جاءكم من ترضون دينه وخلقه فانكحوه ......))[1]

"جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو، اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اور اگر اس میں (کوئی ایسی ویسی بات) ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو، تین مرتبہ فرمایا۔"

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

ابو داود میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو ہند رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تالو میں سینگھی لگائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يا بني بياضة! أنكحوا أبا هند، و انكحوا إليه))[2]

"اے بنو بیاضہ! ابو ہند کو رشتے دو اور اس سے رشتے لو۔"

اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے بیان کیا اور "حسن" کہا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ کنواری لڑکی سے اجازت، بیوہ سے مشورہ اور حصول رضا مندی ضروری ہے، اگرچہ لڑکی عجمی اور لڑکا قریشی ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس بارے میں احادیث عام ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 2513)

---

[1] **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث [1085]

[2] **حسن**: سنن أبي داود، رقم الحديث [2102]

86۔ ایک آدمی اپنی بیٹی کی شادی ایسے جاہل آدمی سے کر دیتا ہے جو ارکان اسلام کو جانتا تک نہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

سرپرست کو چاہیے کہ اپنی بیٹی کی شادی ایسے آدمی سے کرے جو دین، اخلاق اور امانت میں زیادہ لائق و فائق ہو، شرعی دلائل اسی کے متقاضی ہیں۔
(اللجنة الدائمة: 7760)

87۔ لاوارث عورت سے شادی کا حکم۔

ایسی عورت سے کہ جس کا خاندان نامعلوم ہے، شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ عورت نیک اور دین والی ہو، کیونکہ وہ بھی ضرورت مند ہے کہ کوئی اس کی عزت و عصمت کا محافظ ہو۔ یہ شرعی انداز سے شادی ہو، یہ لونڈیوں سے شادی کے مثل نہیں ہے کیونکہ یہ تو آزاد ہے، اس کا نکاح شرعی حاکم کروائے گا، کیونکہ جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست حاکم ہی ہوتا ہے۔
(اللجنة الدائمة: 1525)

88۔ مسئلہ

سوال: ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی، پھر اسے طلاق دے دی اور دوسرے آدمی نے اس سے شادی کر لی، کیا پہلے آدمی کی اولاد کی دوسرے آدمی کی اولاد سے شادی جائز ہے، جو کہ اسی عورت سے ہے یا کہ وہ اس عورت کے محرم ہونگے؟

جب ایک آدمی ایک عورت سے شادی کرے، پھر اسے طلاق دے دے اور دوسرا آدمی اس سے شادی کر لے تو پہلے آدمی کی اولاد کی شادی دوسرے آدمی کی اس اولاد سے جائز ہے، جو اس عورت کی اولاد سے نہ ہو،

جسے پہلے نے طلاق دی تھی، لیکن اگر وہ پہلے آدمی کی مطلقہ عورت کی اولاد ہو تو پھر جائز نہیں، کیونکہ اس طرح وہ ماں کی طرف سے بہن بھائی ہوں گے۔
(اللجنة الدائمة: 10617)

89۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ﴾ کی تفسیر

یعنی ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے، چاہے ان سے ہم بستری کی ہو یا نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 12242)

90۔ اس عورت سے نکاح کا حکم جس سے بیٹے نے نکاح کیا۔

آدمی کے لیے حلال نہیں کہ ایسی عورت سے نکاح کرے جس سے اس کے بیٹے، پوتے یا نواسے وغیرہ نے نکاح کیا ہو، یہ اولاد نسبی رشتے سے ہو یا رضاعی رشتے سے۔ اللہ تعالیٰ نے محرماتِ ابدیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ﴾ [النساء: 23]

”اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں۔“

جب آدمی بیوی کو طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو اس کی بیوی اس کے باپ کے لیے حلال نہیں ہوتی، نہ ہی اس کے دادے کے لیے، چاہے وہ دادا باپ کی جہت سے ہو یا ماں کی جہت سے (یعنی نانا)، کیونکہ دادے چاہے باپ کی جہت سے ہوں چاہے ماں کی جہت سے حکم میں برابر ہیں، کیونکہ یہ آیہ کریمہ عام ہے۔ یوسف علیہ السلام کے بارے فرمان باری تعالیٰ میں ہے:

﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ﴾
[یوسف: 38]

''اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔''

ان سے مراد یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔ نیز فرمان باری تعالیٰ: ﴿ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ [النساء: 23] ''جو تمھاری پشتوں سے ہیں'' نے متبنّٰی کو خارج کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رسم کو باطل قرار دیا اور فرمایا:

﴿ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴾ [الأحزاب: 4]

''اور نہ اس نے تمھاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمھاری مائیں بنایا ہے، اور نہ تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارے بیٹے بنایا ہے، یہ تمھارا اپنے مونہوں سے کہنا ہے اور اللہ سچ کہتا ہے اور وہی (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے۔'' (اللجنة الدائمة: 15648)

91۔ ماؤں کے ساتھ محض نکاح سے ہی ان کی بیٹیاں حرام نہیں ہو جاتیں۔

جائز ہے کہ جب آدمی ایک عورت سے نکاح کرے اور پھر ہم بستر ہونے سے پہلے ہی اسے طلاق دے دے تو اس کی بیٹی سے شادی کر لے لیکن اس کے برعکس اگر بیٹی سے محض نکاح کیا تو پھر اس کی ماں سے نکاح جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے محرمات ابدیہ میں ذکر کیا ہے:

﴿ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ ﴾ [النساء: 23]

''اور تمھاری بیویوں کی مائیں۔'' (اللجنة الدائمة: 10731)

92۔ مسئلہ

سوال: ایک عورت نے ایک آدمی سے شادی کی، پھر اس آدمی نے اسے طلاق دے دی، اس نے کسی اور آدمی سے شادی کر لی، اس دوسرے آدمی سے اس عورت کی بیٹیاں پیدا ہوئیں تو کیا پہلا خاوند دوسرے خاوند سے پیدا ہونے والی بیٹیوں کا محرم ہے یا کہ نہیں؟

آدمی کا نکاح اس عورت کی بیٹیوں سے حرام ہے جس کے ساتھ وہ ہم بستر ہو چکا ہے، چاہے شادی سے پہلے پیدا ہوئی ہوں یا بعد میں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ ﴾ [النساء: 23]

''حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں۔''

پھر فرمایا:

﴿ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ﴾ [النساء: 23]

''اور تمھاری پالی ہوئی لڑکیاں، جو تمھاری گود میں تمھاری ان عورتوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔''

لیکن اگر اس عورت سے ہم بستری نہیں کی تو پھر اس کی بیٹیوں کا محرم نہیں ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ [النساء: 23]

''پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔''

(اللجنة الدائمة: 5364)

93۔ قریبی رشتہ دار عورتوں سے شادی۔

سوال: کیا چچا زاد، خالہ زاد، ماموں زاد اور پھوپھو زاد لڑکی سے نکاح مسلمانوں کے لیے جائز ہے سوائے نبی کریم ﷺ کے۔ قرآنی حکم کی تطبیق بیان کیجیے؟

اسلامی شریعت ظاہر، مکمل اور سادی ہے، اس میں چچا اور ماموں کی بیٹیوں سے نکاح کی حرمت جیسا افراط اور بہن اور بھانجی کے ساتھ جواز نکاح کی تفریط نہیں ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَ بَنٰتِ خَالِكَ وَ بَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ﴾ [الأحزاب: 50]

''اے نبی! بے شک ہم نے تیرے لیے تیری بیویاں حلال کر دیں جن کا تو نے مہر دیا ہے اور وہ عورتیں جن کا مالک تیرا دایاں ہاتھ بنا ہے، اس (غنیمت) میں سے جو اللہ تجھ پر لوٹا کر لایا ہے اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور تیری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں، جنھوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے۔''

آیت کے شروع میں خطاب اگرچہ نبی ﷺ کے ساتھ ہے لیکن یہ امت

کے داخل درخطاب ہونے میں مانع نہیں ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے خطاب ہو تو امت بھی بالتبع اس میں شامل ہوتی ہے، الا یہ کہ حکم کی تخصیص کی دلیل مل جائے کہ یہ صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے، جس طرح کہ عورت کے اپنے آپ کو ہبہ کرنے کے متعلق بیان ہے، آیت کے آخر میں بطور نص واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ نبی ﷺ کا ہی خاصہ ہے۔ فرمایا:

﴿خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الأحزاب: 50]

”یہ خاص تیرے لیے ہے، مومنوں کے لیے نہیں۔“

94۔ ایسی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جو ماں کی طرف سے ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ماں کی طرف سے اخوت قائم و دائم ہے اور دو بہنوں کو شادی میں اکٹھا کرنے کی حرمت مطلق ہے، خواہ وہ دونوں بہنیں نسبی ہوں یا رضاعی، آزاد ہوں یا غلام، یا ایک آزاد اور دوسری غلام ہو، دو باپوں سے ہوں یا ایک باپ سے یا ایک ماں سے، ہم بستری سے پہلے کی ہوں یا بعد کی، ارشادِ الٰہی عام ہے:

﴿وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ [النساء: 23]

”اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو، مگر جو گزر چکا۔“

امام ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اہل علم نے بالاتفاق اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 1054)

95۔ حاملہ عورت سے نکاح کا حکم۔

حاملہ عورت مطلقہ ہو یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کی عدت وضع حمل

ہے۔ فرمان ربانی ہے:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾

[الطلاق: 4]

''اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں۔''

اس کے ساتھ نکاح باطل ہوگا، جائز نہیں ہے۔ (اللجنة الدائمة: 4945)

96۔ کافر مرد کے ساتھ مسلمان عورت کی شادی۔

مسلم عورت کی شادی کافر مرد سے جائز نہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ﴾ [البقرة: 221]

''اور نہ (اپنی عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں دو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔'' (اللجنة الدائمة: 13504)

97۔ بیوی کے مرتد ہونے کا مسئلہ۔

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایسی بیوی کو رکھے جو مرتد ہوگئی ہے، چاہے سابقہ دین اپنا لے جس پر وہ تھی، یا کسی اور دین میں چلی جائے، کیونکہ اسلام سے نکلنے کے بعد اگرچہ وہ یہودیت یا نصرانیت کو اپنا لے اسے کتابیہ کا حکم نہیں لگ سکتا، وہ مرتد سمجھی جائے گی اور مرتدوں والے احکامات ہی اس پر لاگو ہوں گے۔ (اللجنة الدائمة: 2192)

98۔ فرمان باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ... ﴾ کی تفسیر

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ [البقرة: 221]

''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔''

کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے علاوہ مشرکہ عورتوں سے شادی کرنے سے منع کیا ہے۔ یہودیہ اور نصرانیہ عورت سے نکاح کے جواز کی دلیل درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ﴾ [المائدة: 5]

''آج تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے جنھیں کتاب دی گئی، اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے، اور مومن عورتوں سے پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جب تم انھیں ان کے مہر دے دو، اس حال میں کہ تم قید نکاح میں لانے والے ہو، بدکاری کرنے والے نہیں اور نہ چھپی آشنائیں بنانے والے۔''

پس اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی آیت کے ساتھ مومنوں کے لیے پاکدامنہ آزاد یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا ہے، اس میں اس بات کی دلالت ہے کہ سورۂ بقرہ میں جن مشرکہ عورتوں کے حرمتِ نکاح کا ذکر ہے اس میں کتابیہ داخل نہیں ہے، جس طرح کہ اہل کتاب مرد بھی مشرکین

مردوں میں شامل نہیں ہیں، جس طرح کہ آیت ہے:

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ [البينة: 1]

''وہ لوگ جنھوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا، باز آنے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے۔''

اس طرح وہ اس آیت کریمہ میں مذکورہ مشرکین میں بھی شامل نہیں ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِئِيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ [الحج: 17]

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی بنے اور صابی اور نصاری اور مجوس اور وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا، یقیناً اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔''

یا یہ کہا جائے کہ کتابیہ عورتیں بھی آیہ بقرہ میں مذکورہ مشرکات کے عموم میں داخل تھیں، لیکن آیہ مائدہ نے کتابیات کا استثناء کر دیا، بہر حال دونوں اقوال کے باوجود آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے، نہی والی آیت کفار کی ایک قسم پر دلالت کرتی ہے، جبکہ جواز والی آیت کفار کی دوسری قسم پر دلالت کرتی ہے، جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی کہا ہے، اگرچہ ان کا اجماع نہیں ہے، امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا جواز پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے یہودیہ عورت سے شادی اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے نصرانیہ عورت سے شادی پر انکار کیا تھا، اُس پر باعتبار سند ضعیف ہونے کا حکم لگایا

اور اس کے مقابلے میں ٹھوس ثبوت پیش کیے ہیں، اور ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ کی ناپسندیدگی اس ڈر سے تھی کہ کہیں مسلمان کتابیہ عورتوں سے نکاح میں زیادہ ہی دلچسپی لینے نہ لگ جائیں اور مسلمان خواتین کو چھوڑ دیں۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین والیوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور بلا شک مسلمان عورت کتابیہ عورت سے بہتر ہے۔ (اللجنة الدائمة: 2229)

99۔ رافضیہ عورت سے نکاح۔

سنی کے لیے رافضیہ عورت سے شادی جائز نہیں اور اگر نکاح ہوگیا تو فسخ لازم ہے، کیونکہ ان کے بارے معروف ہے کہ اہل بیت کو پکارتے اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں، اور یہ شرکِ اکبر ہے۔ (اللجنة الدائمة: 2165)

100۔ چچا کی وفات یا اس کے چچی کو طلاق دینے کے بعد چچی سے نکاح کا حکم۔

دریں صورت چچی سے نکاح جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان:

﴿ وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا وَ سَآءَ سَبِيْلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ ... ﴾ [النساء: 22,23]

”اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمھارے باپ نکاح کر چکے ہوں، مگر جو پہلے گزر چکا، بے شک یہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی اور سخت غصے کی بات ہے اور برا راستہ ہے۔“

پھر فرمایا:

﴿ وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ﴾ [النساء: 24]

''اور خاوند والی عورتیں (بھی حرام کی گئی ہیں) مگر وہ (لونڈیاں) جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہوں، یہ تم پر اللہ کا لکھا ہوا ہے۔''

اس میں محرمات ابدیہ کا ذکر کیا ہے۔ پھر فرمایا:

﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾ [النساء: 24]

''اور تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں جو ان کے سوا ہیں۔''

عربی زبان میں چچی کو ''امرأة العم'' کہا جاتا ہے، جیسا کہ آپ کے سوال میں مذکور ہے، اور چچا باپ کے بھائی کو کہتے ہیں، چاہے حقیقی بھائی ہو یا باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے ہو، اور چاہے قریبی ہو یا دور کا، اور عربی زبان میں ''العمة'' کا معنی ہے باپ کی بہن (پھوپھی) چاہے اس کی حقیقی بہن ہو یا باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے۔ اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَ عَمّٰتُكُمْ ﴾ ''اور تمھاری پھوپھیاں'' سے مراد باپ کی بہن (پھوپھی) ہے، چاہے سگی ہو یا باپ کی طرف سے ہو یا محض ماں کی طرف سے اور چاہے قریبی ہو یا دور کی۔ (اللجنة الدائمة: 2586)

101۔ ممانی سے شادی۔

انسان کے لیے جائز ہے کہ ماموں کی بیوی (ممانی) سے شادی کر لے جبکہ وہ اسے طلاق دے دے یا وفات پا جائے اور عدت ختم ہو جائے، مذکورہ بالا سوال میں اس کی دلیل گزر چکی ہے، اور انسان کی خالہ اس کی ماں کی بہن ہوتی

ہے، چاہے ماں کی حقیقی بہن ہو یا صرف باپ کی طرف سے ہو یا صرف ماں کی طرف سے، قرآن کریم میں خالہ سے یہی مراد ہے۔ (اللجنة الدائمة: 2586)

102۔ چچا کی دو بیٹیوں کو جمع کرنے کا حکم۔

دو بہنوں کو جمع کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محرمات کی تعداد ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ﴾ [النساء: 23]

''اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو، مگر جو گزر چکا۔''

اسی طرح پھوپھی اور اس کی بھتیجی اور خالہ اور اس کی بھانجی کو جمع کرنا بھی جائز نہیں، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((لا يجمع بين المرأة وعمتها، ولا بين المرأة وخالتها))[1]

''عورت اور اس کی پھوپھی اور عورت اور اس کی خالہ کو (ایک نکاح میں) جمع نہ کیا جائے۔'' اسے بخاری ومسلم نے بیان کیا ہے

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت موجود ہے، لیکن عورت اور اس کے چچا کی بیٹی کو جمع کرنا جائز ہے، کیونکہ اصلاً اس کا جواز موجود ہے اور ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

(اللجنة الدائمة: 1386)

103۔ باپ کی بیوی (جو حقیقی ماں کے علاوہ ہے) کی ماں سے نکاح۔

جائز ہے، کیونکہ یہ ان محرم رشتوں میں سے نہیں ہے جس کے حرام ہونے

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [5109] صحيح مسلم [1408/33]

پر نسب یا سسرال کے لحاظ سے نص قائم کی گئی ہے، اور اصل تمام معاملات میں جواز ہے۔ (اللجنة الدائمة: 8925)

104۔ مسلمان لیکن پردہ نہ کرنے والی عورت سے نکاح کا حکم۔

پردہ نہ کرنے والی عورت کو نصیحت کرنا اور اس عمل بد سے ڈرانا لازمی ہے، اگر وہ مان جائے تو یہی مقصود ہے اور اگر نہ مانے تو دوسری عورتیں جو شرعی حجاب کا التزام کرتی ہیں، ان سے نکاح زیادہ مناسب اور سلامتی کا باعث ہے۔
(اللجنة الدائمة: 18999)

105۔ نو مسلم عورت کی شادی کا حکم۔

سوال: ایک شادی شدہ عیسائی عورت جو کہ ایک عیسائی آدمی کے نکاح میں ہے، مسلمان ہوجاتی ہے، اظہارِ اسلام کے بعد کسی مسلمان مرد سے شادی کرنا چاہتی ہے، اس بارے حکم شرعی کیا ہے؟

جب عورت مسلمان ہو جائے جو کہ کافر کی بیوی تھی تو پھر وہ اس کے لیے حرام ہوجاتی ہے، ان دونوں میں جدائی ڈال دی جائے گی۔ اس کی عدت کے گزرنے کا خیال رکھا جائے گا، اگر وہ خاوند کے مسلمان ہونے سے قبل عدت سے فارغ ہوگئی تو اس سے جدا ہوجائے گی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ﴾ [الممتحنة: 10]

”پھر اگر تم جان لو کہ وہ مومن ہیں تو انھیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، نہ یہ عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان کے

لیے حلال ہوں گے۔"

اور اگر وہ عدت ختم ہونے سے پہلے مسلمان ہوگیا تو اس کی طرف لوٹا دی جائے گی، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مہاجر عورتوں کو، جو ابھی عدت میں تھیں، ان کے خاوندوں کے مسلمان ہونے پر ان کی طرف لوٹا دیا تھا لیکن اگر خاوند عدت گزرنے کے بعد مسلمان ہو تو عقدِ جدید سے نکاح کر سکتا ہے۔
(اللجنة الدائمة: 18488)

106۔ حق مہر مؤخر کرنے کا حکم۔

عقد نکاح میں حسب اتفاق مؤخر حق مہر میں کوئی حرج نہیں اور اگر طرفین میں جھگڑا پڑ جائے تو شرعی عدالت کی طرف رجوع کیا جائے۔ (اللجنة الدائمة: 9507)

107۔ آدمی ایک عورت سے شادی کرتا ہے اور رخصتی سے قبل ہی فوت ہو جاتا ہے۔

اگر معاملہ ایسے ہی ہو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے تو حکم یہ ہے کہ عورت عدت گزارے گی، سوگ منائے گی، خاوند کی جائیداد سے وراثت پائے گی اور اپنے سارے حق مہر کی مستحق ہوگی۔ (اللجنة الدائمة: 6499)

108۔ خوشی کے موقع پر طبلہ اور دف بجانے کا حکم۔

دف کا ثبوت تو سنت سے ملتا ہے، کیونکہ اس میں اظہارِ نکاح اور نکاح و زنا کے مابین تمیز کا پتہ چلتا ہے، اس لیے کہ زنا عموماً خفیہ ہوتا ہے اور کسی کے علم میں نہیں ہوتا۔ دف میں اعلان، وضاحت اور شہرت ہوتی ہے اور نبی ﷺ نے

بھی اعلانِ نکاح کا حکم دیا ہے، کیونکہ اعلان نکاح میں بہت زیادہ مصلحتیں ہیں:

1. نکاح اور زنا میں فرق۔
2. اس سنت کا اظہار جس کے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فإنه له وجاء)) [1]

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو بھی اخراجات کی گنجائش رکھتا ہے وہ شادی کرے، اور جو طاقت نہیں رکھتا اس پر لازم ہے کہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ اس کی شہوت کو توڑنے والا ہے۔''

۳۔ تہمت سے بچاؤ، کیونکہ اگر عورت حاملہ ہوگئی اور بچہ پیدا ہوگیا اور پوشیدہ طریقہ سے نکاح ہوا تو تہمت لگانیوالے زبان کھولیں گے، لیکن اگر نکاح اعلان سے کرے گا تو تہمت سے بچا رہے گا۔

۴۔ بسا اوقات مرد اور عورت کے درمیان رضاعت وغیرہ کا ایسا رشتہ ہوتا ہے کہ ان کا نکاح حرام ہوتا ہے، جب نکاح کو ظاہر اور اعلانیہ کرے گا تو اگر کسی کے پاس کوئی ایسی شہادت یا ثبوت ہوگا وہ پیش کر سکے گا اور مفسدت واقع نہیں ہوگی۔

۵۔ اعلانِ نکاح میں مسابقت کا پیغام ہے، یقیناً خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر ہی رنگ پکڑتا ہے، جب ایک نوجوان نکاح کا اعلان کرے گا تو دوسرے نوجوانوں میں بھی اس کی سبقت کا شوق انگڑائی لے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اعلانِ نکاح میں بہت ساری مصلحتیں پنہاں ہیں، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔ (ابن عثیمین: نورعلی الدرب:3)

[1] **متفق علیه**. صحیح البخاري [1905] صحیح مسلم [1400/1]

109۔ جس دف سے اعلانِ نکاح کیا جاتا ہے وہ کیسی ہوتی ہے؟

جس دف کی اجازت خوشی کے مواقع، ایامِ عید اور کسی کے استقبال کی خاطر دی گئی ہے وہ صرف ایک طرف سے بجتی ہے، اور جو دو اطراف والی ہوتی ہے وہ طبلہ ہے جو کہ ناجائز ہے، واضح رہے کہ دف بھی آلۂ لہو ہے اور اصول یہ ہے کہ ہر لہو حرام ہوتا ہے، اس اصول سے اس وقت تک نہیں نکلا جا سکتا جب تک سنت سے اختصاص کی دلیل نہ مل جائے، اور سنت میں جتنی گنجائش ہو انسان اتنا ہی اسے کر سکتا ہے، چنانچہ جب دف کا جواز مل گیا تو اس سے بڑھ نہیں سکتے، لہٰذا کھیل اور خوشی میں طبلہ، ستار، موسیقی، باجا اور سرنگی جائز نہیں، یہ چیزیں محض بطور مثال ذکر کی گئی ہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 3)

110۔ شادی کی تقریبات میں دف اور طبلہ وغیرہ بجانے والی عورتوں کا حکم۔

سہاگ رات دف بجانے والی عورتوں پر کوئی حرج نہیں بلکہ یہ شرعاً مطلوب ہے جب یہ کسی ممنوع کام سے مبرّا ہو، لیکن طبلہ وغیرہ بجانے والی عورتوں کا آنا جائز نہیں ہے، کیونکہ سنت سے صرف دف کا ثبوت ملتا ہے اور وہ صرف ایک طرف سے ہوتی ہے، اور طبلے کی دو طرفیں ہوتی ہیں۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ان گیتوں کو دیکھا جائے جو وہ گاتی ہیں، اگر تو صاف ستھرے اور بیوقوفوں کے گیتوں کی مانند نہیں ہیں تو درست ہیں، اور اگر یہ گیت فحش اور انتہائی گرے ہوئے ہیں تو پھر ایسی عورت کا آنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر کسی عورت کی آواز ان منکرات کی روک تھام کا سبب ہو، بایں طور کے عورت کی

بات مانی جاتی ہے اقتدار یا شرعی قیادت کے سبب تو پھر وہ آ سکتی ہے، اور اگر وہ ان منکرات کا ازالہ نہیں کر سکتی تو پھر ایسی محفل میں آنا اس کے لیے حرام ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان طبلہ بجانے والیوں کا آنا درج ذیل امور کی بنا پر حرام ہے:

1. جب طبلہ وغیرہ بجائیں۔
2. جب ان کے گیت اور نغمے فحش اور انتہائی اخلاق باختہ ہوں۔
3. جب وہاں مرد و زن کا اختلاط ہو۔
4. جب عورتیں ایسے لباس پہن کر آئیں کہ جو تنگ ہو، جن کا پہننا حرام ہے۔

الا یہ کہ عورت کی آمد اس حرام کی ممانعت کا باعث ہو تو پھر اسے ضرور بضرور آنا چاہیے۔ اگر کسی ایسی عورت کو دعوت دی جائے جسے معلوم نہیں، بعد ازاں وہ کوئی برا کام دیکھتی ہے اور اسے ختم بھی کر سکتی ہے تو پھر کرے اور اگر ختم نہیں کر سکتی تو ضروری ہے کہ کھڑی ہو اور اپنے گھر واپس چلی جائے۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4)

111۔ شادی کی تقریبات میں مرد و زن کے اختلاط کا حکم۔

شادی کے موقع پر اظہار، اعلان اور عورتوں کا دف بجانا مشروع ہے، لیکن مرد و زن کا اختلاط، جبکہ وہ اجنبی ہوں، ناجائز ہے، بلکہ یہ ایسا بُرا فعل ہے جس سے روکنا واجب ہے، البتہ کچھ محرموں کا اپنی بہنوں اور خالاؤں کے ساتھ ہونا یہ کوئی نقصان والی بات نہیں لیکن ان کے ساتھ رقص کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ یہ فساد کا پیش خیمہ ہے، اور ویسے بھی آدمی کے لیے ہیجڑا پن ہے۔

بہتر یہ ہے کہ یہ کام صرف عورتیں آپس میں کریں، مردوں کے ساتھ

فلمیں پھر رقص و سرود تہمت اور سوءِ ظن کا ذریعہ ہے، مردوں کے لیے بھی اور ان خواتین کے لیے بھی جو اپنے بھائیوں یا ماموؤں کے ساتھ رقص کرتی ہیں، انسان ہر لحظہ خطرے میں ہے اور شیطان کی تو دعوت ہی بے حیائی کا فروغ ہے، آدمی کے شایانِ شان ہی نہیں کہ اپنی بہنوں یا خالاؤں کے ساتھ رقص کرتا پھرے، اسے ایسے کام سے بہت دور اور بلند رہنا چاہیے، کسی اجنبی کے ساتھ رقص بلاشک حرام اور منکر فعل ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہتے ہیں، مرد صرف تیر اندازی کریں اور عربی اشعار پڑھیں تو درست ہے، لیکن طبلہ اور برے نغمے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 177/21)

112۔ حدیث: «أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المسجد واضربوا عليه بالدف» کا کیا حکم ہے؟

أولاً: اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے:

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا يزيد بن هارون، أخبرنا عيسى بن ميمون الأنصاري، عن القاسم بن محمد، عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المسجد واضربوا عليه بالدف»[1]

”اس نکاح کا اعلان کرو، اسے مساجد میں منعقد کرو اور اس موقع پر دف بجاؤ۔“

امام صاحب رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس مسئلہ میں یہ حدیث حسن غریب ہے اور عیسیٰ بن میمون راوی ضعیف

[1] **ضعيف**. سنن الترمذي [1089]

فی الحدیث ہے، وہ عیسیٰ بن میمون جو ابن ابی نجیح سے تفسیر روایت کرتا ہے وہ ''ثقہ'' ہے، اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے اور اس کی سند میں خالد بن الیاس ''منکر الحدیث'' ہے۔

ثانیاً: شریعت نے اعلانِ نکاح کی ترغیب دی ہے لیکن مسجد میں انعقادِ نکاح سنت نہیں ہے اور مذکورہ حدیث حجت نہیں ہے، بلکہ عیسیٰ بن میمون انصاری اور خالد بن الیاس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (اللجنة الدائمة: 9553)

113۔ مسجد میں نکاح کرنا۔

رقص وسرود اور ترانوں ونغموں کے ساتھ مسجد میں انعقادِ نکاح جائز نہیں اور نہ ہی قرآن مجید کی قراءت ان گانوں کے ساتھ خلط ملط کر کے جائز ہے، البتہ محض عورتوں کے لیے مسجد کے علاوہ دف بجانا جائز ہے، جس کا مقصد اعلانِ نکاح ہے جبکہ یہ سب کچھ عورتوں کے درمیان ہی ہو۔ (اللجنة الدائمة: 16953)

114۔ ولیمہ کیسا ہونا چاہیے؟

شادی میں ولیمہ مشروع ہے اور یہ ایک جانور ذبح کرنے سے ہوتا ہے، اگر کوئی زیادہ کر سکتا ہے تو حالات وظروف کی مناسبت سے زیادہ بھی کر سکتا ہے اور اگر اس کے پاس ایک کی بھی گنجائش نہیں ہے تو جو بھی کھانا میسر ہو وہی کافی ہے۔ (اللجنة الدائمة: 5782)

حقوقِ زوجین

115۔ میاں بیوی کا ایک دوسرے پر حق۔

میاں بیوی کے باہمی حقوق اللہ تعالیٰ نے مجمل طور پر اپنے درج ذیل فرمان میں بیان کیے ہیں:

﴿وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [النساء: 19]

''ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ [البقرة: 228]

''اور معروف کے مطابق ان (عورتوں) کے لیے اسی طرح حق ہے جیسے ان کے اوپر حق ہے، اور مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔''

ہر ایک کا دوسرے پر حق اسی طرح ہے جس طرح عرف عام میں مروج ہے، زمان و مکان کے اعتبار سے عرف مختلف ہوتا رہتا ہے، لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مرد پر ہر حالت میں لازمی ہیں، اور اسی طرح کچھ چیزیں ایسی ہیں جو عورت پر ہر حالت میں ضروری ہیں، جو امور خاوند پر ہر حالت میں فرض ہیں بیوی کے اخراجات جو کہ کھانے، پینے، پہننے اور رہائش کے حوالے سے ہیں، ان کا ہر حالت میں بندوبست کرنا۔

میدان عرفات میں، جبکہ نبی کریم ﷺ کے ارد گرد مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف)) ❶

''تم پر معروف طریقے سے عورتوں کا کھانا اور پہناوا ضروری ہے۔''

آدمی کے لیے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی چیز میں بھی کوتاہی سے کام لے، بلکہ پوری طرح ان حقوق کی پاسبانی کرے، ہاں اگر عورت نافرمان ہے اور مرد کے حقوق کا خیال نہیں رکھتی تو مرد سبق سکھانے کے لیے تھوڑا ہاتھ کھینچ سکتا ہے، مرد اگر نان ونفقہ میں کوتاہی کرتا ہے تو عورت کے لیے جائز ہے کہ معروف طریقے سے خاوند کے مال سے بغیر علم کے لے لے، اس لیے کہ ہند بنت عتبہ نے نبی کریم ﷺ سے اپنے خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بات چیت کی اور کہا وہ کنجوس آدمی ہے، وہ مجھے اتنا بھی نہیں دیتا کہ جس سے میرا اور میرے بچے کا گزارا ہو سکے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((خذي من ماله ما يكفيك وولدك بالمعروف)) ❷

''تو معروف طریقے سے اس کے مال میں سے اتنا لے لے جتنا تجھے اور تیرے بیٹے کو کفایت کر سکے۔''

اور خاوند کا حق کہ جس کی پاسداری بیوی پر ہر حالت میں ضروری ہے، وہ ہے جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اشارہ فرمایا اور یہ عرفہ کا دن تھا:

((ولكم عليهن ألا يوطئن فرشكم أحدا تكرهونه)) ❸

---

❶ صحيح مسلم [1218/147]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [5364]

❸ صحيح مسلم [1218/147]

''اور تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو کسی ایسے شخص کے ساتھ نہ روندھیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔''

چنانچہ عورت کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ اپنے خاوند کے گھر میں ایسے آدمی کو داخل ہونے کی اجازت دے جسے اس کا خاوند ناپسند کرتا ہے، چاہے وہ قریبی سے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ گھر بھی اس کا ہے اور حق بھی اس کا ہے، اسی طرح عورت پر واجب ہے کہ خاوند کے دیگر حقوق کو بھی پورا کرے، جب وہ اسے بستر کی طرف بلائے تو عورت پر لازم ہے کہ اس کی اطاعت کرے، جب تک کہ کوئی مضرت یا فرائض الٰہیہ میں سے کسی فرض کے ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو، اگر اس نے خاوند کا کہا نہ مانا تو نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((وأن من دعا امرأته إلى فراشه فأبت أن تجيء لعنتها الملائكة حتى تصبح)) [1]

''جس نے اپنی بیوی کو بستر کی طرف بلایا اور اس نے آنے سے انکار کر دیا تو صبح ہونے تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔''

نیز وہ حقوق جو مطلق اور عرف کے اعتبار سے ہیں تو یہ مختلف ہوتے رہتے ہیں، مثلاً یہ کہ کیا عورت پر لازم ہے کہ وہ گھریلو کام کاج جیسا کہ پکانا اور کپڑے دھونا وغیرہ میں خاوند کی خدمت کرے؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ عرف کے اعتبار سے ہے، اگر لوگوں کی عادت اور رسم و رواج اس نوعیت کا ہے کہ عورت ان کاموں کو سرانجام دیتی ہے تو بیوی لازماً ان کاموں کو سرانجام دے گی اور اگر معاشرے میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ بیوی کے علاوہ کوئی اور ان کاموں کو نبھاتا ہے تو عورت پر لازمی نہیں ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیویاں ایسے کام کاج سرانجام دیتی

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [3237] صحيح مسلم [1436/120]

تھیں، جیسا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس تھکاوٹ کی شکایت کی جو انھیں چکی پیسنے سے لاحق ہو جاتی تھی، کیونکہ گھر کے کھانے کے لیے انھیں چکی پیسنا پڑتی تھی، اور جس طرح کے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماء مدینہ سے گٹھلیاں اُٹھا کر مدینہ سے باہر ایک باغ تک لے جاتی تھیں، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ شارع نے انھیں معین نہیں کیا، بلکہ عرف کے اعتبار سے میاں بیوی کے مابین خود بخود طے پا جاتی ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [النساء: 19]

''ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔'' (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 19)

116۔ گھریلو اور خاوند کے واجبات کی ادائیگی اور طلب علم کے مابین موازنہ۔

مسلمان عورت پر واجب ہے کہ بقدر استطاعت دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرے، لیکن خاوند کی خدمت، اس کی اطاعت اور بچوں کی تربیت کی ادائیگی یہ بہت بڑا فریضہ ہے سو وہ تعلیم کو یومیہ کچھ وقت دے یا چھوٹی سی مجلس یا ہر روز پڑھنے کو کچھ ٹائم دے اور باقی وقت گھریلو کام کاج کے لیے مقرر کرے، وہ دینی تعلیم کو بھی نہ چھوڑے اور گھر کا کام کاج اور اولاد کی نگہداشت کو بھی مت بھولے، کام کاج خادمہ کے سپرد بھی کر سکتی ہے، اس معاملے میں اعتدال سے کام لے، دین کے لیے بھی وقت نکالے، چاہے تھوڑا ہی ہو اور گھریلو کاموں کے لیے بھی اتنا وقت نکالے جو ان کے لیے کافی ہو۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 213)

117۔ خاوند کے برے رویے کے پیش نظر اس کی خدمت ترک کر دینا۔

خاوند کے لیے جائز نہیں کہ بیوی سے برے طریقے سے پیش آئے، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [النساء: 19]

''ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) [1] ''اور تیری بیوی کا تجھ پر یقیناً حق ہے۔''

جب خاوند برے طریقے سے رہتا ہے تو عورت کو چاہیے کہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے اور خاوند کے حق کو ادا کرے، تاکہ یہ اجر و ثواب کی مستحق ہو، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے خاوند کو ہدایت نصیب فرما دے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴾

[فصلت: 34]

''اور نہ نیکی برابر ہوتی ہے اور نہ برائی (برائی کو) اس (طریقے) کے ساتھ ہٹا جو سب سے اچھا ہے تو اچانک وہ شخص کہ تیرے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہوگا جیسے وہ دلی دوست ہے۔''

(الفوزان: المنتقیٰ: 214)

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [1974] صحيح مسلم [1159/182]

118۔ خاوند کے لیے کھانا تیار کرنے پر اس سے اجرت لینا۔

عورت پر لازم ہے کہ باقی عورتوں کی روٹین کی طرح گھریلو کام کاج بغیر اجرت کے کرے، کیونکہ شہر اور علاقے میں مروّج طریقہ شرط کی مانند ہوتا ہے، ہمارے علاقے میں عورت کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ وہ کھانے پکائے اور دیگر امور خانہ داری کو سرانجام دے، لہٰذا یہ اس پر واجب ہے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 215)

119۔ آدمی کا اپنی ہی بیوی سے بغض رکھنا جو اس کے ساتھ رہ رہی ہے۔

محبت اور بغض ایسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں ڈال دیتے ہیں اور بسا اوقات انسان اس معاملے میں بے اختیار ہو جاتا ہے، یعنی وہ اس پر قادر نہیں ہوتا کہ اپنے محبوب کو دشمن اور دشمن کو محبوب بنا لے، لیکن محبت ہو یا دشمنی ان کے اسباب ضرور ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر اس چیز سے منع کیا ہے جو عداوت اور دشمنی کا سبب بنے۔ اور ہر اس چیز کا حکم دیا ہے جس سے محبت و مودت جنم لے، چنانچہ آدمی پر ضروری ہے خصوصاً بیوی کے حوالے سے کہ سعی بسیار سے ان اسباب کو اپنائے جو ان دونوں کے درمیان محبت و الفت کی فضا پیدا کریں، ان اسباب میں سے ہے کہ خاوند اپنی بیوی کی خوبیوں کا ذکر کرے اور اس کی بری عادات سے صرف نظر کرے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے درج ذیل فرمان میں رہنمائی فرمائی ہے:

«لا يفرك مؤمن مؤمنة إن كره منها خلقا رضي منها خلقا آخر»[1]

[1] صحیح. صحیح مسلم [1469/61]

"کوئی مومن مرد کسی مومنہ عورت سے خفا نہ ہو، اگر اس کی ایک عادت پسند نہیں تو کسی دوسری عادت سے راضی ہو جائے۔"

خاوند اپنی بیوی سے ایسا ہی معاملہ کرے اور بیوی بھی خاوند کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کرے تاکہ دونوں کے دلوں میں محبت اور پیار جاگزیں ہو جائے، بیوی کا مسئلہ دوسروں کی طرح نہیں ہے، اگر ان دونوں میں جدائی پیدا ہوتی ہے تو یہ بڑی نقصان اور خطرے والی بات ہے، خصوصاً جبکہ ان کی اولاد بھی ہو۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 27)

120۔ میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والی ناراضگی کا حکم۔

جب بیوی کی طرف سے خاوند کے حق میں نافرمانی پیدا ہو اور اس کے سمجھانے کے باوجود بھی بیوی راہِ راست پر نہ آئے تو خاوند کو اختیار ہے کہ اسے بستر میں تنہا چھوڑ دے، یعنی سوئے تو اس کے ساتھ لیکن کوئی بات نہیں کرے اور منہ پھیر لے، حتی کہ وہ توبہ تائب ہو جائے، یہ مسلمان بھائی سے ناراضگی، جو تین دن سے اوپر حرام ہے، کے متعارض اور مخالف نہیں ہے، کیونکہ یہ جدائی بستر کے ساتھ مقید ہے اور ممنوع مطلق جدائی ہے، یا یہ کہا جائے کہ ممنوع وہ جدائی ہے جو نافرمانی کے سبب کے بغیر ہو، اور عورت کی نافرمانی ایسا سبب ہے جس کی بناء پر جدائی اور ناراضگی جائز ہے۔ (الفوزان: المنتقی: 224)

121۔ خاوند کا بیوی سے سالہا سال ناراض رہنا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خاوند پر بیوی کے حقوق ہیں جن کی ادائیگی ضروری ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة: 228]

''اور معروف کے مطابق ان (عورتوں) کے لیے اسی طرح حق ہے جیسے ان کے اوپر حق ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إن لنسائكم عليكم حقا)) [1] ''تمہاری عورتوں کا تم پر یقیناً حق ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ [البقرة: 229]

''پھر یا تو اچھے طریقے سے رکھ لینا ہے یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔''

ان کے لیے بھی کئی دلائل ہیں جو خاوند پر لازم کرتے ہیں کہ اپنی بیوی کے بارے اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کے حقوق کو ادا کرے، اس کے لیے جائز نہیں کہ بیوی کے کسی بھی حق میں کوتاہی سے کام لے، سوائے شرعی جواز کے، جیسا کہ عورت کی نافرمانی ہے۔

رہا سائل کا سوال کہ مرد بیوی کو مدتِ مدید تک چھوڑے رکھے اور اس کے حقوق کو پائمال کرے تو یہ ظلم و تعدی ہے جو کہ ناجائز ہے جبکہ آدمی تندرست ہو اور شرعی گنجائش بھی نہ ہو، یقیناً یہ اُس پر ظلم کر رہا ہے، اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ تائب ہو، اس کے حقوق ادا کرے اور سابقہ ظلم و ستم کی اس سے معافی مانگے۔

ہر حال میں معاملہ انتہائی سنگین ہے، ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس پر یا اس کی اولاد پر ظلم روا رکھے، بلکہ اس پر ضروری ہے کہ رجوع الی اللہ کرے اور راہِ راست پر آجائے اگر وہ باز نہ آئے تو حاکمِ وقت کے پاس معاملہ پیش کیا

---

[1] **حسن**. سنن الترمذي [1163] سنن ابن ماجه [1851]

جائے، تاکہ وہ اس کا مواخذہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم. (الفوزان: المنتقیٰ: 228)

122۔ مسئلہ

عورتوں کا مردوں کو بستروں پر تنہا چھوڑ دینا جبکہ وہ نافرمانی کریں راہِ صواب سے ہٹ جائیں، سورہ نساء کی آیت (۳۴) ﴿وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا﴾ کی روشنی میں:

یہ آیت عورتوں کے لیے دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾ [النساء: 34]

''اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی سے تم ڈرتے ہو، سو انھیں نصیحت کرو اور بستروں میں ان سے الگ ہوجاؤ اور انھیں مارو، پھر اگر وہ تمہاری فرماں برداری کریں تو ان پر (زیادتی کا) کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ ہمیشہ سے بہت بلند، بہت بڑا ہے۔''

رہی مرد کی نافرمانی تو اس کے متعلق ارشاد ہے:

﴿وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا﴾ [النساء: 128]

''اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے کسی قسم کی زیادتی یا بے رخی سے ڈرے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں کسی طرح کی صلح کر لیں۔''

جب عورت اپنے خاوند کی عدم توجگی کا خطرہ محسوس کرے تو اللہ تعالیٰ نے

صلح کرنے کی تعلیم دی ہے، اسے یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنے خاوند کو نصیحت کرے یا تنہا چھوڑے یا اُسے مارے، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ عورت کا مرد پر کنٹرول ہو، بلکہ نبی کریم ﷺ سے جب کہا گیا کہ ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة)) [1]

''وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے عورت کو اپنا حکمران بنالیا۔''

لیکن جب ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان کے عموم کو لیتے ہیں:

﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾

[البقرة: 194]

''پس جو تم پر زیادتی کرے سو تم اس پر زیادتی کرو، اس کی مثل جو اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

تو کہتے ہیں کہ جب خاوند بیوی کے حقوق کا خیال نہ کرے تو جائز ہے کہ بیوی بھی اس کا حق ادا نہ کرے، حتی کہ وہ اللہ کے حکم پر آجائے، کیونکہ آیت میں عموم ہے: ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ [البقرة: 194]

جب خاوند اس کے حق میں کوتاہی پر مصر رہے اور عورت دیکھے کہ اس کے راہِ راست پر آنے کی کوئی امید نہیں اور نہ ہی وہ معروف طریقے سے اس کے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [

حقوق کو پورا کرنے کے لیے تیار ہے سوائے اس کے کہ عورت بھی اس کے حقوق کا خیال نہ کرے جیسا کہ وہ کر رہا ہے تو پھر عورت کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 48)

123۔ وہ مدت جس میں آدمی حصول معاش کی خاطر اپنی بیوی سے دور رہ سکتا ہے۔

حصول معاش یا جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کے سلسلہ میں مرد جتنی مدت بیوی سے دور رہ سکتا ہے، وہ چار ماہ ہے، یہ وہی مدت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ''ایلاء'' کرنے والے کے لیے بیان کی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ﴾
[البقرۃ: 226]

''ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں سے قسم کھا لیتے ہیں، چار مہینے انتظار کرنا ہے۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسی آیت کے پیش نظر ان مجاہدین کے لیے جو جہاد فی سبیل اللہ اور مورچہ زنی کے لیے نکلتے چار مہینے مقرر کیے اور آمد و رفت کی مسافت کا لحاظ کرتے ہوئے دو ماہ کا اضافہ کر دیا، اگر انسان چار ماہ کے اندر اندر اپنے گھر والوں کے پاس آ سکتا ہو تو ضرور آنا چاہیے، الا یہ کہ وہ گنجائش دے دیں اور اس سے زیادہ مدت غائب رہنے پر موافقت کریں، کیونکہ یہ ان کا اپنا حق ہے، یا کسی رکاوٹ کے سبب نہ آ سکے تو بھی وہ معذور ہے، یہاں تک کہ وہ عذر ختم ہو جائے، چاہے چار ماہ سے زیادہ مدت ہی گزر جائے۔
(الفوزان: المنتقی: 226)

124۔ خاوند کا اپنی بیوی کو صلہ رحمی سے روکنا۔

صلہ رحمی واجب ہے، خاوند کے لیے جائز نہیں کہ بیوی کو اس سے منع کرے، کیونکہ قطع تعلقی کبیرہ گناہوں میں سے ہے، عورت کے لیے بھی جائز نہیں کہ اس میں خاوند کی اطاعت کرے، اس لیے کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہوتی، بلکہ عورت اپنے مختص مال سے صلہ رحمی کرے، مراسلت کرے اور ان سے ملنے جائے، الا یہ کہ ملنے کی وجہ سے خاوند کے حق میں کوئی مفسدت واقع ہوتی ہو اور وہ اس طرح کہ عورت کا رشتہ دار اسے خاوند کے حوالے سے بدظن کرے تو پھر عورت کو چاہیے کہ اسے ملنے نہ جائے، لیکن پھر بھی صلہ رحمی کرتی رہے اور خرابی سے بھی دور رہے۔ واللہ اعلم

(الفوزان: المنتقی: 216)

125۔ ازدواجی مصلحت کے پیش نظر خاوند اپنی بیوی کو اس کے گھر والوں سے ملنے سے منع کر دیتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جب بیوی کے اپنے گھر والوں سے ملنے پر عورت کے لیے دینی مفسدت یا اس کے خاوند کے حقوق میں خرابی پیدا ہوتی ہو تو خاوند کے لیے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو ان سے ملنے سے روک دے، کیونکہ اس حالت میں خاوند کا روکنا خرابی کے خاتمے کا موجب ہے، عورت کو چاہیے کہ ان کی طرف گئے بغیر ہی صلہ رحمی کی کوئی صورت نکالے، خط و کتابت یا ٹیلی فون پر بات چیت کر لیا کرے، جبکہ کوئی خطرہ نہ ہو۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن: 16]

''سو اللہ سے ڈرو جتنی تم طاقت رکھو۔''

اس آدمی کے حق میں بہت زیادہ وعید آئی ہے جو بیوی کو اس کے خاوند کے حوالے سے بدظن اور خراب کرتا ہے، حدیث میں ہے:

((ملعون من خبب امرأة علی زوجها)) [1]

''ملعون ہے وہ شخص جو کسی عورت کو خاوند کے بارے میں اخلاق باختہ اور نافرمان بنائے۔''

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بیوی کے اخلاق کو خاوند کے متعلق خراب کرے اور اس کی نافرمانی کا سبب بنے۔ بیوی کے گھر والوں پر واجب ہے کہ بیوی اور اس کے خاوند کے مابین خیر و صلاح کی تگ و دو کریں کیونکہ اس میں بیوی اور اس کے گھر والوں دونوں کی مصلحت ہے۔ (الفوزان: المنتقی: 218)

126۔ جو عورت اپنے خاوند کے سامنے بآواز بلند بولتی ہے۔

ہم ایسی عورت کے متعلق کہیں گے کہ اس کا اپنے خاوند کے سامنے بلند آواز سے بولنا سوءِ ادب ہے، اس لیے کہ اس کا خاوند اس پر نگران اور محافظ ہے۔ عورت کو چاہیے کہ اس کا احترام کرے اور باادب ہو کر اس سے مخاطب ہو، اس طرح ان کے درمیان محبت و الفت کی فضا پیدا ہوگی اور پائیداری رہے گی، جیسا کہ مرد کو بھی چاہیے کہ اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے، حسن سلوک کا طرفین سے تبادلہ ہونا چاہیے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴾ [النساء: 19]

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2175]

''اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو، پھر اگر تم انھیں ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔''

ایسی عورت کو میری نصیحت ہے کہ اپنے اور اپنے خاوند کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرے، اس سے آواز بلند نہ کرے، خاص طور پر جب اس کا خاوند نرم اور دھیمی آواز میں اس سے مخاطب ہو۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 28)

127۔ بیوی غصے میں اپنے خاوند اور اس کے رشتہ داروں کو گالیاں دیتی ہے۔

غصہ ایک انگارہ ہے، جسے شیطان ابن آدم کے دل میں ڈال دیتا ہے، جس سے اس کی رگیں پھول جاتی ہیں، اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، اور بسا اوقات آدمی بے کار ہو جاتا ہے، اسے اپنے قول و فعل پر کنٹرول نہیں رہتا، اسی لیے راجح قول یہ ہے کہ جس شخص نے ایسے غصے میں طلاق دی جس میں وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی، اس طرح عورت بھی ہے جو اپنے خاوند اور اس کے رشتہ داروں کو گالیاں دیتی ہے، میرے خیال کے مطابق اسے وہی غصہ ابھارتا ہے جس کا سبب اس کا خاوند بنتا ہے، ورنہ یہ بات بعید از عقل ہے کہ ایک عورت جو نرمی اور خوشنودی کے سبب اپنے خاوند کے ساتھ رہ رہی ہے، دفعتاً اسے اور اس کی ماں، باپ، بہن اور بھائی وغیرہ کو کیسے گالیاں دے سکتی ہے؟ پتہ یہی چلتا ہے کہ خاوند اسے اس کارروائی پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اس مناسبت سے میں خاوندوں کو تلقین کروں گا کہ ناحق اپنی بیویوں پر ظلم و ستم روا نہ رکھیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے ڈرایا ہے۔ فرمایا:

﴿ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾ [النساء: 34]

''پھر اگر وہ تمہاری فرماں برداری کریں تو ان پر (زیادتی کا) کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ ہمیشہ سے بہت بلند، بہت بڑا ہے۔''

اے خاوند! تجھے تو اپنی بیوی پر فوقیت حاصل ہے، تجھے بڑا پن دکھانا تھا، تیری جانب سے ایسی سفلی حرکت ناروا ہے، بعض لوگ تو (اللہ کی پناہ) بیوی کو ایسے سمجھتے ہیں جیسے وہ کوئی خادمہ ہے بلکہ خادم سے بھی بری حالت کرتے ہیں وہ اسے ہر موقع پر گالیاں دیتے ہیں، ہر مناسبت پر تنگی میں مبتلا کرتے ہیں اور اسے اپنے جیسا انسان بھی نہیں سمجھتے، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے خاوندوں کی رہنمائی مثالی طریقے کی طرف کی ہے۔ فرمایا:

«لا يفرك مؤمن مؤمنة، إن كره منها خلقا رضي منها خلق آخر» [1]

یعنی اے خاوند اگر تو اپنی بیوی کی ایک عادت کو ناپسند کرتا ہے تو تو اس کی دیگر عادات کی طرف دیکھ، اگر تو نے ناپسند سمجھا ہے کہ اس نے چائے بنانے میں دیر کی یا کھانا صحیح نہیں پکایا تو ان کثیر ایام کی طرف بھی توجہ کر جب اس نے کھانا بھی چاہیے بھی اچھی بنائی تھی، سو خاوندوں پر واجب ہے کہ اپنی بیویوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ان کے حقوق کے پاسبان بن جائیں، جس طرح کہ عورت کو بھی چاہیے کہ وہ بھی اپنے خاوند کے حق کی پاسدار بن جائے، جو اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے:

﴿وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ

---

[1] صحیح. صحیح مسلم [1469/61]

دَرَجَةٌ وَ اللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [البقرة: 228]

”اور معروف کے مطابق ان (عورتوں) کے لیے اسی طرح حق ہے جیسے ان کے اوپر حق ہے، اور مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے اور اللہ سب پر غالب، بڑی حکمت والا ہے۔“ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 37)

128۔ عورت اپنے خاوند کی بات نہیں سنتی اور کبھی کبھار اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر چلی جاتی ہے۔

عورت پر لازم ہے کہ معروف طریقے سے اپنے خاوند کی اطاعت کرے، اس پر خاوند کی نافرمانی حرام ہے اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا بھی ناجائز ہے۔ فرمان نبوی ہے:

«إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه، فأبت أن تجيء، فبات غضبان عليها، لعنتها الملائكة حتى تصبح»[1]

”جب خاوند اپنی بیوی کو بستر کی طرف بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے اور خاوند اس پر ناراضگی کے عالم میں رات گزارے تو صبح ہونے تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔“

اور فرمایا:

«لو كنت آمر أحد أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها من عظم حقه عليها»[2]

”اگر میں کسی ایک کو حکم دینے والا ہوتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [3237] صحيح مسلم [1436/120]

[2] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [1159]

دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ خاوند کا اس پر بڑا حق ہے۔"

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ﴾ [النساء: 34]

"مرد عورتوں پر نگران ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے مالوں سے خرچ کیا، پس نیک عورتیں فرماں بردار ہیں، غیر حاضری میں محافظت کرنے والی ہیں، اس لیے کہ اللہ نے (انھیں) محفوظ رکھا اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی سے تم ڈرتے ہو، سو انھیں نصیحت کرو اور بستروں میں ان سے الگ ہو جاؤ اور انھیں مارو۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ مرد کو عورت پر تسلط حاصل ہے اور یہ کہ جب بیوی برا رویہ اختیار کرے مرد اس کے سد باب کے لیے سخت اقدامات بھی کر سکتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ خاوند کی اطاعت معروف طریقے سے واجب ہے اور بیوی کے لیے اس کی ناحق مخالفت کرنا حرام ہے۔
(الفوزان: المنتقیٰ: 212)

129۔ عورت کا خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا۔

جب خاوند موجود ہو تو اس کی اجازت کے بغیر باہر نکلنا جائز نہیں ہے اور اگر غائب ہو تو نکل سکتی ہے، جب تک وہ منع نہ کرے اور یہ نہ کہے: نہ نکلنا، اگر

وہ منع کرتا ہے تو اس کا حق ہے۔ تو مسئلہ یہ ہوا کہ اگر وہ موجود ہو تو نہیں نکل سکتی مگر اس کی اجازت سے اور اگر غائب ہو تو نکل سکتی ہے، الا یہ کہ وہ منع کر دے۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 52)

130۔ خاوند کی عدم موجودگی میں عورت کا ساس یا سسر سے اجازت لے کر گھر سے نکلنا۔

ہم کہتے ہیں: اصل یہ ہے کہ وہ گھر سے نکل سکتی ہے، جب تک وہ منع نہ کرے، جب خاوند نے سفر سے پہلے اسے منع کر دیا ہے کہ گھر سے مت نکلنا یا کہا فلاں فلاں کام کے لیے مت نکلنا تو وہ نہیں نکل سکتی، اگرچہ خاوند کا باپ یا ماں اجازت بھی دے دیں، کیونکہ اس کا حکم اس کے خاوند کے ہاتھ میں ہے نہ کہ اس کے باپ اور ماں کے ہاتھ میں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 52)

131۔ عورت کا خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے گھر یا کسی رشتہ دار کے گھر جانا جبکہ اسے معلوم ہو کہ خاوند اجازت دیدے گا۔

یہ بات عورت کی اپنے خاوند کے متعلق معلومات کے اعتبار سے ہے، بعض خاوندوں کے متعلق عورت جانتی ہوتی ہے کہ وہ اسے اجازت دے دے گا کہ رشتے داروں کی طرف کسی ضرورت کے پیشِ نظر چلی جائے اور بعض خاوندوں کے متعلق بیوی جانتی ہوتی ہے کہ وہ اجازت سے اوپر کوئی اور کام نہیں کرے گی تو مسئلہ خاوند کے حال کے اعتبار سے ہے، لیکن جب وہ اسے منع کر دے کہ وہ صرف کسی خاص غرض کی خاطر نکل سکتی ہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس خاص مقصد کے علاوہ بھی گھر سے نکلے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 52)

132۔ اس آدمی کے اسلام کا حکم متعلق کیا ہے جسے شادی سے قبل یہ معلوم ہو گیا کہ وہ بانجھ ہے، تو شادی سے پہلے وہ کیا کرے؟

اولاً: اس آدمی کو چاہیے کہ شادی کر لے جب تک کہ یہ مہر، اخراجات اور بیوی سے ہم بستری کے قابل ہے، سنت پر عمل کرتے ہوئے اور شرمگاہ کی حفاظت کی خاطر، زندگی کے امور میں تعاون اور سسرالی روابط کو مضبوط و مستحکم کرنے کی غرض سے۔

ثانیاً: کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ طبی تحقیق اور معائنہ، بانجھ پن وغیرہ کی غلط ریسرچ کرتا ہے۔ فرض کریں یہ درست بھی ہو تو بانجھ پن کا علاج مادی ذرائع سے ممکن ہے اور کبھی یہ تقدیر کے فیصلوں سے بھی ختم ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ پر کوئی مشکل نہیں، اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کی دعا قبول کرتے ہوئے اور انھیں عزت عطا فرماتے ہوئے ان کی بیوی کو قابل بنا دیا اور اس نے یحییٰ علیہ السلام کو پیدا کیا، اسی طرح سارہ علیہا السلام نے اسحاق علیہ السلام کو جنم دیا، حالانکہ ابراہیم علیہ السلام اور سارہ علیہا السلام دونوں بڑھاپے کو پہنچ چکے تھے اور سارہ علیہا السلام کو بانجھ ہوئے ایک لمبا زمانہ گزر چکا تھا۔

ثالثاً: مسلمان پر لازم ہے کہ مادی اسباب کو بھی اپنائے اور معنوی اسباب کو بھی، جس طرح کے دعا اور بارگاہِ الٰہی میں عجز و تضرع کرے اور وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس لیے کہ رحمت الٰہی سے تو صرف کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔ اس پر ضروری ہے کہ لڑکی کے گھر والوں کو حقیقتِ حال بتا دے اس لیے کہ یہ ایک عیب ہے۔ (اللجنة الدائمة: 6747)

133۔ بیوی کا اپنے حقوقِ زوجیت معاف کر دینا۔

اگر عورت خاوند کے نکاح میں رہنے کی خاطر اپنے حقوقِ زوجیت معاف کر دیتی ہے اور میاں بیوی کے درمیان اس پر اتفاق رائے ہو جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ سودہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح میں رہنے کا ارادہ ظاہر کیا، اس طرح کہ اپنی رات عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول کر لیا۔ (اللجنة الدائمة: 20688)

134۔ نصرانی بیوی اور مسلمان بیوی کے حقوق کا موازنہ۔

حقوق یکساں ہی ہیں، جب دوسری بیوی بھی ہو تو لباس، نان و نفقہ، رہائش، حسن معاشرت، عدم ظلم اور تقسیم ایام میں عدل و انصاف قائم رکھا جائے گا۔
(اللجنة الدائمة: 11967)

135۔ خاوند کا بیوی سے غائب ہونا۔

ایک ملازم اپنے گھر والوں سے مدتِ مدید کے لیے دور رہتا ہے، یہ معلوم ہی ہے کہ دیگر واجبات ادا کر رہا ہے، صرف آ نہیں سکتا۔

جب آدمی ایسے فریضے کی ادائیگی کے لیے طویل مدت کے لیے اپنی بیوی سے دور رہے، جو اس کے ساتھ خاص ہے یا اس کے گھر والوں کے لیے خاص ہے یا اس کے اور قوم و ملک کے لیے عام بات ہے تو اس پر کوئی گناہ ہے نہ سزا، اور اگر بلا عذر اور بغیر ادائے واجب کے لمبی مدت غائب رہے اور بیوی اس پر رضا مند ہو تو بھی کوئی گناہ اور سزا نہیں ہے اور اگر وہ راضی نہ ہو تو یہ گنہگار اور سزا کا مستحق ہے، کیونکہ اس نے بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیا ہے

اور اگر بیوی کو معیشت، لباس، رہائش اور کھانے پینے کے سلسلے میں کوئی پریشانی نہ ہو تو بھی اپنے حقوقِ زوجیت کے بارے بہر حال اسے حق حاصل ہے۔

(اللجنة الدائمة: 606)

136۔ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر بازار جا سکتی ہے؟

جب عورت خاوند کے گھر سے نکلنے کا ارادہ کرے تو اسے بتلائے کہ کس طرف جا رہی ہے اور وہ اسے اجازت دے دے جب تک کوئی خرابی نظر نہ آتی ہو، خاوند ہی اس کی مصلحتوں سے بہتر واقف کار ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کا عموم ہے:

﴿وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ [البقرة: 228]

''اور معروف کے مطابق ان (عورتوں) کے لیے اسی طرح حق ہے جیسے ان کے اوپر حق ہے، اور مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔''

اور فرمان ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ [النساء: 34]

''مرد عورتوں پر نگران ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی۔'' (اللجنة الدائمة: 1136)

ازدواجی تعلقات

137۔ سہاگ رات میاں بیوی کا دو رکعت نماز بطور شکرانہ باجماعت ادا کرنا۔

مجھے سنت سے ایسی کسی دلیل کا علم نہیں کہ آدمی جب پہلی رات اپنی بیوی کے پاس جائے تو باجماعت نماز ادا کرے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 64)

138۔ وہ دعا جو خاوند سہاگ رات مباشرت سے پہلے پڑھے۔

جب آدمی پہلی رات بیوی کے پاس جائے تو اس کے پیشانی کے بال پکڑے اور یہ دعا پڑھے:

«اللهم إني أسئلك خيرها و خير ما جبلتها عليه، وأعوذ بك من شرها و شر ما جبلتها عليه»[1]

”اے اللہ! میں تجھ سے اس کی خیر و بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس پر تو نے اسے پیدا کیا ہے، اور میں تجھ سے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور اس چیز کے شر سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا ہے۔“

اور جب ہم بستر ہونے لگے تو یہ کہے:

---

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [2160]

«بسم الله ، اللّٰهم جنبنا الشيطان و جنب الشيطان ما رزقتنا»

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے اللہ! ہم کو شیطان سے محفوظ رکھنا اور اسے بھی جو تو ہمیں عطا کرے۔''

یہ مؤخر الذکر دعا ہر دفعہ پڑھے، چاہے سہاگ رات ہو یا اس کے بعد، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لو أن أحدكم إذا أتى أهله فقال: بسم الله، اللهم جنبنا الشيطان و جنب الشيطان ما رزقتنا، فإنه إن يقدر بينهما ولد لا يضره الشيطان أبدا» [1]

جب کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے اور کہے: بسم اللّٰہ، اللھم جنبنا الشیطان... اگر ان کے درمیان بچہ مقدر ہوگیا تو شیطان کبھی بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

یہ بسم اللہ اور دعا ان اسباب میں سے ہے جن کی بدولت بچہ شیطان کی ایذاء رسانی سے مامون و محفوظ رہتا ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 65)

139۔ سہاگ رات تازہ دودھ کا پیالہ پینا۔

اگر پہلی رات اس نیت سے دود کا پیالہ پیتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے تو یہ یقیناً بدعت ہے، کیونکہ اس کا عبادت اور باعثِ تقرب ہونا نبی ﷺ سے ثابت نہیں، اور اگر دودھ کو بطور غذا استعمال کرے اور اس لیے کہ یہ ہلکی غذا ہے اور رات شادی کی رات ہے اور وہ پسند نہیں کرتا کہ بیوی کے پاس جائے اور اس کا پیٹ بھرا ہوا ہوتو پھر کوئی حرج نہیں،

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [141] صحيح مسلم [1434/116]

لیکن عبادت کے نقطۂ نظر سے ایسا کرنا جائز نہیں، اور اسی طرح یہ اعتقاد رکھنا کہ پہلی رات دودھ پینے سے برکت حاصل ہوگی یا اولاد کے حصول کا سبب بنے گا وغیرہ وغیرہ، یہ باطل عقیدہ ہے، اس بناء پر دودھ پینا جائز نہیں، اس بناء پر دودھ پینا جائز نہیں، کیونکہ اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 64)

140۔ ہم بستری کا مسنون طریقہ۔

مباشرت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ انسان وقتِ جماع کہے:

«بسم الله اللهم جنبنا الشيطان و جنب الشيطان ما رزقتنا»

البتہ عریاں ہونے کو بعض اہل علم نے مکروہ سمجھا ہے، اور کہا ہے کہ اس حالت میں ہم بستر ہوں کے دونوں پر لباس ہو، لیکن اگر وہ عریاں ہو بھی جائیں تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝﴾

[المومنون: 5,6]

''اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، مگر اپنی بیویوں، یا ان (عورتوں) پر جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں تو بلاشبہ وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔''

جب میاں بیوی کے مابین شرمگاہ کو نہ چھپانے پر کوئی ملامت نہیں تو اس کے علاوہ باقی بدن تو بالاولیٰ کھلا رکھا جا سکتا ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 66)

141۔ دوران مباشرت قرآن مجید پڑھنا۔

جب ضرورت کے تحت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جب مباشرت ہو گئی تو

اب بیوی بھی جنبی ہو چکی ہے اور خاوند بھی جنبی ہے، لہٰذا اب قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا، لیکن جب تک اس نے دخول نہیں کیا تو عورت کے لیے جائز ہے کہ قرآن پڑھ سکتی ہے، کیونکہ یہی چیز رکاوٹ ہے۔ (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 19/75)

142۔ دورانِ مباشرت کپڑوں سے عاری ہونا۔

مرد و زن میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں، امام احمد، ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت بیان کی ہے، انھوں نے کہا: میں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم اپنے پردوں کی کتنی حفاظت کریں اور کتنے چھوڑ دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((احفظ عورتك إلا من زوجتك أو ما ملكت يمينك))

"تو حفاظت کر اپنے ستر کی سوائے اپنی بیوی کے اور جس کا مالک ہے تیرا دایاں ہاتھ۔"

میں نے کہا: جب لوگ آپس میں ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن استطعت ألا يراها أحد فلا يرينها))

"اگر تو طاقت رکھے کہ اسے کوئی نہ دیکھ سکے تو ایسا ہی کر کہ کوئی نہ دیکھ پائے۔"

میں نے کہا: اگر ہمارا کوئی تنہا ہو؟ فرمایا:

((فالله أحق أن يستحيا منه)) [1]

"اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس سے شرم کھائی جائے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کر دی کہ عموماً خلوت اور تنہائی کے وقت باپردہ رہنا چاہیے۔ (اللجنة الدائمة: 4624)

[1] **حسن**. سنن أبي داود [4017] سنن الترمذي [2769] سنن ابن ماجه [1920]

143۔ خوش طبعی یا مباشرت کے دوران بیوی کے پستان چوسنا۔

بڑی عمر میں رضاعت باعثِ حرمت نہیں ہے سو یہ فعل ناجائز ہے، یعنی آدمی کا اپنی بیوی کے پستان چوسنا، اس کو دودھ ہو یا نہ ہو، لیکن اگر دودھ اتر آئے اور وہ پی لے تو بیوی حرام نہیں ہوگی اور نہ ہی نکاح فسخ ہوگا۔ واللہ اعلم

(ابن جبرین: الفتاویٰ: 3/11)

144۔ حالتِ حیض میں عورت سے مباشرت کرنا۔

آدمی کے لیے حالتِ حیض میں بیوی سے ہم بستری حرام ہے، لیکن یہ جائز ہے کہ فرج اور دبر کے علاوہ اس سے مباشرت کرے۔ فرمانِ نبوی ہے:

«اصنعوا كل شيء إلا النكاح» [1] ''ہر چیز کرو سوائے جماع کے۔''

اس کے لیے مستحب ہے کہ مباشرت کے وقت بیوی کو لنگوٹ پہننے کا حکم دے اور پھر اس سے اوپر اوپر مباشرت کرے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیتے، میں لنگوٹ باندھتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے مباشرت کرتے اور میں حیض میں ہوتی۔ (اللجنة الدائمة: 8618)

145۔ حائضہ عورت سے جماع کا کفارہ۔

حائضہ عورت سے شرمگاہ میں وطی کرنا حرام ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾

[البقرة: 222]

[1] صحیح. صحیح مسلم، رقم الحدیث [302/16]

”اور تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔“

اور جس نے اس کا ارتکاب کر لیا اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور توبہ کرے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ آدھا دینار صدقہ کرے، جس طرح کے امام احمد اور اصحاب سنن نے حسن سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فیمن یأتي امرأته وهي حائض: یتصدق بدینار أو نصف دینار)) [1]

”اس آدمی کے بارے جو حالت حیض میں اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے، ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے۔“

تو دونوں میں سے جو بھی دے کفایت کر جائے گا اور یہ جائز نہیں کہ طہر کے بعد اس سے جماع کرے، یعنی خون بند ہونے کے بعد اور بیوی کے غسل کرنے سے پہلے، کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى یَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ [البقرة: 222]

”اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے۔“

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حائضہ سے وطی کی اجازت نہیں دی حتی کہ اس کا

---

[1] **صحیح**. سنن أبي داود، رقم الحدیث [462] سنن الترمذي، رقم الحدیث [136] سنن النسائي، رقم الحدیث [289] سنن ابن ماجه، رقم الحدیث [640]

خونِ حیض ختم ہو جائے اور وہ پاک ہو جائے یعنی غسل کرے، اور جس نے اس کے غسل کرنے سے پہلے وطی کر لی تو گنہگار ہوگا اور اس پر کفارہ لاگو ہوگا، اگر عورت حالتِ حیض میں جماع کی وجہ سے یا خون بند ہونے کے بعد غسل سے پہلے جماع کی وجہ سے حاملہ ہوگئی تو اس کے بچے کو یہ نہ کہا جائے کہ وہ حرامی ہے بلکہ شرعاً انھی کا بچہ ہے۔ (اللجنة الدائمة: 1844)

146۔ بیوی کی دبر میں جماع کرنا۔

بیوی کی دبر میں جماع کرنا حرام ہے، اور جس نے لاعلمی میں ایسا کیا تو وہ معذور ہے اور اسے معافی ہے، لیکن جونہی پتہ چلے وہ رُک جائے، بیوی کی دبر میں جماع کے حرام ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد، بخاری اور مسلم رحمہم اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ جب عورت سے پچھلی جانب سے اگلی جانب جماع کیا جائے اور پھر وہ حاملہ ہو جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے'' کہتے ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

اور امام مسلم ﷺ نے یہ اضافہ کیا ہے:

((إن شاء مجبية وإن شاء غير مجبية غير أن ذلك في صمام واحد))[2]

''اگر چاہے تو بیوی اوندھے منہ ہو اور اگر چاہے تو وہ اوندھے منہ نہ ہو، لیکن جماع ایک ہی سوراخ میں ہونا چاہیے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس بات میں تکذیب کر دی ہے کہ آدمی جب

---

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [4528] صحيح مسلم [1435/117]

[2] صحيح. صحيح مسلم [1435/119]

اپنی بیوی کے پاس اس کی اگلی جانب میں آئے، پچھلی جانب سے جبکہ عورت منہ کے بل اوندھی ہو تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، اور آیت کے ساتھ وضاحت کر دی کہ آدمی کے لیے ہر کیفیت میں بیوی کے پاس آنا جائز ہے، پشت کے بل چت لیٹی ہو یا اوندھے منہ لیٹی ہو جبکہ وطی اس کی اگلی جانب ہو، اس کی دلیل فہم صحابہ ہے جو کہ عرب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو کھیتی سے تعبیر کیا ہے، جس سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور دبر میں وطی سے تو اولاد پیدا نہیں ہوتی، اور سبب نزول میں جو کہ حمل اور بچے کے بھینگے پیدا ہونے کا ذکر ہے، حالانکہ حمل اور بچہ دبر میں وطی سے ہوتے ہی نہیں ہیں، بھینگا ہوتا ہے نہ تندرست، امام احمد اور ترمذی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے متعلق بیان کرتی ہیں فرمایا: ''سوراخ ایک ہی ہو''۔[1]

اور فرمایا: یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ بہت زیادہ احادیث میں بیوی سے دبر میں وطی کی ممانعت وارد ہوئی ہے، ان میں سے ایک وہ ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ اور ابو داود رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ملعون من أتى امرأته في دبرها))[2]

''وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی سے دبر میں وطی کرتا ہے۔''

اور ایک روایت میں ہے:

((لا ينظر الله إلى رجل جامع المرأة في دبرها))[3]

''اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھیں گے جس

---

1. **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث [2979]
2. **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [2162] مسند أحمد [44/2]
3. **صحيح**. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1923]

نے اپنی بیوی سے دبر میں جماع کیا۔“

اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 1268)

147۔ بیوی کی پچھلی جانب سے اگلی جانب جماع کرنا۔

خاوند کے لیے جائز ہے کہ اس کی پچھلی جانب سے جماع کرے جبکہ جماع اگلی جانب میں ہو نہ کہ پچھلی جانب میں، اور کسی صورت بھی پچھلی جانب میں جماع حرام ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: 223]

”تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتی ہیں، سو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لیے آگے (سامان) بھیجو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ یقیناً تم اس سے ملنے والے ہو اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دے۔“

اور فرمان نبوی ہے:

((ملعون من أتى امرأته في دبرها)) [1]

”وہ آدمی ملعون ہے جو اپنی بیوی سے دبر میں جماع کرتا ہے۔“

(اللجنة الدائمة: 7310)

148۔ بیوی کا قیام اللیل کا عذر کرتے ہوئے خاوند کے بستر پر نہ آنا۔

یہ عذر نہیں ہے کیونکہ خاوند کا حق واجب ہے، رات کی نفلی نماز اور تسبیح یہ

---

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2162] مسند أحمد [44/2]

سنت ہے، واجب سنت پر مقدم ہوتا ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه، فأبت أن تجيء، فبات غضبان عليها، لعنتها الملائكة حتى تصبح» [1]

''جب آدمی اپنی بیوی کو بستر کی طرف بلائے اور وہ انکار کر دے اور خاوند اس پر ناراضگی کے عالم میں رات گزارے تو صبح ہونے تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔''

«حتى ترجع» [2] ''یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے۔''

149۔ عورت کا بلا عذر خاوند کے پاس نہ آنا۔

عورت کے لیے جائز نہیں کہ جب اس کا خاوند خواہش ظاہر کرے تو نافرمانی کرے سوائے ایسے عذر کے جو شرعاً مقبول ہے جیسا کہ حیض ہے، صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إذا باتت المرأة هاجرة فراش زوجها لعنتها الملائكة حتى ترجع» [3]

''جب عورت اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑتے ہوئے رات گزارے تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے۔''

اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

«إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه فأبت أن تجيء لعنتها

---

1. متفق عليه. صحيح البخاري [3237] صحيح مسلم [1436/120]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [5194]
3. متفق عليه. صحيح البخاري [5194] صحيح مسلم [1436/120]

الملائكة حتى تصبح ﴾[1]

''جب آدمی اپنی بیوی کو بستر کی طرف بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو صبح ہونے تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔''

اور صحیح مسلم ہے:

﴿كان الذي في السماء ساخطا عليها حتى يرضى عنها ﴾[2]

''آسمان والا اس عورت پر ناراض ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کا خاوند راضی نہ ہو جائے۔'' (اللجنة الدائمة: 17035)

150۔ جامعہ سے فارغ ہونے تک شادی شدہ لڑکی کا بچے کی ولادت میں تاخیر کرنا۔

تولید میں تاخیر کرنا اس کا اور اس کے خاوند کا حق ہے، اگر وہ خاص مدت اور کسی مقصد کے حصول کے لیے اس میں تاخیر کرتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے، جس طرح کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہے:

﴿كنا نعزل و القرآن ينزل ﴾[3]

''ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔''

عزل تاخیر تولید کا سبب ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کے پاس آئے اور پانی نکلنے کے قریب ہو تو اس سے علیحدہ ہو جائے

---

[1] **متفق عليه.** صحيح البخاري [3237] صحيح مسلم [1436/120]

[2] **صحيح.** صحيح مسلم، رقم الحديث [1436/121]

[3] **متفق عليه.** صحيح البخاري [5208] صحيح مسلم [1440/136]

تا کہ اپنی شرمگاہ سے باہر خارج ہو اور یہ تولید میں رکاوٹ ہے، اہم بات یہ ہے کہ جب میاں بیوی کسی خاص غرض کے لیے معینہ مدت تک تاخیر تولید پر اتفاق کر لیں تو کوئی مضائقہ نہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 70)

151۔ عورت کا بغیر عذر کے کئی سالوں تک مانع حمل ادویہ استعمال کرنا۔

عورت کا مانع حمل دوا استعمال کرنا، اسے ہم تاخیر حمل کا نام دیتے ہیں، یہ بوقت ضرورت جائز ہے، لیکن خاوند کی اجازت شرط ہے، اگر خاوند اجازت نہ دے تو اس کی لاعلمی میں عورت کے لیے مانع حمل ادویات کا استعمال جائز نہیں، کیونکہ اولاد میاں اور بیوی دونوں کا حق ہے، جب خاوند تاخیر حمل کو ناپسند کر رہا ہے تو عورت پر ایسی کسی چیز کا استعمال کرنا حرام ہے، اس مسئلہ میں میاں بیوی دونوں کی طرف رجوع ہوگا، خاوند کی طرف اس بنا پر کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ [البقرة: 223]

”تمھاری عورتیں تمھاری لیے کھیتی ہیں، سو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔“

بیج بونے والا خاوند ہی ہے، اس کی مرضی ہے جب چاہے اپنی زمین میں بیج بوئے، اسے سیراب کرے اور کاشت کاری کرے، اسی طرح اگر خاوند عزل کرنا چاہے کہ فرج میں انزال نہ کرے تو بیوی اگر اسے ناپسند کرتی ہے تو اسے روک سکتی ہے، اس لیے اہل علم نے کہا ہے کہ آزاد عورت سے بغیر اس کی

اجازت کے عزل حرام ہے، اس لیے کہ عورت کا بھی بچے پر حق ہے، اس وجہ سے اگر واضح ہو جائے کہ خاوند بانجھ ہے اور بیوی اس بانجھ پن پر راضی نہیں تو فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے کیونکہ اولاد پیدا کرنا عورت کا بھی حق ہے۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ عورت کے لیے تاخیر حمل دوا کا استعمال جائز نہیں ہے مگر خاوند کی اجازت کے ساتھ، خاوند اگر راضی ہو تو پھر تاخیر حمل کی ضرورت کو دیکھیں گے، اگر واقعتاً ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اگر کوئی ضرورت نہ ہو تو اسے چھوڑنا زیادہ مناسب ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 10/26)

152۔ میاں بیوی کے مابین ہونے والے ازدواجی تعلق کی ویڈیو فلم بنانا۔

میاں بیوی کے درمیان تعلق زن و شوئی کی ویڈیو بنانا سخت حرام ہے، تصویر کی حرمت کے عمومی دلائل کی وجہ سے، اور اس لیے بھی کہ اس ازدواجی تعلق کی ویڈیو بہت زیادہ شر و فساد کا پیش خیمہ ہے، جسے نہ شرع مانتی ہے، نہ عقل اور نہ ہی عادت، سو اس سے دور رہنا واجب ہے اور ضروری ہے کہ عزت اور ستر کی حفاظت کا خیال رکھا جائے، کیونکہ یہ ایمان، فطرت اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں میں سے ہے۔ (اللجنة الدائمة: 22659)

153۔ بیوی کا خاوند پر مطالبات کا بوجھ ڈالنا۔

یہ رہنے سہنے کا برا انداز ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّآ ءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَآ ءَاتَىٰهَا ﴾ [الطلاق: 7]

"لازم ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت میں سے خرچ کرے اور

جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اس میں خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے، اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا، مگر اس کی جو اس نے اسے دیا ہے۔"

عورت کے لیے جائز نہیں کہ خاوند کی استطاعت سے بڑھ کر خرچ کا سوال کرے اور نہ ہی جائز ہے کہ عام مروّج طریقہ سے زیادہ کا مطالبہ کرے، اگرچہ خاوند طاقت رکھتا ہو۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [النساء: 19]

"ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔"

نیز فرمایا:

﴿وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة: 228]

"اور معروف کے مطابق ان (عورتوں) کے لیے اسی طرح حق ہے جیسے ان کے اوپر حق ہے۔" (ابن عثیمین: فتاویٰ علماء البلد الحرام: 490)

154۔ عزل اور اس کا طریقہ۔

امام احمد رحمہ اللہ اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حضرت عمر بن خطاب سے نقل کیا ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آزاد عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل کیا جائے"، اس کو امام عبدالرزاق نے "مصنف" میں بیان کیا ہے۔ اور بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورت سے اس کی بغیر اجازت کے عزل کرنے سے منع کیا ہے۔

یہ حدیث آزاد عورت سے اس کی اجازت سے عزل کرنے پر دلالت کر رہی ہے، اور اس کی اجازت کے بغیر عزل کے ممنوع ہونے پر۔ اس کے ساتھ

ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھا جائے کہ سخت حاجت یا ضرورت کے بغیر عزل نہ کیا جائے اور عزل کا طریقہ یہ ہے کہ ''دخول کے بعد علیحدہ ہوجانا تاکہ فرج سے باہر انزال ہو۔'' (اللجنة الدائمة: 5438)

155۔ فاقے کے ڈر سے حمل سقط کروا دینا۔

سوال: جب عورت حاملہ ہوچکی ہو اور دو یا تین ماہ گزر جائیں تو وہ فاقے کے ڈر سے حمل ساقط کروا دے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

اگر واقعتاً ایسا ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے یعنی فاقے کے خوف سے حمل ضائع کروا دینا تو یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے متعلق بُرا گمان پایا جاتا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 3710)

156۔ وہ مدت جس میں عورت اپنے خاوند کے ہم بستر ہونے کے متعلق صبر کرے۔

وہ مدت جس میں عورت غالباً اپنے خاوند سے صبر کرسکتی ہے، چار ماہ ہیں اور یہی وہ مدت ہے جو شرعاً ایلاء کرنے والے کے لیے مقرر کی گئی ہے، یعنی ایسا خاوند جو اپنی بیوی سے وطی نہ کرنے کی قسم کھا لے، جنسی اعتبار سے یہی مدت زیادہ مناسب ہے کہ عورت کے لیے خاوند سے صبر کرنے کے متعلق مقرر کی جائے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [البقرة: 226]

''ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں سے قسم کھا لیتے ہیں چار مہینے

انتظار کرنا ہے، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔" (اللجنة الدائمة: 606)

157۔ بیوی کے پاس دوبارہ آنے سے پہلے وضو کرنا۔

سوال: نبی ﷺ کا فرمان ہے: "جب تم میں سے کوئی ایک دوبارہ اپنی بیوی کے پاس آنا چاہے تو وضو کرے" کیا یہ حکم مرد کے ساتھ مختص ہے یا کہ عورت کو بھی شامل ہے؟

وضوء آدمی کے حق میں مشروع ہے، جبکہ وہ دوبارہ جماع کا ارادہ کرے، کیونکہ یہ حکم بطور خاص مرد کو ہی دیا گیا ہے، نہ کہ عورت کو۔

(اللجنة الدائمة: 18911)

158۔ فرمان باری تعالیٰ ﴿فَاِذَا تَطَهَّرْنَ ... اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ کی تفسیر

تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ [النساء: 222] کے متعلق فرمایا کہ فرج میں کرو، اس کے علاوہ کسی اور طرف مت جاؤ، جس نے ایسا کیا اس نے ظلم کیا اور حد سے بڑھا۔ اور ﴿فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ [النساء: 223] کے متعلق بخاری و مسلم میں اس کے سبب نزول میں ہے کہ یہودی کہتے تھے جب مرد عورت کے سے پیچھے دخول کرتا ہے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، تو آیت ﴿فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾[النساء: 223] نازل ہوئی، یعنی جیسے تم چاہو، سیدھی لٹا کر یا الٹی لٹا کر جبکہ سوراخ ایک ہی ہو اور وہ اگلی جانب ہے، اور دبر میں وطی کرنا حرام، بہت بڑی بے حیائی اور کبیرہ گناہ ہے، ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے۔ (اللجنة الدائمة: 5699)

159۔آدمی کا ایسی چیز استعمال کرنا جس سے نکاح کی خواہش کم پڑ جائے۔

اس میں کوئی حرج نہیں لیکن یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے یہ خواہش بالکل ختم ہوجائے، اسے کم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں مصلحت ظاہر ہے، اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ روزہ شہوت کو کم کر دیتا ہے۔فرمایا:

﴿ يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء﴾ (1)

”اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو بھی اخراجات کی گنجائش رکھتا ہے وہ شادی کرے، اور جو طاقت نہیں رکھتا اس پر لازم ہے کہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ اس کی شہوت کو توڑنے والا ہے۔“

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 188/21)

160۔عدم ولادت کی خاطر رحم نکلوا دینا۔

جب کوئی ضرورت ہو پھر تو کوئی حرج نہیں، ورنہ اسے چھوڑنا واجب ہے، کیونکہ شارع نے افزائشِ نسل کی ترغیب دلائی ہے اور امت کو بڑھانے کے اسباب کی دعوت دی ہے، لیکن اگر کوئی ضرورت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ شرعی مصلحت کی بنا پر وقتی طور پر مانع حمل ادویہ کا استعمال جائز ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 197/21)

---

(1) متفق عليه. صحيح البخاري [1905] صحيح مسلم [14000/1]

161۔ لڑکے سے سہاگ رات کی صبح بیوی کے پردہ بکارت کے متعلق پوچھنا۔

اس بارے سوال کرنا اور اس کا جواب دینا دونوں جائز نہیں بلکہ اس دروازے کو بند کرنا چاہیے، تاکہ مسلمانوں کے ستروں کی پردہ پوشی ہو سکے۔

(اللجنة الدائمة: 9378)

162۔ ایک بُری عادت۔

پردہ بکارت کو انگلی سے پھاڑنا شرعاً ممنوع ہے، یہ ایک بد عادت ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کی مخالفت ہے جو کہ اسے جماع سے زائل کرنے کے حوالے سے ہے، اس مخالفت میں سے یہ بھی ہے کہ لڑکی عورتوں کی موجودگی میں ستر کھولے اور خاوند ان کی موجودگی میں ہی یہ کام کرے۔

(اللجنة الدائمة: 3627)

163۔ خاوند کی عدم موجودگی میں بیوی کا کسی کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دینا۔

یہ جائز نہیں الا یہ کہ وہ اس کے محرم ہوں، جیسا کہ اس کا باپ، سسر، بھائی، خاوند کا بیٹا، عورت کا بھتیجا، چچا، ماموں اور دیگر محارم۔

(اللجنة الدائمة: 4313)

تعدد ازواج

164۔ تعددِ ازواج کا مسئلہ۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہی مسلمان کے لیے جائز قرار دیا ہے کہ ایک بیوی سے زیادہ چار تک سے شادی کر سکتا ہے، جبکہ ان کے واجبات کی ادائیگی کی استطاعت رکھتا ہو، ان کے مابین عدل و انصاف کرنے پر بھی اسے اعتماد ہو اور ظلم سے بے خوف ہو، اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کی وحی اپنے نبی محمد ﷺ کی طرف کی ہے۔ فرمایا:

﴿ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴾ [النساء: 3]

”اور اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہیں کرو گے تو (اور) عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے، پھر اگر تم ڈرو کہ عدل نہیں کرو گے تو ایک بیوی سے یا جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہیں (یعنی لونڈیاں)۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ انصاف سے نہ ہٹو۔“

اللہ تعالیٰ نے مسلمان آدمی کو اجازت دی ہے کہ ایک سے زیادہ

شادیاں کرے، اگر چاہے تو دو دو سے، یا تین تین سے اور یا چار چار سے، اگر اسے ظلم اور عدم انصاف کا خطرہ نہ ہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ خوب علم رکھنے والا اور اپنے بندوں کے معاملات سے پوری طرح باخبر ہے۔ امر تشریع میں کمال حکمت والا ہے، صرف وہی چیز مشروع کرتا ہے جس میں بندوں کی مصلحت ہو اور ان کا معاملہ منظّم ہو، اس سے نہیں پوچھا جا سکتا جو وہ کرتا ہے اور بندوں سے پوچھا جاتا ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور سر تسلیم خم کرنا اور تشریع اعمال میں معاملہ اس کے سپرد کرنا ایسے ہی ضروری ہے جیسے قضاء و قدر پر ایمان لانا واجب ہے، یہ سب کچھ حکمت کے مطابق ہے، انسان کے علم کی رسائی اس تک ہو یا نہ ہو، انسانی عقلوں میں یقیناً کوتاہی پائی جاتی ہے، جو ان کے درمیان اور بہت زیادہ شرعی احکامات کی حکمتوں کی تفاصیل کے ادراک کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔

مسلمانانِ عالم کو چاہیے کہ ملحدین اور شبہات پیدا کرنے والوں سے مناظرہ کے لیے اصلِ دین و ایمان کی طرف رجوع کریں، بایں طور کے کائنات کا رب ہے، جو بڑا علیم و حکیم اور رؤوف و رحیم ہے، اس نے ڈرانے والے، خوشخبری دینے والے اور سچے و امانت دار رسول بھیجے اور ان کی طرف وحی کی جس میں کائنات کی اصلاح اور انسانیت کی سعادت مندی ہے، انبیاء نے واضح طور پر پہنچا دیا اور بندوں پر حجت قائم کر دی، پھر اگر تو اس کا رب تعالیٰ کے علم، حکمت، عدل پر اور انبیاء کی امانت و تبلیغ پر ایمان ہے تو اس پر حجت قائم ہو جائے گی اور اس پر لازم ہو جائے گا کہ تشریعی امور میں اللہ کے حضور جھک جائے، احکامات کی حکمت کا اسے علم ہو یا نہ ہو، اور اگر وہ مذکورہ بالا اصول کا ہی انکار کر دے تو پھر اس کے ساتھ شرعی تفصیلات میں جانے کی ضرورت ہی نہیں۔

بہر حال تعددِ زوجات کی اجازت میں کئی حکمتیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ فوت ہونے والوں میں عورتوں کی نسبت مردوں کی تعداد زیادہ ہے، اس لیے کہ مردوں کو اسبابِ موت کا زیادہ سامنا رہتا ہے، جیسا کہ جنگوں میں مد مقابل آنا، دشمنوں کے خطرات سے نبرد آزما ہونا، سخت کاموں کو سرانجام دینا، دور دراز کے سفروں پر نکلنا اور ایسے ہی دیگر امور جو تھکاوٹ و تکان اور خطرات سے بھرپور ہیں، ایسی صورت میں اگر تعدد زوجات سے روک دیا جائے تو بہت زیادہ عورتیں بغیر خاوندوں کے رہ جائیں گی، ان کے فوائد اور جنسی ضرورت کی تکمیل بھی ایسی صورت میں نہیں ہو پائے گی، جو لائق شرف و کرامت ہو اور جس پر خاندانوں، قبیلوں اور گروہوں کی بنیاد ہے اور عورتیں ہوس پرستوں کے جال میں گر کر رہ جاتیں، جو ان پر ظلم و ستم سے کام لیتے اور نتیجتاً عزتیں پامال ہو جاتیں، نسل کم ہو جاتی، اولادِ زنا کثیر ہو جاتی، خاندان بکھر جاتے اور معاشرہ میں دنگا و فساد مچ جاتا، نیز مصیبت عام ہو جاتی اور انتہائی خطرناک اور مہلک بیماریاں پھیل جاتیں۔

انھی حکمتوں میں سے ہے کہ تعددِ زوجات سے نسل بڑھتی ہے، کیونکہ کھیتی کے محل متعدد ہو جاتے ہیں اور اس میں بیج بونا امت میں اضافہ، اس کی قوت وسطوت اور مشکل فرائضِ زندگی میں تعاون کا حصول ہے، نیز اس زمین کی آبادکاری ہے جس کا انسان کو نائب بنایا گیا ہے، شریعت نے نکاح کی ترغیب اس مقصد کی خاطر دی ہے کہ جس سے پاکدامنی کی حفاظت، نسل کی بہتات، عزتوں کا تحفظ اور نوعِ انسانی کی بقاء کی حفاظت ہو سکے، یہ بھی مقصود ہے کہ عورتیں اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت حیض، نفاس، حمل وغیرہ کے زمانے سے گزرتی ہیں تو جب ایک آدمی کے نکاح میں متعدد بیویاں ہوں گی تو وہ اپنی شرمگاہ کو حرام سے بچا سکے

گا اور خواہش کی تکمیل جائز طریقہ سے کر سکے گا، اور یہ چیز اس کے ضبط نفس کے لیے مدد و معاون ثابت ہوگی اور پیدا ہونے والی خودسری ختم ہو جائے گی، شیطان اسے بہکا نہ سکے گا، اور خواہشات اس پر غلبہ نہ پا سکیں گی۔

اور اس کی حکمتوں میں سے ہے کہ کبھی کبھار بیوی بانجھ ہوتی ہے، میاں بیوی کے مابین موافقت ہو جاتی ہے اور خاوند شادی کے لیے راغب ہوتا ہے تاکہ نسل بڑھائے، جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اور جس سے زمین کی آبادی اور امت کی قوت و سطوت ہے تو شریعت نے اس کے لیے تعدد زوجات کی اجازت دی ہے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اولاد دیں، جس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور زندگی سعادت سے بھر جائے، اس میں اور بھی کئی ایک حکمتیں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تعدد زوجات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشروع ہے جو کہ بڑا حکمت والا، تعریف والا، انتہائی رحم اور شفقت کرنے والا ہے، جس نے پیدا کیا وہ خوب جانتا ہے اور وہ بڑا باریک بین ہے، جو وہ کرتا ہے اس کے متعلق پوچھا نہیں جا سکتا ہے اور بندوں سے پوچھا جاتا ہے، بندے کو چاہیے کہ اپنے رب کی قدر پہچانے اور اپنے آپ کو کوتاہی والے اس مرتبہ پر رکھے جو کہ واقعتاً اس کا ہے، جس چیز کا اسے علم نہیں اسے آسمان و زمین کے غیب جاننے والے کی طرف لوٹا دے، اور اپنے آپ کو بندہ صرف ان کاموں کے کرنے میں مصروف رکھے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان چیزوں سے اجتناب کرے جن سے اس نے منع کیا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 3166)

165۔ چار سے زیادہ نکاح کرنے کا حکم۔

آدمی کے لیے جائز ہے کہ ایک سے بڑھ کر چار تک شادیاں کر سکتا ہے، جبکہ بیویوں کے مابین عدل کرنے اور ظلم نہ کرنے پر اسے اپنے آپ پر وثوق ہو،

لیکن چار سے زیادہ بیویوں سے شادی حرام ہے، اس پر کتاب وسنت اور اجماع کی دلیل موجود ہے۔ قرآن مجید کی دلیل فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ [النساء: 3]

''اور اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہیں کرو گے تو (اور) عورتوں میں سے جو تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے، پھر اگر تم ڈرو کہ عدل نہیں کرو گے تو ایک بیوی سے یا جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہیں (یعنی لونڈیاں)۔''

اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ جو آدمی ایک سے زیادہ شادیاں کرنا چاہتا ہے چاہے تو دو دو سے یا تین تین سے یا چار چار عورتوں سے نکاح کر لے، بشرطیکہ ظلم کا خطرہ نہ ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے چار سے زیادہ کی اجازت نہیں دی۔ شرمگاہوں میں اصل تحریم ہے، سو یہ اسی قدر جائز ہو سکتی ہیں جتنی اللہ تعالیٰ نے حد بندی کی ہے اور جتنی اجازت دی ہے، چار سے زیادہ شادیوں کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی، لہٰذا وہ اصل تحریم پر ہی باقی ہیں۔

سنت کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام ابوداود رحمہ اللہ اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے قیس بن حارث رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، انھوں نے کہا: میں مسلمان ہوا اور میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور یہ بات ذکر کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اختر منهن أربعا)) [1] ''ان میں سے چار کا انتخاب کر لے۔''

[1] صحيح. سنن أبي داود [2241] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1952]

نیز وہ حدیث جسے امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ غیلان ثقفی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوا اور اس کے نکاح میں دورِ جاہلیت کی دس عورتیں تھیں، وہ بھی اس کے ساتھ ہی مسلمان ہوگئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ ان میں سے چار کا انتخاب کرے۔[1] (اللجنة الدائمة: 1294)

166۔ پانچویں شادی کی سزا۔

پانچویں شادی کرنے والا رجم کیا جائے گا یا نہیں؟ اور اس کی اولاد زنا کی ہوگی یا حلال کی؟

شرعی دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے لیے بھی چار سے زیادہ شادیاں جائز نہیں، اس پر علماء کا اجماع ہے۔

شیعہ کی ایک جماعت نے اس میں اختلاف کیا ہے لیکن شیعہ کا اہل سنت سے اختلاف کا کوئی معنی نہیں رکھتا، اب رہا اس کا حکم جس نے پانچواں نکاح کر لیا اور اس بچے کا حکم جو اس نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہوا، اس کے لیے شرعی قاضی کی طرف رجوع کیا جائے گا، وہ احوال وظروف اور ایسے آدمی کے بارے قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی شریعت کی روشنی میں فیصلہ کرے گا۔

(اللجنة الدائمة: 2757)

167۔ تعدد زوجات کے متعلق ایک مسئلہ

کیا آدمی پر لازم ہے کہ دوسری شادی کرنے سے پہلے پہلی بیوی کی رضا وخوشنودی حاصل کرے؟

---

[1] صحیح. سنن الترمذي، رقم الحديث [1128]

خاوند جب دوسری شادی کرنا چاہے تو پہلی بیوی کی رضا مندی ضروری نہیں، لیکن مکارم اخلاق اور حسن معاشرت کے پیش نظر اس کی دل جوئی بھی کرے تاکہ اس معاملے میں بیوی کے طبعی اور فطرتی الم میں تخفیف ہو سکے، اس کے لیے خاوند اسے خندہ روئی، اچھی اور خوبصورت گفتگو سے پیش آئے اور اگر اس کی رضا مندی کے لیے مال خرچ کرنا پڑے تو اپنی حیثیت کے مدنظر وہ بھی خرچ کرے۔ (اللجنة الدائمة : 2036)

168۔ نبی کریم ﷺ کا کثیر عورتوں سے شادی کرنا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت بہت مؤثر اور گہری ہوتی ہے اور اس کی حکمت ہے کہ اس نے پہلی شریعتوں میں اور اس شریعت میں بھی مردوں کے لیے ایک سے زیادہ شادیاں کرنا جائز رکھا ہے، تعددِ زوجات محض ہمارے نبی محمد ﷺ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں، سلیمان علیہ السلام کی ایک کم سو بیویاں تھیں اور وہ ایک ہی رات میں سب کے پاس گئے تھے، اس امید پر کہ ان میں سے ہر ایک سے بچہ پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں قتال کرے گا، شریعت میں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، اور نہ ہی عقل اور مقتضاءِ فطرت کے خلاف ہے، بلکہ یہ حکمت کے عین مطابق ہے، اس لیے کہ اعداد و شمار کے مطابق عورتیں مردوں سے تعداد میں زیادہ ہیں، کبھی ایک آدمی کے پاس زیادہ قوت ہوتی ہے جو اسے ایک سے زیادہ شادیاں کرنے پر ابھارتی ہے تاکہ وہ حرام کی بجائے حلال طریقے سے اپنی جنسی ضرورت کو پورا کر سکے، یا اپنے آپ کو شوریدہ سری سے روک سکے، جبکہ عورت کو امراض اور مختلف رکاوٹیں پیش آتی ہیں، مثلاً حیض اور نفاس، جو آدمی کی تکمیلِ شہوت کی راہ میں رکاوٹ

بن جاتے ہیں، سو وہ ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اس کی دوسری بیوی بھی ہو جس سے اپنی خواہش کو پورا کر لے، بجائے اس کے کہ وہ بے حیائی کا ارتکاب کرتا پھرے، جب تعدد زوجات شرعی، فطرتی اور عقلی اعتبار سے مباح اور جائز ہے تو سابقہ انبیاء میں بھی اس پر عمل پایا جاتا ہے، یقیناً ضرورت و حاجت اسے واجب کرتی ہیں، لہٰذا اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ ہمارے نبی محمد ﷺ سے بھی عملاً ثابت ہے۔

اہل علم نے نبی کریم ﷺ کی تعدد زوجات کی دیگر حکمتیں بھی بیان کی ہیں:

1. آپ ﷺ کے اور بعض قبائل کے درمیان تعلقات اور روابط میں وثوق و تقویت جس سے ممکن ہے کہ اسلام کو قوت ملے، اس کی نشر و تبلیغ کا سبب بنے، کیونکہ سسرالی رشتے میں زیادہ محبت اور اخوت پائی جاتی ہے۔
2. بعض بیواؤں کو سہارا دینا اور جو ان سے مفقود ہو گیا اس کا نعم البدل دینا، اس سے ان کے دل خوش اور مصائب میں کمی واقع ہوتی ہے، اور امت کے سامنے ایسا لائحہ عمل پیش ہوتا ہے جس سے جہاد وغیرہ میں کام آنے والوں کی بیویوں کے ساتھ احسان اور نیکی کے جذبات بیدار ہوتے ہیں۔
3. نسل کے زیادہ ہونے کی امید، فطرت پر چلنا، امت میں اضافہ اور امت کی تعمیر و ترقی اور نشر و اشاعت میں تقویت کا فروغ۔
4. رسول اللہ ﷺ سے حاصل کردہ تعلیم کی روشنی میں لوگوں کی رہنمائی کرنے والیوں کی کثرت، اور آپ ﷺ کی نجی زندگی کے متعلق آگاہ کرنے والی معلمات، آپ زیادہ شادیاں شہوت کے سبب نہیں تھیں، بلکہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی بھی کنواری اور چھوٹی عمر کی لڑکی سے شادی نہیں کی، باقی ساری بیویاں بیوہ تھیں، اگر

آپ ﷺ شہوانی اور جنسی خواہش کی تکمیل کے سبب زیادہ شادیاں کرتے تو پھر کنواری اور کم عمر لڑکیوں کا انتخاب کرتے، خاص طور پر ہجرت کے بعد جبکہ فتوحات کا دائرہ وسیع ہوگیا، اسلامی حکومت قائم ہوگئی، مسلمانوں کی شان وشوکت کا ڈنکا بجنے لگا، اور تعداد بھی زیادہ ہوگئی۔

اس پہ مستزاد یہ کہ ہر خاندان چاہتا تھا کہ آپ ﷺ ان سے سسرالی رشتہ استوار کریں اور ان میں شادی کریں لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، آپ ﷺ بلند مقاصد اور عزت و احترام کے لائق مواقع کی مناسبت سے شادی کرتے تھے، اسے ہر وہ شخص پہچان سکتا ہے جو آپ ﷺ کی تمام بیویوں کے احوال وظروف سے واقف ہے، نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر آپ ﷺ نے محض شہوت رانی کے لیے متعدد شادیاں کرنا ہوتیں تو اس کا پتہ آپ ﷺ کے عہد شباب وقوت کی سیرت سے چل جاتا، جبکہ آپ ﷺ کی ایک ہی معزز بیوی حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں اور وہ بھی عمر میں آپ ﷺ سے بڑیں، اس طرح آپ ﷺ کے بیویوں کے مابین ظلم اور عدم عدل و انصاف سے بھی پتہ چل جاتا، حالانکہ سب بیویاں عمر اور حسن و جمال میں ایک دوسری سے مختلف تھیں، لیکن اگر کسی چیز کا پتہ چلتا ہے تو وہ آپ ﷺ کی کمال پاکدامنی اور امانت ہے، آپ ﷺ کی عہد شباب اور بڑھاپے میں شرمگاہ کی حفاظت ہے، جو تمام معاملات میں آپ ﷺ کی حد درجہ پاکدامنی، بلند اخلاقی اور سلامت روی ہے، حتی کہ آپ ﷺ انھیں چیزوں سے جانے جاتے اور اپنے دشمنوں تک کے مابین مشہور ہوگئے۔

(اللجنة الدائمة: 1977)

169۔ قرآن مجید میں چار سے زیادہ شادیوں کی اجازت نہیں۔

سوال: قرآن مجید کسی مسلمان کو چار سے زیادہ شادیوں کی اجازت نہیں دیتا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے چار سے زیادہ شادیاں کیوں کیں؟

بے شک قرآن مجید نے مسلمان کو جو اپنے اوپر عدل و انصاف کا اعتماد رکھتا ہو چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے، اسی قرآن نے نبی کریم ﷺ کے لیے چار سے زیادہ بیویاں رکھنا مباح قرار دیا ہے، یہ دونوں حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشروع ہیں، ذاتی خواہش اور ہویٰ پرستی کا کوئی دخل نہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ﴾ [الأحزاب: 50]

”اے نبی! بے شک ہم نے تیرے لیے تیری بیویاں حلال کر دیں جن کا تو نے مہر دیا ہے، اور وہ عورتیں جن کا مالک تیرا دایاں ہاتھ بنا ہے، اس (غنیمت) میں سے جو اللہ تجھ پر لوٹا کر لایا ہے۔“

اور پھر فرمایا:

﴿تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ﴾ [الأحزاب: 51]

”ان میں سے جسے تو چاہے مؤخر کر دے اور جسے تو چاہے اپنے پاس جگہ دے دے۔“

نیز فرمایا:

﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَ

كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾ [الأحزاب: 52]

”تیرے لیے اس کے بعد عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ تو ان کے بدلے کوئی اور بیویاں کر لے، اگرچہ ان کا حسن تجھے اچھا لگے مگر جس کا مالک تیرا دایاں ہاتھ بنے اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری طرح نگران ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لیے شرعی تعلیم ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے، جو بعض پر ایمان لائے اور بعض سے کفر کرے تو اس نے یہودیوں کا سا کام کیا کہ بعض کتاب پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا۔ (اللجنة الدائمة: 9087)

170۔ اس آدمی کے بارے حکم جو تعددِ زوجات کو ناپسند کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اس پر اُکساتا ہے۔

مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو مشروع کیا ہے اسے ناپسند کرے اور لوگوں کو اس سے متنفر کرے، یہ دین اسلام سے مرتد ہونے کے مترادف ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾

[محمد: 9]

”یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی تو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔“

یہ معاملہ بہت خطرناک ہے جس کا سبب کافروں کے پھیلائے ہوئے

جالوں کی اثر آفرینی ہے جو اسلام سے متنفر کرتے ہیں اور شبہات پیدا کرتے ہیں، یہ شکوک وشبہات شرعی احکام سے ناواقف سادے مسلمانوں میں رواج پا جاتے ہیں، تعدد زوجات کا مسئلہ بھی بڑے عظیم شرعی احکام میں سے ہے، کیونکہ اس میں مردوں کے حوالے سے عورتوں کی مصلحت ہے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 176)

دوسری قسم

فاسد نکاح کی اقسام

1. نکاحِ متعہ۔
2. نکاحِ شغار۔
3. خفیہ نکاح۔
4. نکاحِ حلالہ۔
5. متفرق مسائل۔

نکاحِ متعہ

171۔ نکاحِ متعہ کی تعریف۔

نکاحِ متعہ یہ ہے کہ آدمی عورت سے شادی کرے اور مدت معین کرے۔ ایک ماہ یا دو ماہ مثلاً، ہر دن یا ہر مہینے کے اتنے پیسے دے گا، جب وہ مدت ختم ہوگی تو عورت اس سے جدا ہوجائے گی۔ (ابن جبرین: الفتاوی: 100/10)

172۔ اسلام میں نکاحِ متعہ کا حکم۔

نکاحِ متعہ حرام اور باطل ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن نكاح المتعة وعن لحوم الحمر الأهلية زمن خيبر» [1]

”بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے زمانے میں نکاحِ متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع کیا۔“

اور دوسری روایت میں ہے:

«نهى عن متعة النساء يوم خيبر» [2]

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [5115] صحيح مسلم [1407/30]

[2] متفق عليه. صحيح البخاري [4216] صحيح مسلم [1407/29]

''نبی ﷺ نے خیبر والے دن عورتوں کے متعہ سے منع فرمایا۔''

امام خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا: متعہ کی حرمت بالاجماع ثابت ہے، سوائے بعض شیعہ کے، اثباتِ متعہ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ یہ منسوخ ہوگیا تھا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے جعفر بن محمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ان سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا، فرمایا: یہ بعینہٖ زنا ہے۔ صحیح مسلم میں سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

« إني قد كنت أذنت لكم في الاستمتاع في النساء، وإن اللّٰه قد حرم ذلك إلىٰ يوم القيامة، فمن كان عنده منهن شيء فليخل سبيله، ولا تأخذوا مما آتيتموهن شيئا » [1]

''یقیناً میں نے تمھیں عورتوں سے متعہ کی اجازت دی تھی، اب اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت کے دن تک کے لیے حرام قرار دے دیا ہے، چنانچہ جس کے پاس ایسی کوئی عورت ہو اس کا راستہ چھوڑ دے اور جو کچھ تم انھیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔''

(اللجنة الدائمة: 3810)

173۔ نکاحِ متعہ کے حرام ہونے کی حکمت۔

اس میں حکمت (واللہ اعلم) یہ ہے کہ نکاح کا مقصد میاں بیوی کے رشتے کا دوام اور شوق و رغبت ہے، لیکن وقتی نکاح (نکاح متعہ) سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، یہ خاص وقت کے لیے ہوتا ہے اور پھر ختم، اس میں نہ تو معاشرت

---

[1] صحیح. صحیح مسلم [1406/21]

ہے اور نہ ہی شادی اور سلسلہ توالد وتسلسل کا بقاء، جبکہ اسلام کی منشا شادی، افزائش نسل اور ازدواجی زندگی کا دوام ہے، نکاح متعہ ان تمام چیزوں کے مخالف ہے، کیونکہ وہ معین ومحدود رغبت اور نکاح بے ثبات سے تعبیر ہے، اس سے ازدواجی مصلحتیں حاصل نہیں ہوسکتیں، اس لیے اسلام نے اسے باطل قرار دیا ہے۔
(الفوزان: المنتقیٰ: 160)

174۔ جس نے نکاحِ متعہ کیا، نتیجتاً بچہ پیدا ہوگیا، کیا یہ اس آدمی کا سمجھا جائے گا؟

اگر اس آدمی کو علم تھا کہ نکاح متعہ حرام اور باطل ہے اور اس کے باوجود اس نے نکاح متعہ کیا ہے تو پھر پیدا ہونے والا بچہ اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا، کیونکہ نکاح اس کے حق میں زنا ہے، اور اگر اس نے یہ کام جہالت اور لاعلمی کی بنیاد پر کیا ہے اور ایسے آدمی کی تقلید میں جس کے خیال میں یہ نکاح صحیح ہے تو پھر یہ شبہ سمجھا جائے گا اور بچہ اسی کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔
(الفوزان: المنتقیٰ: 160)

175۔ وقتی شادی اور نکاحِ متعہ میں فرق۔

وقتی شادی نکاحِ متعہ ہی کو کہتے ہیں، اہل سنت والجماعت کے اجماع کے ساتھ یہ نکاح باطل ہے، احادیث صحیحہ میں ثابت شدہ ممانعت کی وجہ سے یہ نکاح منسوخ ہے، ایسا نکاح باطل ہوتا ہے، اس کے ذریعے ہونے والی وطی زنا سمجھی جاتی ہے، جس پر احکامِ زنا مرتب ہوتے ہیں اگر وہ اس نکاح کے باطل ہونے کا علم رکھتا ہو۔ (اللجنة الدائمة: 15952)

176۔ طلاق کی نیت سے نکاح کرنا۔

اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض کا کہنا ہے کہ طلاق کی نیت سے کی جانے والی شادی نکاح متعہ کہلاتی ہے، کیونکہ نکاح کرنے والے نے مدتِ معینہ کے لیے نکاح کیا ہے، اور فرمان نبوی ہے:

((إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى)) [1]

''یقیناً اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور آدمی کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔''

اور اس لیے بھی کہ حلالہ کرنے والا جب ایسی عورت سے نکاح کرتا ہے جسے اس کے خاوند نے تین طلاقیں دے دی ہیں اس کی نیت یہ ہے کہ شادی کے بعد اس عورت کو طلاق دے دے گا، اگرچہ عقد نکاح میں اس کی شرط نہیں لگاتا، محض اس کی نیت ہی ہوتی ہے، وہ محلل ہوگا، لیکن پہلے خاوند کے لیے بیوی حلال نہیں ہوگی، سو یہاں صحتِ عقد میں نیت مؤثر ثابت ہوئی، اس طرح نیت طلاق بھی مؤثر ہوگی، جب وہ اپنے ملک لوٹ جائے گا۔

اور دوسرے اہل علم نے کہا: یہ نکاحِ متعہ نہیں ہے، کیونکہ نکاحِ متعہ میں شرط عائد کی جاتی ہے کہ وہ اتنی اتنی مدت میں اسے طلاق دے دے گا، یا یہ کہا جاتا ہے کہ نکاحِ متعہ کی مدت اتنی اتنی ہے، جبکہ محض طلاق کی نیت کرنے کا معاملہ اور ہے، اسی لیے جب نکاح متعہ میں مدت پوری ہوجائے گی تو بغیر فسخ کرنے کے خود بخود نکاح فسخ ہوجائے گا، یہ بات بھی محض طلاق کی نیت کے خلاف ہے، اس لیے کہ نیت طلاق سے نکاح کرنے والا بعد میں ارادہ بدل کر

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1]

شادی کو دوام بھی دے سکتا ہے، لیکن میرے نزدیک اس کی ایک اور بھی وجہ ممانعت ہے، اور وہ یہ کہ یہ بیوی اور اس کے گھر والوں کے ساتھ دھوکہ ہے، اس لیے کہ اگر انھیں پہلے سے معلوم ہوا کہ یہ آدمی رغبت و شوق اور دوام کی نیت سے نکاح نہیں کر رہا تو ممکن ہے وہ شادی کرنے پر تیار ہی نہ ہوں، یعنی اگر وہ سمجھ لیں کہ یہ آدمی صرف اس وقت تک نکاح قائم رکھے گا جب تک اس شہر میں ہے اور جب ارادہ سفر کرے گا تو اسے چھوڑ دے گا، وہ اس کے ساتھ شادی نہیں کریں گے، چنانچہ طلاق کی نیت سے کیا جانے والا اس وجہ سے حرام ہے نہ کہ نکاح متعہ ہونے کی وجہ سے، اس بناء پر نکاح حرام ہوگا، لیکن عقد صحیح ہوگا، کیونکہ یہ حرمت نفس عقد کی طرف نہیں لوٹتی۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4)

نکاحِ شغار

177۔ نکاحِ وٹہ سٹہ کی صورت۔

یہ ایسا نکاح ہے جس میں دونوں سرپرست دوسرے نکاح کی شرط لگاتے ہیں، ایک دوسرے سے کہتا ہے تو مجھے رشتہ دے میں تجھے رشتہ دوں گا، تو مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ دے میں تجھے اپنی بیٹی کا رشتہ دوں گا، یا تو مجھے اپنی بہن کا رشتہ دے میں تجھے اپنی بہن کا رشتہ دیتا ہوں یا تو میرے بیٹے کو رشتہ دے میں تیرے بیٹے کو رشتہ دیتا ہوں، یا تیرے بھائی کو وغیرہ وغیرہ، وٹہ سٹہ اسے ہی کہتے ہیں۔ اس کا نام ''شغار'' خالی ہونے سے ہے، کیونکہ اکثر انھیں مہر سے کوئی سروکار نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کام پر محض اتفاق رائے کو اہم سمجھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: ''بلاد شاغرۃ'' یعنی باسیوں سے خالی شہر، اور خالی جگہ کو ''مکان شاغر'' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جب کتا پیشاب کرنے کے لیے اپنی ٹانگ کو اٹھاتا اور اس کی جگہ خالی کر دیتا ہے تو کہتے ہیں: ''شغر الکلب برجله'' تو نکاحِ شغار کا معنی یہ ہوا کہ سرپرست دوسرے سے کہتا ہے تو اسے نہیں چھو سکتا ہے نہ ہی اس کی ٹانگ کو چھو سکتا ہے، حتی کہ میں تیری بہن یا بیٹی یا پھوپھی کو یا ان کی ٹانگ کو نہ چھو لوں۔ ہر حال میں یہ منکر اور فعل بد ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 279/20)

178۔ نکاح وٹہ سٹہ کا حکم۔

وٹہ سٹہ باطل ہے۔ جناب نافع رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں:

((أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن نكاح الشغار، والشغار أن يزوج الرجل ابنته على أن يزوج الآخر ابنته وليس بينهما صداق)) [1]

''یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وٹہ سٹہ سے منع فرمایا ہے، وٹہ سٹہ یہ ہے کہ ایک آدمی اس شرط پر اپنی بیٹی کا رشتہ دے کہ دوسرا اُسے اپنی بیٹی کا رشتہ دے اور ان کے درمیان حق مہر نہ ہو۔''

وٹہ سٹہ کی یہی حقیقت ہے، جس طرح کہ حدیث میں اس کی تفسیر کر دی گئی ہے، چاہے یہ وضاحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو یا نافع کی جانب سے، وہ راوی حدیث ہے اور اس کی تفسیر ظاہر کے خلاف نہیں ہے اور وہ حسب ذیل ہے:

''آدمی اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ دوسرا بھی اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کرے، اور ان کے مابین حق مہر نہ ہو، چاہے حق مہر سے سکوت اختیار کیا ہو یا اس کے نہ ہونے کی شرط عائد کی ہو، چاہے ان دونوں نے یہ وضاحت کی ہو کہ دونوں لڑکیاں ایک دوسری کا حق مہر معاف کر دیں گی یا یہ توضیح نہ کی ہو، یا انھوں نے حق مہر مع فرج کی شرط عائد کی ہو یا نہ کی ہو۔''

(محمد بن ابراہیم آل الشیخ: الفتاویٰ والرسائل: 114/10)

---

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [5112] صحيح مسلم [1415/57]

179۔ وٹہ سٹہ کے حرام ہونے کی حکمت۔

وٹہ سٹہ کے حرام ہونے کی حکمت یہ ہے کہ یہ عورت پر ظلم ہے اور باب گناہ کو کھولنا ہے، جو شخص یہ نکاح کرتا ہے وہ دین اور اخلاق کی خوبصورت روایات کو ترک کرتا ہے، کیونکہ وہ تو بس دوسری عورت سے نکاح سے اپنی رغبت اور خواہش کی تکمیل چاہتا ہے اور یہ بات مشاہدے میں بھی آ چکی ہے، لہٰذا اگر وٹہ سٹہ کو حلال کر دیا جاتا تو کوئی بھی شخص اپنی بیٹی کا نکاح اس وقت تک نہ کرتا جب تک کہ دوسرا بھی اپنی بیٹی کا نکاح اس سے نہ کرتا۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1)

180۔ اگر بھائی بھائی آپس میں ہی ایک دوسرے کے بیٹیوں اور بیٹوں کی شادی کریں؟

یہ وٹہ سٹہ نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی ایسی شرط ہے، کیونکہ اس نے اس سے نکاح کیا اور دوسرے نے اس سے، بچوں کے والدین اس پر متفق ہوئے بغیر کسی شرط کے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن حق مہر کا ہونا ضروری ہے، ہر ایک کے لیے حق مہر مثلی ہوگا، چاہے اسے مقرر نہ بھی کیا گیا ہو۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ [البقرة: 236]

”تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو، جب تک تم نے انھیں ہاتھ نہ لگایا ہو، یا ان کے لیے کوئی مہر مقرر نہ کیا ہو۔“

اس طرح نکاح صحیح ہوگا۔ پھر اس کے بعد فرمایا: ﴿وَ مَتِّعُوْهُنَّ

[البقرة: 236] ''اور انھیں سامان دو۔'' اور صحیح حدیث میں ہے:

((أن النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن المرأة التي لا يفرض لها؟ فقال: لها مهر نسائها لا وكس ولا شطط))[1]

''نبی ﷺ سے اس عورت کی بابت پوچھا گیا جس کا حق مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی مثل عورتوں جیسا ہی اس کا حق مہر ہے، نہ کم نہ زیادہ۔'' (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 284/20)

181۔ ادلے بدلے کی شادی۔

جب آدمی اپنی بیٹی کی شادی اس شرط پر کرے کہ دوسرا بھی اپنی بیٹی کی شادی اس سے کرے تو یہ نکاح وٹہ سٹہ ہے، نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور بعض لوگ اسی کا نام ''نکاحِ بدل'' رکھتے ہیں، اور یہ باطل ہے، چاہے اس میں حق مہر ہو یا نہ ہو، اور چاہے طرفین کی رضا مندی ہو یا نہ ہو، ہاں اگر اس طرح ہو کہ بغیر کسی شرط کے عائد کرنے کے ایک دوسرے کی بیٹی سے اور وہ اس کی بیٹی سے نکاح کرتا ہے تو پھر درست ہے، جبکہ دونوں لڑکیوں کی رضا مندی اور دیگر شروطِ نکاح پائی جاتی ہوں، یہ نکاح وٹہ سٹہ نہیں ہے۔ (اللجنة الدائمة: 2158)

182۔ وٹہ سٹہ اور نکاحِ بدل میں فرق۔

نکاحِ بدل: سر بدلے سر کے ہو، بندہ کہے: تو میرے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر حق مہر کے ساتھ، میں تیرے ساتھ، یا کہے: تیرے بیٹے کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرتا ہوں، یہ نکاحِ بدل ہے اور جائز نہیں ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

[1] صحيح. سنن أبي داود [2116] سنن الترمذي [1145] سنن النسائي [3354]

﴿ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ ﴾

[النساء: 24]

''اور تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں جو ان کے سوا ہیں کہ اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو۔''

اور دوسرا نکاح وٹہ سٹہ ہے کہ وہ دوسرے کو اس شرط پر اپنی بیٹی کا رشتہ دے گا جبکہ وہ بھی اپنی بیٹی کا رشتہ اسے دے گا، اور وہ یہ نہیں کہتا کہ یہ لڑکی اس لڑکی کا حق مہر ہے، لیکن وہ حق مہر دونوں کا مقرر نہیں کرتے، یہ بھی حرام ہے اور نکاح غیر صحیح ہے۔ (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 20/124)

183۔ وٹہ سٹہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد۔

یہ اپنے باپوں سے لاحق کیے جائیں گے کیونکہ یہ شبہ والا نکاح ہے، سبب یہ ہے کہ بعض اہل علم اسے سند جواز مہیا کرتے ہیں، جبکہ حق مہر مقرر ہو، اس طرح یہ شبہ والا ہو جاتا ہے، یا بعض لوگ جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، نہ کسی سے سوال کرتے ہیں، نہ پوچھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں، شبہ کی وجہ سے اولاد باپوں کی سمجھی جائے گی اس میں کوئی شک والی بات نہیں، لیکن جس نے وٹہ سٹہ کیا اسے متنبہ کیا جائے گا اور نکاح جدید کروایا جائے گا، وہ اپنی بیوی سے کہے: تیرا میرے ساتھ رہنا شبہ والی بات ہے، عقد جدید سے نکاح جدید کرے، طلاق کی ضرورت نہیں، عورت کے سرپرست کے ذریعے تجدید نکاح بلا شرط کرے، اس طرح دوسری عورت کا بھی تجدید نکاح کیا جائے، اس طرح ممنوع و محذور چیز کا ازالہ ہو جائے گا، اگر عورت مرد کو ناپسند کرتی ہے تو وہ اسے ایک طلاق دے دے، ہر ایک کو اللہ تعالیٰ اپنی کشائش کے سبب غنی کر دے گا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ﴾ [النساء: 130]

”اور اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے غنی کر دے گا۔“

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 283/20)

خفیہ نکاح

184۔ خفیہ نکاح اور اس کی شرط۔

سوال: خفیہ نکاح اور شرعی نکاح میں فرق، نیز وہ شرط جس کا خفیہ نکاح میں پورا کیا جانا ضروری ہے۔

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ شرعی نکاح کرے، اس کے علاوہ ہر قسم کے نکاح سے بچے، چاہے خفیہ نکاح ہو یا کوئی اور۔ شرعی نکاح کی شرط ہے کہ اعلان ہو، اگر میاں بیوی اسے چھپائیں گے تو درست نہیں ہوگا، اگر ایسا کریں گے تو زنا کے مشابہ ہو جائے گا۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 432/20)

نکاحِ حلالہ

185۔ نکاحِ حلالہ کی تعریف۔

نکاحِ حلالہ یہ ہے کہ ایک آدمی ایسی عورت سے نکاح کا ارادہ کرتا ہے جسے اس کے خاوند نے تین طلاقیں دے دی ہیں، وہ اس طرح کہ پہلی طلاق دی، پھر رجوع کر لیا، پھر طلاق دی اور رجوع کیا، پھر تیسری طلاق دی، یہ عورت اب اس خاوند کے لیے تب تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک دوسرا آدمی اس سے نکاح نہ کرے، نکاح بھی ایسا کہ شوق و رغبت کی بنیاد پر ہو، اور اس سے ہم بستر ہو، پھر اس سے جدا ہو جائے، موت یا طلاق کے سبب، اب یہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہوگی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ [البقرة: 230]

"پھر اگر وہ اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر وہ اسے طلاق دے دے تو (پہلے) دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں آپس میں رجوع کر لیں، اگر سمجھیں کہ اللہ کی حدیں قائم رکھیں گے۔"

اب کیا ہوتا ہے کہ ایک آدمی مطلقہ عورت سے نکاح اس نیت سے کرتا ہے کہ جب پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے گا تو طلاق دے دے گا، یعنی ہم بستر ہونے کے لیے طلاق دے دے گا، پھر اس سے پہلے خاوند اس کی عدت کے بعد نکاح کر لے، یہ طلاق باطل ہے، نبی کریم ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر لعنت کی ہے اور حلالہ کرنے والے کو کرائے کا سانڈھ کہا ہے۔[1]

کیونکہ وہ اس سانڈھ کی مانند ہے جسے بکریوں کا چرواہا کچھ وقت کے لیے لاتا ہے اور پھر اس کے مالک کو واپس کر دیتا ہے، یہ آدمی سانڈھ کی طرح ہے، اس سے اس عورت سے جفتی اور پھر علیحدگی کا کہا گیا، یہی نکاح حلالہ ہے۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 3)

186۔ نکاحِ حلالہ کی صورت۔

حلالہ دو صورتوں پر ہوتا ہے:

1. پہلی صورت: عقد نکاح میں شرط لگائی جاتی ہے کہ خاوند سے کہا جاتا ہے: ہم تیرے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی اس شرط پر کرتے ہیں کہ تو اس سے ہم بستری کرے گا اور پھر اسے طلاق دے دے گا۔
2. دوسری صورت: یہ نکاح بغیر کسی شرط کے ہو، بلکہ نیت کے ساتھ ہو اور نیت کبھی تو خاوند کی طرف سے ہوتی ہے اور کبھی بیوی اور اس کے سرپرستوں کی طرف سے، اگر خاوند کی طرف سے ہو تو بالیقین اسے ہی جدائی کا اختیار ہوتا ہے، لہٰذا اس کے لیے اس عقد کی صورت میں بیوی حلال نہیں

---

[1] حسن. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1926]

ہوگی، کیونکہ اس کی نیت نکاح کی نہیں ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ خاوند بیوی کے ساتھ محبت، الفت، پاکدامنی، حصول اولاد اور ہمیشگی سے رہے، اس کی نیت اس بنیادی مقصد کے خلاف ہے، لہٰذا اس کے حق میں نکاح درست نہیں ہے۔

خلاصہ: حلالہ والا نکاح حرام ہے اور یہ ایسا نکاح ہے کہ پہلے خاوند کو اس کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ غیر صحیح ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4)

187۔ حلالہ سے بچہ پیدا ہوجائے تو...؟

اگر حلالہ کرنے والے کا خیال ہو کہ یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں تو اولاد اس کی ہوگی، کیونکہ اگر وہ اسے عقد صحیح تصور کرتا ہے تو یہ عقدِ شبہ کے حکم میں سمجھا جائے گا۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 5)

188۔ ایک آدمی ایک عورت سے شادی کرتا ہے اس نیت سے کہ وہ پہلے خاوند کے لیے اسے حلال کرے۔

1. ہم کہتے ہیں: یہ شادی کرنے والا آدمی سانڈھ ہے۔
2. اگر پہلا آدمی اس معاملہ کو جانتا ہے اور اس آدمی سے موافقت کر رہا ہے تو یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر لعنت کی ہے، یہ رحمت الٰہی سے دور ہیں۔
3. یہ دوسرا نکاح باطل ہے، اور اس کا اس عورت سے وطی کرنا زنا ہے۔
4. یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ﴾ [البقرة: 230]

''یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے۔''

اور یہ دوسرا آدمی خاوند نہیں اور پہلا خاوند بن نہیں سکتا، کیونکہ یہ عقد ہی باطل ہے۔ (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 50/226)

متفرق مسائل

189۔ بیوی کا آدمی پر خرچ کرنا۔

سوال: ایک آدمی کوئی کام کاج نہیں کرتا، اس کی بیوی اس پر خرچ کرتی ہے، کیا یہ خاوند پر قرض تصور ہوگا؟

اگر کوئی واپسی وغیرہ کی شرط نہ ہو تو یہ عورت کی طرف سے ہبہ سمجھا جائے گا، عورت بعد ازاں اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی، کیونکہ اس نے اپنے اختیار اور خوشی سے خرچ کیا ہے، اور اگر واپسی کی شرط عائد کی جائے تو مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں، اور عورت نے جو کچھ بھی اس کے گھر اور اولاد پر خرچ کیا ہے اس کا مطالبہ کر سکتی ہے، جب وہ آسانی سے ادائیگی کر سکتا ہو۔

(ابن جبرین: الفتاویٰ: 30/1)

190۔ بیوی کا شرط عائد کرنا کہ اس کا خاوند اسے شہر سے یا اس کے گھر سے باہر لے کر نہیں جائے گا۔

بیوی یا اس کے سرپرست کا خاوند پر شرط عائد کرنا کہ وہ اسے اس کے گھر یا شہر سے باہر لے کر نہیں جائے، صحیح شرط ہے، اس پر عمل کیا جائے گا۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں:

«إن أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج»[1]
"یقیناً وہ شرطیں زیادہ لائق وفا ہیں جن کی بنیاد پر تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔"

امام اثرم رحمہ اللہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی اور شرط لگائی کے اسے اس کے گھر میں ہی رکھے گا، بعد ازاں اس نے گھر سے لے جانے کا ارادہ کر لیا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جھگڑا لے آئے، آپ نے کہا: اسے اپنی شرط کا پورا حق ہے۔ لیکن اگر بیوی خاوند کے ساتھ نقل مکانی پر رضا مند ہے تو اسے اختیار ہے، اور اگر شرط ساقط کرتی ہے تو ساقط ہو جائے گی۔ (فتاویٰ محمد بن ابراہیم آل الشیخ: الفتاویٰ والرسائل: 108/10)

191۔ ایک بری عادت۔

پردہ بکارت کی حفاظت کی خاطر عورت کا کسی گڑھے میں پیشاب کرنا اور کچھ کلمات پڑھنا جاہلیت کے کاموں میں سے ہے اور ان خرافات سے ہے جن سے انسانی شیاطین جاہل عوام کو گمراہ کرتے ہیں، ایسا کام ناجائز ہے۔
(اللجنة الدائمة: 15434)

192۔ جب تک بڑی لڑکی کی شادی نہ ہو جائے چھوٹی کے لیے بھی رکاوٹ پیدا کرنا۔

باپ کے لیے جائز نہیں کہ چھوٹی بیٹی کا رشتہ آ جائے تو یہ کہتے ہوئے رد کر دے کے پہلے بڑی کی شادی کرنی ہے، یہ عوام کی وہ عادت ہے جس کا

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [2721] صحيح مسلم [1418/63]

شریعت سے کوئی تعلق نہیں، عوام سمجھتے ہیں اس طرح بڑی بہن کو تکلیف ہوگی، اگر بات صحیح بھی ہو تو اس سے چھوٹی کو نقصان ہو رہا ہے، اور تکلیف کو تکلیف سے ختم نہیں کیا جاتا۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 132)

193۔ یہ مشہور ہے کہ قریبی رشتہ داروں میں شادی کرنے سے بچے بدصورت پیدا ہوتے ہیں۔

یہ شوشہ صحیح نہیں ہے، عورت کی شادی چچا زاد یا کسی اور قریبی رشتہ دار سے کرنا بچوں کے بدصورت، بے عقل اور دیگر امراض کا باعث نہیں ہے، یہ عقیدہ باطل ہے، ہاں بعض اہل علم کا خیال ہے کہ رشتہ داروں میں کسی عورت سے شادی نہ کی جائے، ان کے نظریے کے مطابق اس طرح بچہ زیادہ شریف و نجیب پیدا ہوتا ہے، یہ بات تو کہی گئی ہے اور کچھ اہل علم اس کے قائل بھی ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بچہ بدصورت ہوتا ہے، یہ بات کسی نے کہی ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے، نبی ﷺ نے خود اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے چچا زاد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کیا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی رشتہ دار خواتین سے نکاح کیے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 149)

194۔ باپ کی بیوی کی اس بیٹی سے نکاح کا حکم جو دوسرے خاوند سے ہے۔

انسان کے لیے جائز ہے کہ باپ کی بیوی کی بیٹی سے نکاح کرے، جبکہ یہ بیٹی دوسری خاوند سے ہو، کیونکہ اس کے اور اس کے درمیان کوئی خونی رشتہ نہیں ہے، الا یہ کہ رضاعت ثابت ہو جائے، بایں طور کہ اس نے اس کی ماں کا

دودھ پیا ہو، یا اس لڑکی نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہو، پھر بوجہ رضاعت حرام ہو جائے گی، اگر رضاعت ثابت نہ ہو تو پھر ان کے مابین ایسا کوئی تعلق نہیں، لہٰذا اس سے شادی کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم (الفوزان: المنتقیٰ: 153)

195۔ بیوی کی وفات کے بعد اس کی بیٹی سے شادی کرنے کا حکم۔

زیر پرورش لڑکی بھی من جملہ ان عورتوں میں سے ہے جن سے نکاح حرام ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ ''ربیبہ'' (زیر پرورش لڑکی) بیوی کی بیٹی یا اس کی اولاد کی بیٹی کو کہتے ہیں اور اس سے پیدا ہونے والی ساری بیٹیاں، نسل در نسل ان کا یہی حکم ہے وہ ماں کے خاوند کی ''ربیبہ'' ہی کہلائے گی، اس سے نکاح جائز نہیں ہے، اگر ایسا نکاح ہو جائے تو عقد باطل ہوگا، جمہور اہل علم کا یہی موقف ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ الَّتِي فِي حُجُورِكُم ﴾ [النساء: 23]

''جو تمھاری گود میں ہیں۔''

یہ ایسی صفت ہے جس کا کوئی مفہوم نہیں، یہ محض بیان واقع ہے، اصل بات یہ ہے کہ جس بیوی سے دخول کیا ہے اس کی بیٹی یا اس کے بیٹے کی بیٹی ماں کے خاوند کے لیے حرام ہے، اگرچہ ہمیشہ اس کے زیرِ پرورش نہ بھی رہے اور چاہے اس کے گھر میں مقیم بھی نہ ہو، اور چاہے وہ اس کے طلاق دینے کے بعد دوسرے خاوند سے پیدا ہوئی ہو، وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس نے اس کی ماں سے دخول کیا ہوا ہے، یہ جمہور علماء کا قول ہے اور آیت میں مذکور وصف کے مفہوم کے مطابق کسی کا فتویٰ نہیں سوائے قلیل لوگوں کے، اور ان کا قول شاذ ہے، اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا، واللہ اعلم۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 157)

196۔ مسلمان عورت کی عیسائی مرد سے شادی کا حکم۔

مسلمان عورت کی شادی عیسائی یا کسی اور کافر سے جائز نہیں ہے، اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ﴾ [الممتحنة: 10]

''پھر اگر تم جان لو کہ وہ مومن ہیں تو انھیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، نہ یہ عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان کے لیے حلال ہوں گے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ﴾ [البقرة: 221]

''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور یقیناً ایک مومن لونڈی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ تمھیں اچھی لگے۔''

اگر اس نے عقد کر لیا اور اس بارے اپنی ماں پر غالب آ گئی تو عقد باطل اور غیر صحیح ہوگا، بلکہ باپ پر واجب ہے کہ اپنی بیٹی کو کنٹرول کرے اور کافر سے اس کی شادی میں رکاوٹ بنے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 172)

197۔ اعلان کرنے کے بغیر شادی کا حکم۔

جب شروطِ نکاح پائی جائیں یعنی سرپرست کی موجودگی، دو عادل گواہوں

کا ہونا، میاں بیوی کی رضا مندی تو نکاح صحیح ہوگا، اس کے ساتھ ساتھ شرعی ممنوعات بھی نہیں ہونی چاہئیں، چاہے بہت زیادہ اعلان نہ بھی ہو، اس لیے کہ گواہوں اور سرپرست کی موجودگی اعلانِ نکاح سمجھی جاتی ہے اور یہ اعلان کی کم ترین حد ہے، جب مذکورہ شرائط پائی جائیں گی تو نکاح ان شاء اللہ صحیح ہوگا، اگر اعلان زیادہ ہو تو افضل ہے۔ (الفوزان: المنتقی: 138)

198۔ رخصتی سے قبل خاوند کا بیوی سے خلوت اختیار کرنا۔

جب ایک آدمی کا بیوی سے عقد ہو جائے، ارکان و شروط پوری ہوں اور کوئی مانع نہ ہو، خاوند کے لیے اپنی بیوی کے پاس جانا اور خلوت اختیار کرنا درست ہے، اگرچہ یہ اس اعلانِ نکاح سے قبل ہو جو علاقے میں معروف اور مروج طریقے سے کیا جاتا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 4114)

199۔ قرآن کی آیتوں کی تفسیر۔

دو آیتوں کی تفسیر ﴿وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ...﴾ [النساء: 22] اور ﴿وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ...﴾ [النساء: 23] کیا ہے؟

پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے، باپ کے حکم میں صلبی باپ یا دادا اور اوپر والی جہت ساری شامل ہے، چاہے یہ دادا باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے لہٰذا آدمی کے لیے جائز نہیں کہ اس عورت سے نکاح کرے جس سے اس کے باپ نے یا دادا نے نکاح کیا، اس کا دادا باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ دورِ

جاہلیت میں ایسا جو کچھ ہو چکا وہ معاف ہے۔

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ [النساء: 23] کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نسبی یا رضاعی دو بہنوں کو اکٹھے نکاح میں رکھنا حرام قرار دیا ہے: ﴿اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ کا مطلب ہے کہ دور جاہلیت میں جو ہو چکا وہ معاف ہے۔

اگر ان کے باپ نے بوقت عقد کہا کہ میں نے اپنی دونوں بیٹیوں سے تیری شادی کی تو دونوں کا عقد ہی باطل ہو جائے گا اور اگر ایک سے پہلے کیا اور دوسری سے بعد میں تو پہلی کا نکاح درست ہوگا، اگر اس نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح ایک آدمی سے دن کے شروع حصے میں کیا اور اس کی بہن کا اسی آدمی سے دن کے دوسرے حصے میں تو دوسری کا نکاح باطل ہوگا، اس طرح عورت اور اس کی پھوپھی کے درمیان اور عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے تو ان تینوں کو بھی جمع نہیں کیا جا سکتا، دو بہنیں، پھوپھی اور اس کی بھتیجی اور خالہ اور اس کی بھانجی، ان کے علاوہ باقی رشتہ داروں میں جمع کرنا جائز ہے، چنانچہ چچاؤں کی دو بیٹیوں اور خالاؤں کی دو بیٹیوں کو جمع کرنا جائز ہے، لیکن قریبی رشتہ داروں میں جمع نہ کیا جائے، کیونکہ بسا اوقات ان دونوں کے درمیان قطع تعلقی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، عورتوں میں فطرتاً سوکنہ پن ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے پر غیرت کھاتی ہیں، جس سے ان کے مابین دشمنی اور عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 48/2)

200۔ بیوی کو طلاق دینے کے بعد اس کی بہن سے شادی کا حکم۔

تیرا اپنی مطلقہ بیوی کی بہن سے شادی کرنا اس وقت تک حرام ہے جب

تک اس کی عدت نہیں گزر جاتی، خواہ طلاق بائن ہو خلع یا تین طلاقوں کی صورت یا طلاقِ رجعی ہو، جب اس کی عدت ختم ہو جائے گی، چاہے حیض کے ساتھ اگر وہ حیض والیوں میں سے ہے، یا وضع حمل کے ساتھ اگر وہ طلاق کے وقت حاملہ تھی، یا تین ماہ گزرنے کے ساتھ اگر وہ حیض سے مایوس ہو چکی تھی یا چھوٹی تھی، جسے حیض نہیں آتا، پھر تیرے لیے اس کی بہن سے شادی کرنا جائز ہے، کیونکہ حرام تیرا بیوی اور اس کی بہن کو اکٹھا کرنا ہے، جب بیوی عدت گزار چکی ہے تو اب کوئی مانع نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے محرمات نکاح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ [النساء: 23]

''اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو، مگر جو گزر چکا، بے شک اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' (اللجنة الدائمة: 19781)

201۔ عورت اور اس کی خالہ کی ماں کو جمع کرنا۔

جب خالہ کی ماں بیوی کی نانی ہو تو ان کو جمع کرنا جائز نہیں، اگر ایسا نہ ہو تو پھر جمع کرنا درست ہے، بایں طور کہ خالہ بیوی کی ماں کی باپ کی جہت سے بہن ہو۔ (اللجنة الدائمة: 1736)

202۔ میاں بیوی کے تعلقات خراب کرنے کی کوشش کرنا۔

اس آدمی کا حکم جو میاں بیوی کے تعلقات خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ بیوی کے رشتہ داروں میں سے ہے۔

بیوی کو خاوند کے متعلق بدظن اور خراب کرنا جائز نہیں یہ چاہے خراب

کرنے والا قریبی رشتہ داروں سے ہو یا کوئی غیر ہو، امام نسائی، ابو داؤد، اور ابن حبان رحمہم اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لیس منا من خبب امرأة علی زوجها أو عبدا علیٰ سیده)) [1]

"وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے بیوی کو خاوند کے بارے یا غلام کو اس کے آقا کے متعلق خراب کیا۔" (اللجنة الدائمة: 10426)

203۔ بیٹی کا خاوند (داماد) محرموں میں سے ہے۔

بیٹی کا خاوند بھی اس کی ماں کے محرموں میں سے ہے۔ بیانِ محرمات میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ ﴾ [النساء: 23]

"اور تمھاری عورتوں کی مائیں۔"

اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ عورت کی ماں اور اس کی دادیاں اور نانیاں اس کے خاوند کے لیے حرام ہیں، مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنے داماد کے سامنے بے حجاب ہو یا اس کے ساتھ کھائے پیئے اور اگر ایسا کرتی ہے تو بہت اچھا اور احسن ہے تا کہ ان دونوں کے مابین الفت و محبت جاگزیں ہو، ساس اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جائز رکھا ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 26/16)

204۔ حرام مال سے شادی کرنا۔

جب توبہ تائب ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیں گے، جبکہ مال محل نظر

---

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحدیث [2175]

ہے، بعض اہل علم کا خیال ہے یہ مال اس کے لیے جائز ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ [البقرة: 275]

''پھر جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے کوئی نصیحت آئے پس وہ باز آ جائے، تو جو پہلے ہو چکا وہ اسی کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو دوبارہ ایسا کرے تو وہی آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

اگر اس نے اس مال میں سے بقدر ضرورت لے لیا اور باقی صدقہ کر دیا تو ان شاء اللہ اسے کفایت کرے گا، اور اگر وہ سارے کے سارے مال سے پاک ہو گیا اور نیکی کے راستوں میں خرچ کر دیا اور نئے طریقے سے پاک مال کمایا تو یہ زیادہ اچھا اور احتیاط والا ہے، لیکن اگر آدمی مفلس ہو تو اس مال سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَهٗ مَا سَلَفَ ﴾ [البقرة: 275]

''جو پہلے ہو چکا وہ اسی کا ہے۔''

یہ ان کفار کو بھی شامل ہے جو مسلمان ہوئے اور پہلے سود کا لین دین لیا کرتے تھے جو کہ حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ سود کا مال واپس کر دو، توبہ اور اسلام کے بعد مال ان کے پاس ہی تھا، تو یہ مسلمان بعض اہل علم کے نزدیک کافر کی طرح ہے، کافر سے گھٹیا نہیں ہے، بلکہ جب توبہ تائب ہو گیا تو کافر سے زیادہ لائق توجہ ہے، کیونکہ اس کو مال سے محروم رکھنا اس

کی توبہ میں رکاوٹ اور نفرت کا باعث بن سکتا ہے، اگر آسانی سے ایسے مال حرام سے گلو خلاصی کر لے اور اسے صدقہ کر دے تو اس میں زیادہ احتیاط ہے اور اہل علم کے اختلاف سے بھی نکل جائے گا۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 43/21)

205۔ نسل بندی یا منصوبہ بندی۔

تنگی رزق کے خوف سے نسل بندی جائز نہیں، کیونکہ یقیناً رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اسی نے زندگی اور رزق مقرر کیا ہے، جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کا رزق لکھ دیا جاتا ہے جیسا کہ اس کی عمر لکھ دی جاتی ہے: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ﴾ [الأنعام: 151]

''اور اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم ہی تمھیں رزق دیتے ہیں اور انھیں بھی۔''

نیز اس میں اہل جاہلیت سے مشابہت ہے، جو اپنی اولاد کو فقر کے ڈر سے قتل کر دیا کرتے تھے، فرق یہ ہے کہ نسل بندی میں فقر کے ڈر سے حصولِ اولاد میں ہی رکاوٹ پیدا کر دی جاتی ہے اور اہل جاہلیت پیدا ہو جانے والے بچوں کو اسی ڈر سے قتل کر دیا کرتے تھے۔ (الفوزان: المنتقی: 193)

206۔ نسل بندی اور نسل کی منصوبہ بندی میں فرق۔

تحدید نسل سے مراد خاص تعداد تک جا کر رک جانا ہے یعنی دو یا تین بچوں تک مالی طور پر خاندان کو اعتدال پر رکھنے کے لیے اور مزید نسل کو بڑھانے کو

ناپسند کرتے ہوئے، منصوبہ بندی سے مراد یہ ہے کہ ایک وقت تک حمل کو مؤخر کر دینا، جس میں عورت کی تروتازگی لوٹ آئے اور وہ بھرپور ہو جائے، عورت مانع حمل ذرائع ترک کر دے اور بچے پیدا کرے چاہے تعداد کتنی بھی ہو جائے۔

فضیلۃ الشیخ علامہ مودودی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر عمدہ کتاب لکھی ہے "حرکۃ تحدید النسل" اگر ہو تو اس کا مطالعہ کرو۔

(اللجنة الدائمة: 5040)

207۔ پہلے پہلے دنوں میں حمل ساقط کروا دینا۔

اسقاط حمل سے مقصود اگر حمل کی ناپسندیدگی اور عدم ارادہ ہے تو جائز ہے اور اگر ضرورت کے لیے ہے بایں طور کہ بقاءِ حمل سے حاملہ کی زندگی خطرے میں ہے اور حمل بھی ابھی نطفہ یا جما ہوا خون ہے تو اسقاط میں کوئی حرج نہیں، جبکہ قابل اعتماد طبی تحقیق ثابت کرے۔ (الفوزان: المنتقی: 197)

208۔ بدصورت جنین کو ساقط کرانا۔

جنین کو ضائع کروانا جائز نہیں، خصوصا روح پھونکے جانے کے بعد اگرچہ بدصورت ہی ہو، بلکہ اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے، کیونکہ اسے ضائع کروانے میں ایک معصوم جان کا قتل ہے، کیا معلوم اس کی بدصورتی ختم ہو جائے، یا اس کی زندگی میں مخل نہ ہو، ڈاکٹر معصوم نہیں ہے، اس کی ریسرچ غلط ہو سکتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بدصورتی کو دلیل بناتے ہوئے جنین کا اسقاط اور اس پر ظلم جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (الفوزان: المنتقی: 199)

209۔ ایسی عورت جس کا خاوند اس پر غیرت کھاتا ہے، جو شک کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ مسلمان عورت میں عدالت اور پاکیزگی ہے، مسلمان عورت کے خاوند کے لیے جائز نہیں کہ محض شیطانی نفسانی حربوں یا کسی چغل خور فسادی کی بات سے اپنی بیوی پر شک کرے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾

[الحجرات: 6]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کرلو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو لاعلمی کی وجہ سے نقصان پہنچا دو، پھر جو تم نے کیا اس پر پشیمان ہو جاؤ۔''

اور ایسی مسلمان عوت پر بھی لازم ہے جس کے خاوند کو ایسا نفسیاتی مرض ہے کہ صبر سے کام لے جب تک وہ اپنی سچائی اور پاکدامنی کو جانتی ہے، اس کے خاوند کے نفسیاتی خیالات اسے نقصان نہیں دیں گے، کیونکہ بسا اوقات یہ تصورات نفسیاتی مرض کی وجہ سے جنم لیتے ہیں اور اللہ کے حکم سے ختم بھی ہو جاتے ہیں۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 210)

210۔ آیت: ﴿وَ إِنْ خِفْتُمْ ...﴾ کی تفسیر اور یتیم لڑکیوں کا عورتوں سے تعلق اور آیت میں دونوں کے ذکر کی مناسبت۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب لوگ یتیم لڑکیوں سے انصاف نہیں کرتے تھے، بلکہ آدمی یتیم لڑکی کو روک لیتا تھا، یا تو اپنے بیٹے کے لیے اگر خود اس

کے لیے حلال نہ ہوتی، یا اپنے لیے اگر اس کے لیے حلال ہوتی، اس کا نکاح آنے والے مناسب رشتوں کے باوجود بھی نہیں کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى﴾ یعنی اگر یتیم لڑکیوں سے انصاف نہ کرنے کا خطرہ ہے تو تمہارے لیے ان کے علاوہ بھی اور بہت ساری عورتیں ہیں۔ ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ﴾ اس سے آیت کے آخر کا شروع سے ربط معلوم ہوگیا۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 48/1)

211۔ دو آدمیوں میں سے ایک نماز نہیں پڑھتا، عورت کس سے نکاح کرے؟

جب عورت کو معلوم ہو کہ دونوں میں سے ایک نماز نہیں پڑھتا تو دوسرے کو چھوڑ کر اس سے عقدِ نکاح نہ کرے، کیونکہ ترکِ صلوۃ کفر ہے۔ فرمانِ نبوی ہے:

« بين الرجل و بين الشرك و الكفر ترك الصلوة »[1]

”آدمی کے درمیان اور شرک و کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔“

نیز فرمایا:

« العهد الذي بيننا و بينهم الصلوة، فمن تركها فقد كفر »[2]

”ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا معاہدہ ہے، جس نے اسے چھوڑا اس نے کفر کیا۔“

اسے امام احمد رحمہ اللہ اور اہل سنن نے صحیح سند سے بیان کیا ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے احوال درست فرمائے اور ان کے بھولے بھٹکوں کو راہ دکھلائے۔ بے شک وہ سب کچھ سننے والا اور انتہائی قریب ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 243/1)

---

1. صحيح مسلم، رقم الحديث [82]
2. **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث [2621]

تیسری قسم:

طلاق کے احکام

1. احکامِ طلاق۔
2. احکامِ خلع۔
3. احکامِ ظہار۔
4. احکامِ ایلاء ولعان۔
5. منہ بولا بیٹا۔
6. احکامِ عدت اور سوگ۔
7. احکامِ نان ونفقہ۔
8. احکامِ رضاعت۔
9. احکامِ پرورش۔
10. فرائض۔
11. نیکی اور صلہ رحمی۔

احکامِ طلاق

212۔ بیوی کو سرزنش کرنے کا مسئلہ۔

جب بیوی خاوند کی نافرمان ہو اور نصیحت قبول نہ کرے تو خاوند مشروع طریقہ سے اس کی سرزنش کرسکتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ﴾ [النساء: 34]

''اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی سے تم ڈرتے ہو، سو انھیں نصیحت کرو اور بستروں میں ان سے الگ ہو جاؤ اور انھیں مارو۔''

لیکن مار زیادہ سخت نہ ہو۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 233)

213۔ میاں بیوی کے مابین ناچاکی۔

''نشوز'' (ناچاکی) کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کسی ایک کا دوسرے کے حقوق کی ادائیگی سے رُک جانا، یہ میاں بیوی دونوں کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ﴾

[النساء: 128]

"اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے کسی قسم کی زیادتی یا بے رخی سے ڈرے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں کسی طرح کی صلح کر لیں اور صلح بہتر ہے۔"

یہ اس طرح کہ عورت اپنے کچھ حقوق سے نیچے آجائے تا کہ خاوند اسے طلاق نہ دے، جس طرح کے سودہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سے مراد ایسی عورت ہے جو ایک آدمی کے پاس ہو اور وہ اس کی زیادہ چاہت نہ رکھتا ہو، وہ اسے طلاق دے کر کسی اور سے نکاح کرنا چاہتا ہو، عورت اس سے کہے مجھے اپنے پاس رکھو یا طلاق نہ دو، پھر کسی اور سے شادی بھی کر لو، تمھیں میرے نان ونفقہ اور تقسیم کے بارے میں پورا اختیار ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا ﴾

[النساء: 128]

"اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے کسی قسم کی زیادتی یا بے رخی سے ڈرے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرماتی ہیں: وہ ایسا آدمی ہے جو اپنی بیوی میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتا ہے، جس طرح کہ بڑھاپا وغیرہ اور اسے جدا کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے، تو وہ کہتی ہے، مجھے روک لو اور جو چاہے میرے لیے تقسیم کرو، کہتی ہیں اگر وہ دونوں رضامند ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(اللجنة الدائمة: 15920)

214۔ بیوی کو خاوند کے خلاف کرنے کا حکم۔

بیوی کو خاوند کے خلاف خراب کرنا حرام ہے، اس کی ممانعت میں کئی دلائل ہیں، اس کا ارتکاب کرنے والا اپنے برے فعل کی وجہ سے فاسق اور گنہگار ہے۔

(اللجنة الدائمة: 9842)

215۔ مشروعیتِ طلاق کی حکمت۔

طلاق کے مشروع ہونے کی کوئی ایک نہیں بلکہ متعدد حکمتیں ہیں:

1. عورت اپنے خاوند کو ناپسند کرتی ہے، خاوند جب دیکھے کہ عورت کو اس کے پاس رہنے میں غم، پریشانی اور تنگی کا سامنا ہے تو اسے چاہیے کہ طلبِ راحت کی خاطر اسے طلاق دیدے، حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اس بیوی کو قید سے آزاد کر دے جو اس کے پاس رہنا ناپسند کرتی ہے۔
2. کبھی ایسے ہوتا ہے کہ خاوند بیوی کو ناپسند کرتا ہے، وہ اس کے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکتا تو اس کے لیے طلاق مشروع ہے تا کہ اس تکلیف سے نجات پا سکے۔
3. عورت میں کوئی ایسی خصلت پائی جاتی ہے جو اس کے لیے قابل برداشت نہیں ہوتی، جس طرح کہ انتہائی زیادہ بد اخلاقی، تو وہ اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ اس میں اور بھی کئی حکمتیں ہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 5)

216۔ کتاب و سنت کی روشنی میں طلاق کا شرعی طریقہ۔

طلاق کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ آدمی بیوی کو ایک طلاق دے جبکہ وہ حاملہ ہو یا ایسے طہر میں ہو جس میں ہم بستری نہیں کی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾
[الطلاق: 1]

''اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انھیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو۔''

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بہت غصے ہوئے اور فرمایا:

« مره فليراجعها، ثم ليمسكها حتى تطهر، ثم تحيض، ثم تطهر، ثم يطلقها إن شاء قبل أن يمسها، فتلك العدة التي أمر الله أن تطلق لها النساء » [1]

''اسے حکم دو کہ اس سے رجوع کرے، پھر اسے روکے رکھے حتی کہ وہ پاک ہوجائے، پھر حیض والی ہو، پھر پاک ہو، پھر اگر چاہے تو طلاق دے بغیر اسے چھونے کے، یہ وہ عدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔''

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« ثم ليطلقها طاهرا أو حاملاً » [2]

''پھر وہ اسے طلاق دے جبکہ وہ طہر میں ہو یا حاملہ ہو۔''

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 273/21)

217۔ طلاق سنّی اور طلاقِ بدعی کے احکام کے متعلق حکم شرعی۔

طلاق سنّی یہ ہے کہ ایک ہی طلاق دے جبکہ بیوی حاملہ ہو یا ایسے طہر میں ہو جس میں اس کے ساتھ مباشرت نہیں کی، اور طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک ہی لفظ سے اکٹھی تین طلاقیں دے، یا متعدد الفاظ سے دے، یا اسے ایک یا زیادہ

---

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [5251] صحيح مسلم [1471/1]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [1471/5]

مرتبہ طلاق دے جبکہ وہ حیض یا نفاس کی حالت میں ہو یا ایسے طہر میں ہو جس میں اس نے ہم بستری کی ہے۔ (اللجنة الدائمة: 594)

218۔ طلاقِ بدعی۔

طلاقِ بدعی کی کئی اقسام ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو حیض یا نفاس یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں مباشرت کی ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی اور ایک قسم یہ ہے کہ تین طلاقیں دے دے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ ایک طلاق شمار کی جائے گی، اگر ایک لفظ سے تین اکٹھی طلاقیں دی ہیں تو اہل علم کے صحیح قول کے مطابق ایک طلاق شمار ہوگی۔ (اللجنة الدائمة: 6542)

219۔ طلاق کا اختیار مردوں کو ہے نہ کہ عورتوں کو۔

شریعت اسلامیہ میں یہ نہیں کہ عورت مرد کو طلاق دے بلکہ مرد ہی عورت کو طلاق دینے کا اہل ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ﴾ [الأحزاب: 49]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں طلاق دے دو۔''

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ [البقرة: 229]

''یہ طلاق (رجعی) دو بار ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے رکھ لینا ہے، یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔''

یہاں تک کہ فرمایا: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا﴾ طلاق مردوں کے ہاتھ میں ہے نہ کہ عورتوں کے ہاتھ میں، لیکن یہ بات درست ہے کہ عورتوں کو فسخِ نکاح کا اختیار ہے، جب اس کا سبب پایا جائے، مثلاً اس نے کوئی شرط لگائی تھی لیکن اس کی شرط کو ضائع کیا گیا، اور شرط بھی جائز تھی، اب عورت کو حق حاصل ہے کہ فسخ کا مطالبہ کرے، اس طرح اگر مرد میں کوئی ایسا عیب ہے جو ازدواجی معاشرت کے لیے مانع ہے، اگر وہ اس عیب کو پسند نہیں کرتی تو مطالبہ فسخ کر سکتی ہے لیکن بغیر شرعی سبب کے فسخ نہیں کر سکتی، سو طلاق عورتوں کی جانب سے بہر حال ممنوع ہے، البتہ عورت کو فسخِ نکاح کا اختیار ہے جبکہ اس کے شرعی اسباب پائے جائیں۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1)

220۔ آدمی کے ہاتھ میں طلاق کے اختیار کی حکمت۔

سوال: اسلام نے صرف خاوند کو ہی طلاق کا اختیار کیوں دیا ہے؟ جب خاوند اچھے طریقے سے نہیں رہ سکتا پھر اس کا حکم کیا ہے؟ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان برابری کی ہے؟

اولاً: اسلام نے صرف خاوند کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار رکھا ہے، اس کی کئی حکمتیں ہیں:

1. خاوند کے ارادے اور عقل کی پختگی اور قوتِ ادراک اور کاموں کے انجام پر گہری نظر بخلاف عورت کے، کہ وہ ایسی نہیں۔
2. مرد کا اخراجات کا ذمہ دار ہونا، گھر میں اس کا امر و نہی اور کنٹرول والا ہونا ہے، مرد گھر کا ستون اور خاندان کا پرورش کرنے والا ہوتا ہے۔
3. حق مہر خاوند پر واجب ہے، لہٰذا طلاق بھی اس کے اختیار میں ہے، تاکہ

عورت لالچ نہ کرے، جب عورت شادی کرتی ہے اور حق مہر وصول کرتی ہے تو اپنے خاوند سے طلاق لے لیتی ہے تاکہ اسی طرح ایک اور حق مہر حاصل کر سکے، یہ خاوند کے لیے نقصان دہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس معنی پر خبردار کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ [النساء: 34]

''مرد عورتوں پر نگران ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے مالوں سے خرچ کیا۔''

ثانیاً: جب خاوند بذاتِ خود اچھے طریقے سے نہیں رہ سکتا تو اس کے لیے کورٹ کی طرف رجوع کیا جائے۔

ثالثاً: اللہ تعالیٰ نے کچھ احکامات مرد کے ساتھ خاص کیے ہیں، کچھ عورت کے ساتھ مختص کیے ہیں اور کچھ احکامات ان دونوں کے مابین مشترک رکھے ہیں، ان تمام میں رجوع شریعت کی طرف ہی ہوگا۔ (اللجنة الدائمة: 4497)

221۔ خاوند کا اپنے حقِ طلاق کا اختیار اپنی بیوی کو سونپ دینا۔

مرد کے لیے جائز نہیں کہ یہ حق مطلق طور پر بیوی کے سپرد کر دے، اس لیے کہ عورت ذات اس مرتبہ کی اہل نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ [النساء: 34]

''مرد عورتوں پر نگران ہیں۔''

عورت کو یہ شان بخشنا کتاب و سنت کے خلاف ہے اور اصل وضع کے برعکس ہے، اگر طلاق کا اختیار عورتوں کو مل جائے تو بہت زیادہ شر اور بڑا فساد پھیلے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت ہر حکمت کے اوپر ہے۔

ہاں اگر مرد عورت کو طلاق دینے کا ارادہ کر لے اور کہے: تو اپنی جان کی خود وکیل ہے اور پھر عورت اپنے آپ کو طلاق دے لے تو جائز ہے لیکن یہ کہ عورت کو کسی سابق شرط کی بنیاد پر ویسے ہی اختیارِ طلاق کا مجاز بنانا تو ایسی شرط باطل ہے، اگرچہ اس پر اتفاق بھی ہو، اس لیے کہ باطل شرطوں کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لا طلاق إلا بعد نكاح، ولا عتق إلا بعد ملك)) [1]

''نہیں ہے طلاق مگر نکاح کے بعد، اور نہیں آزاد کرنا مگر ملکیت کے بعد۔''

نیز فرمایا:

((إنما الطلاق لمن أخذ بالساق)) [2]

''طلاق کا اختیار صرف اسے ہے جس نے پنڈلی پکڑی۔''

ان تمام امور کی نسبت واضح ترین اللہ تعالیٰ کا مذکورہ بالا فرمان ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾ [النساء: 34]

---

[1] حسن صحيح. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [2048]

[2] حسن. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [2081]

’’مرد عورتوں پر نگران ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے مالوں سے خرچ کیا، پس نیک عورتیں فرماں بردار ہیں، غیر حاضری میں محافظت کرنے والی ہیں، اس لیے کہ اللہ نے (انھیں) محفوظ رکھا اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی سے تم ڈرتے ہو، سو انھیں نصیحت کرو اور بستروں میں ان سے الگ ہو جاؤ اور انھیں مارو، پھر اگر وہ تمھاری فرماں برداری کریں تو ان پر (زیادتی کا) کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ ہمیشہ سے بہت بلند، بہت بڑا ہے۔‘‘

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ﴾

[الأحزاب: 49]

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں طلاق دے دو۔‘‘

کتاب اللہ میں ایسی آیات بکثرت ہیں جن میں یہ دلالت پائی جاتی ہے کہ طلاق کا اختیار مردوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 290/21)

222۔ اگر بیوی اپنے خاوند کو طلاق دیدے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جب عورت اپنے خاوند کو طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اس پر کوئی کفارہ بھی نہیں ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرے گی، اس

لیے کہ اس کی طرف سے خاوند کے برخلاف طلاق کا واقع ہونا شرعی دلائل کے خلاف ہے، شرعی دلائل کی رو سے طلاق کا اختیار مرد کو ہے یا جو اس کا شرعاً قائم مقام ہے۔ (اللجنة الدائمة: 8065)

223۔ حائضہ کی طلاق کا حکم۔

جمہور اہل علم کا جواب یہ ہے کہ طلاق شمار ہوگی اور وہ ساتھ ساتھ گنہگار بھی ہوگا، کیونکہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حیض میں ایک طلاق دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برا جانا اور انھیں رجوع کا حکم دیا اور یہ نہیں فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی، بلکہ صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ طلاق شمار کی گئی۔ ہماری معلومات کی حد تک یہ ثابت نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سائلین سے پوچھا کرتے تھے کہ طلاق حیض میں دی ہے یا نہیں؟ اگر حیض میں طلاق واقع نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تفصیل طلب کرتے، یہی بات زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم.

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 283/21)

224۔ حاملہ کی طلاق۔

حاملہ پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾

[الطلاق: 1]

”اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انھیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو۔“

پھر فرمایا:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾

[الطلاق: 4]

''اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں۔''

نبی کریم ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''مرہ'' یعنی اپنے بیٹے عبداللہ کو حکم دے کہ اپنی بیوی سے رجوع کرے، پھر حالتِ طہر یا حمل میں اسے طلاق دے، اور اس پر اجماع ہے کہ کتاب و سنت کے ثبوت کے ساتھ حاملہ کو طلاق ہوجاتی ہے، جو بات عوام کے ہاں مشہور ہے کہ حاملہ کو طلاق نہیں ہوتی اس کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی اہل علم میں سے کسی نے یہ بات کہی ہے، بلکہ حاملہ پر طلاق واقع ہوگی اور اس کی عدت وضع حمل ہے، حتی کہ فرض کریں اگر ایک آدمی اپنی حاملہ بیوی کو صبح کے وقت طلاق دیتا ہے اور وہ ظہر سے پہلے بچہ پیدا کر دیتی ہے تو اس کی عدت ختم ہوجائے گی، اور اگر اس کا وضع حمل لیٹ ہوجاتا ہے، دس ماہ یا بارہ ماہ، یا چھ ماہ اور یا دو سال تک تو وہ تب تک عدت میں ہی رہے گی، اور جب بچہ جنم دے گی تو اس کی عدت ختم ہوجائے گی، اب خاوند صرف عقدِ جدید کی صورت میں رجوع کر سکتا ہے، بشرطیکہ آخری طلاق نہ ہو۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1)

225۔ نشے کی حالت میں طلاق۔

نشے کی حالت میں طلاق واقع ہوتی ہے کہ نہیں؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، حنابلہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ سزا کے طور پر یہ طلاق واقع ہوجائے گی، جبکہ بعض علماء کے بقول یہ طلاق واقع نہیں ہوگی، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے اور قیاس کے زیادہ قریب بھی ہے، اس لیے کہ نشے کی حالت

میں اسے کچھ یاد نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے اور نہ جانتا ہے کہ کیا کہنا ہے؟ تو پھر اس پر ایسی چیز کو کیوں لازم قرار دیا جائے جسے وہ جانتا ہی نہیں؟ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ [النساء: 43]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نماز کے قریب نہ جاؤ، اس حال میں کہ تم نشے میں ہو، یہاں تک کہ تم جانو جو کچھ کہتے ہو۔''

آیت کریمہ میں دلیل ہے کہ نشہ کرنے والا جو کہہ رہا ہے اسے کچھ معلوم نہیں تو ہم اس پر ایسی چیز کو لازم کیوں کریں جس کا اسے علم ہی نہیں؟ حنابلہ کا یہ کہنا کہ یہ بطور سزا کے ہے، تو واضح رہے کہ شرابی کی سزا صرف اس کی اپنی ذات تک ہے، اسے زدوکوب کیا جائے، جیسا کہ سنت سے ثابت ہے اور اگر طلاق واقع کرنے سے اسے سزا دیں تو یہ سزا اس کی بیوی تک متعدی ہو جائے گی، اگر اولاد بھی ہوئی تو خاندان اجڑ جائے گا اور نقصان دوسروں تک متعدی ہو جائے گا، سو درست بات یہ ہے کہ نشے کی حالت میں طلاق نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کے اقوال معتبر ہوں گے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ شرعی عدالت کی طرف بھی رجوع کیا جائے، تاکہ ہم بیوی کے اس کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کے متعلق حکم شرعی سے ہی فیصلہ کریں جس سے اختلاف ختم ہو جائے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1)

226۔ پاگل کی طلاق۔

پاگل اور مجنون آدمی کی طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ عقل کے زائل ہونے کی وجہ سے وہ غیر مکلّف ہو چکا ہے، اس بارے حدیث بھی ہے کہ حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يحتلم، وعن المجنون حتى يعقل» [1]

”تین قسم کے اشخاص سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: سوئے ہوئے سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، بچے سے جب تک کہ بالغ ہو جائے اور پاگل سے یہاں تک کہ سمجھنے لگ جائے۔“ (اللجنة الدائمة: 13443)

227۔ مجبور اور گم گشتۂ عقل کی طلاق۔

جب وہ طلاق کو سمجھتا ہو اور مجبور بھی نہ ہو، پھر طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اگر طلاق دیتے وقت اس کی عقل گم تھی یا عقل اتنی ناقص تھی کہ اسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ کیا کہہ رہا ہوں؟ یا اسے اس طرح مجبور کیا گیا کہ طلاق دینے پر آمادہ ہو گیا تو مذکورہ دونوں حالتوں میں اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔
(الفوزان: المنتقی: 274)

228۔ ہم بستری سے پہلے ہی طلاق۔

سوال ایک آدمی نے ایک لڑکی سے شادی کی اور قبل از دخول ہی اسے طلاق دے دی، اب وہ رجوع کی خواہش رکھتا ہے۔

جواب جب مذکور آدمی نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق دی تو وہ اس سے جدا ہو گئی، اب عقد جدید اور مہر مثلی کے بغیر رجوع ممکن نہیں، جبکہ نکاح کی دیگر ارکان وشروط پوری ہوں۔ (اللجنة الدائمة: 157)

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [4403]

229۔ قبل از دخول طلاق کے مسئلہ میں حق مہر کا حکم۔

جب ایک عورت سے نکاح کیا، پھر قبل از دخول اسے طلاق دے دی اور حق مہر مقرر ہو چکا تھا تو عورت کو جو حق مہر مل چکا ہے اس سے نصف دیا جائے گا اور جو ابھی نہیں دیا اس کا بھی آدھا ملے گا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ﴾ [البقرۃ: 237]

''اور اگر تم انھیں اس سے پہلے طلاق دے دو کہ انھیں ہاتھ لگاؤ، اس حال میں کہ تم ان کے لیے کوئی مہر مقرر کر چکے ہو تو تم نے جو مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف (لازم) ہے، مگر یہ کہ معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔''

یعنی اگر قبل از دخول طلاق دیتا ہے تو بیوی کو آدھا حق مہر ملے گا، چاہے عورت نے ابھی تک وصول کیا ہو یا وصول نہ کیا ہو، جبکہ حق مہر مقرر ہو چکا ہو، اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک اپنا حصہ معاف کر دے اور دوسرے کو دے دے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 248)

230۔ قبل از نکاح طلاق واقع نہیں ہوتی۔

نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا صدور صرف خاوند سے صحیح ہے اور منگیتر خاوند نہیں ہوتا، اس کی طرف سے طلاق دینا درست ہے اور نہ ہی وہ طلاق واقع ہوگی، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إنما الطلاق لمن أخذ بالساق» [1]

''طلاق کا حق صرف اسے ہے جس نے پنڈلی پکڑی۔''

نیز فرمایا:

«لا طلاق إلا بعد نکاح» [2] ''نکاح کے بعد ہی طلاق ہوتی ہے۔''

(اللجنة الدائمة: 18213)

231۔ نکاح سے قبل ہی طلاق کی قسم اٹھانا۔

نکاح سے قبل طلاق کو معلق کرنا درست نہیں، علماء کے دو اقوال میں سے زیادہ صحیح یہی ہے۔ جامع ترمذی میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« لا طلاق قبل نکاح» [3] ''نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں۔''

(اللجنة الدائمة: 6776)

232۔ آدمی کا حالتِ غضب میں اپنی بیوی سے کہنا: تو کتنی بدکار ہے؟!

اگر اس عبارت سے طلاق کی نیت ہوگی تو ایک طلاق ہوجائے گی اور دورانِ عدت رجوع بھی جائز ہے، الا یہ کہ اس سے پہلے دو طلاقیں ہو چکی ہوں، اس صورت میں حلال نہیں ہوگی حتی کہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے اور پھر وہ اسے طلاق دے دے، پھر عقدِ جدید سے اس کے ساتھ نکاح کیا جا سکتا ہے، اور اگر ان الفاظ سے طلاق کی نیت نہیں تھی تو پھر طلاق نہیں ہوگی۔ (اللجنة الدائمة: 21410)

---

[1] صحيح. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [2081]

[2] حسن صحيح. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [2048]

[3] حسن. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [2048]

233۔ غصے میں طلاق اور ظہار۔

سوال میاں بیوی آپس میں جھگڑ پڑے، میاں نے غصے میں آ کر کہا: تمام مذاہب کے مطابق تجھے طلاق! بیوی نے بھی اسے اپنے اوپر حرام کر لیا اور کہا: تو آج کے بعد میرا بھائی ہے، پھر ان دونوں کے اعصاب ٹھنڈے ہوگئے اور انھوں نے صلح کر لی۔

جواب اس نسبت سے کہ تم دونوں نے کچھ الفاظ کہیں ہیں، تم نے طلاق دی اور اس نے تجھے اپنے اوپر حرام کیا اپنے بھائی کی حرمت کی طرح، یہ الفاظ انتہائی گھٹیا اور حرام ہیں، اور جو تو نے رجوع کیا، اگر تو یہ عدت کے اندر اندر تھا اور یہ طلاق تین طلاقوں کو مکمل کرنے والی نہیں تھی تو رجوع درست ہے اور اگر اس طلاق سے تین طلاقیں مکمل ہوگئیں تو رجوع کا حق نہیں رہا، یا تین سے کم طلاقیں تھی لیکن بیوی عدت سے نکل چکی تھی تو بھی تجھے رجوع کا حق نہیں سوائے عقد جدید کے، اور اگر تین طلاقیں ہوگئی ہیں تو بھی تو رجوع نہیں کرسکتا، الا یہ کہ وہ کسی اور خاوند سے شوق اور رغبت سے نکاح کرے، پھر وہ اپنی مرضی اور اختیار سے اسے طلاق دے۔

بیوی نے تجھے اپنے اوپر اپنے بھائی کی مانند حرام کے لفظ بولے، اہل علم کے صحیح قول کے مطابق یہ قسم کی جگہ ہے، لہٰذا عورت قسم کا کفارہ دے گی، بایں طور کہ ایک گردن آزاد کرے گی، یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے گی، ہر مسکین کے لیے گندم کا آدھا صاع ہے، یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے، ہر مسکین کو اتنا کپڑا دینا ہوگا جو اسے نماز کے لیے کافی ہو، اگر ان تینوں کاموں میں سے کوئی بھی نہیں کرسکتی تو تین دن کے روزے رکھے گی۔ میں تم دونوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس قسم کے الفاظ کہنے سے پرہیز کرو اور غصہ تمہیں ایسے الفاظ بولنے پر

برانگیختہ نہ کرے، کیونکہ یہ سب شیطان کی طرف سے ہے، وہ تمھیں ایسی مشکل میں پھنسا دے گا جس سے گلو خلاصی مشکل ہو جائے گی۔

(الفوزان: المنتقیٰ: 241)

234۔ آدمی کا غصے میں بیوی سے کہنا۔ میں نے قیامت تک کے لیے تجھے چھوڑ دیا۔

جب تو نے کہا: میں نے قیامت تک کے لیے تجھے چھوڑ دیا، یہ طلاق سے کنایہ ہے اور یہ ایسا کنایہ ہے جو نیت کا محتاج ہے، اگر تو نے طلاق کی نیت کی تھی تو بیوی مطلقہ سمجھی جائے گی، تجھے دورانِ عدت رجوع کا اختیار ہے، اگر عدت گزر گئی اور تو نے رجوع نہ کیا تو تجھ سے جدا ہو جائے گی، پھر عقد جدید کے بغیر تیرے لیے حلال نہیں ہوگی، جبکہ تم نے تین طلاقیں پوری نہیں کیں، اگر تو نے تین مکمل طلاقیں دے دی ہیں تو پھر وہ تیرے لیے حلال نہیں رہی، الا کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاحِ رغبت کرے، نہ کہ نکاحِ حلالہ، پھر وہ اسے طلاق دے دے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ [البقرۃ: 228]

''اور ان کے خاوند اس مدت میں انھیں واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں۔''

اور پھر فرمایا:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ [البقرۃ: 229]

''یہ طلاق (رجعی) دو بار ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے رکھ لینا ہے یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔''

اور پھر فرمایا: ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا﴾ [البقرة: 230]

''پھر اگر وہ اسے (تیسری) طلاق دے دے۔''

نیز فرمایا:

﴿فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾

[البقرة: 230]

''پھر اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے۔''

یعنی جب دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے تو:

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ﴾ [البقرة: 230]

''(پہلے) دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں آپس میں رجوع کر لیں۔'' (الفوزان: المنتقی: 271)

235۔ آدمی کا غصے میں اپنی بیوی سے کہنا: اگر تجھے یہ کام پسند نہیں تو پھر تمہارے باپ کے گھر کا دروازہ کھلا ہے۔

اس میں خاوند کی نیت کو دیکھا جائے گا، اگر اس نے طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق ہو جائے گی، کیونکہ یہ ایک کنایہ ہے اور کنایات الفاظِ طلاق میں غیر واضح ہیں، لہٰذا نیت کے بغیر کنایہ سے طلاق نہیں ہوتی، اور اگر اس نے ان الفاظ سے طلاق مراد نہیں لی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر نیتِ طلاق ہوگی تو طلاق ہو جائے گی۔ (الفوزان: المنتقی: 272)

236۔ طلاق کی قسم اٹھانا لیکن نیت طلاق کی نہ ہو۔

صحیح بات یہ ہے کہ جس نے طلاق کی قسم اٹھائی اور اس کا ارادہ طلاق دینے کا نہیں، بلکہ صرف اتنا مقصد ہے جو قسم سے ہوتا ہے کہ کسی کام کے کرنے پر ترغیب دینا یا اس سے منع کرنا، یا کسی خبر کی تصدیق یا تکذیب تو طلاق واقع نہیں ہوگی، بلکہ یہ قسم متصور ہوگی جس میں کفارہ دینا ہوگا اور اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہے تو وہی ہوگا جو اس نے نیت کی۔ واللہ اعلم (الفوزان: المنتقیٰ: 251)

237۔ خاوند نے بیوی کو ایک چیز کے پکڑنے سے منع کیا اور حکم عدولی پر طلاق کی قسم اٹھائی۔

تو نے اپنی بیوی پر طلاق کی قسم کھائی، تیرا مقصد اسے کسی کام سے روکنا ہے، مثلاً کسی سامان کو پکڑنے سے وغیرہ وغیرہ، اگر تو نے اس کام کے کرنے پر طلاق کو معلق کیا ہے اور نیت یہ ہے کہ جب یہ کام ہوگا تو طلاق ہو جائے گی تو پھر لازماً طلاق ہوگی، اور اگر تیرا مقصد محض روکنا ہے، طلاق کا ارادہ نہیں ہے تو راجح قول کے مطابق قسم تصور ہوگی، تجھ پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا جب تو نے اس بات کی مخالفت کی جس کا تو نے اپنی بیوی سے ارادہ کیا تھا۔ کفارہ ایک گردن آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، ہر مسکین کو گندم کا آدھا صاع دینا ہے، یا انھیں کپڑے پہنانا، ہر مسکین کے لیے ایک کپڑا ہے، اگر تو ان تینوں میں سے کسی کی طاقت نہیں رکھتا، گردن آزاد کرنے، کھانا کھلانے کی اور نہ ہی کپڑے پہنانے کی تو پھر تو تین دن کے روزے رکھے گا اور یہ تیری طلاق کی قسم کا کفارہ ہوگا، علماء کے دو اقوال میں سے زیادہ صحیح یہی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ﴾ [التحریم: 2]

"بے شک اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔"

اور یہ حکم طلاق کی قسم کو بھی شامل ہے۔ واللہ اعلم (الفوزان: المنتقیٰ: 256)

238۔ آدمی نے قسم اٹھائی کہ بیوی اگر یہ کام کرے گی تو طلاق دوں گا یا ظہار کرلوں گا، پھر سفر پر روانہ ہوگیا، اس کو معلوم نہیں کہ بیوی نے اس کی قسم کی مخالفت کی ہے یا نہیں؟

جب آدمی نے اپنی بیوی پر طلاق یا ظہار کی قسم اٹھائی، مقصد کسی چیز سے روکنا تھا تو صحیح قول کے مطابق قسم کا حکم لاگو ہوگا، وہ قسم کے کفارہ کی ادائیگی کرے گا اور آزاد ہوجائے گا، اور اگر بیوی نے وہ کام کیا جس سے خاوند نے منع کیا تھا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، اگرچہ عدم موجودگی کی وجہ سے اسے علم نہ بھی ہو، کیونکہ اس نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ ایسا نہ کرے، لیکن بیوی نے قسم کی مخالفت کی ہے اور اگر بیوی نے جانتے بوجھتے خاوند کی قسم کی مخالفت کی تو قسم اٹھانے والا گنہگار بھی ہوگا اور اس پر کفارہ ہوگا، اسے اپنی قسم ٹوٹنے کا علم ہو یا نہ ہو۔

(الفوزان: المنتقیٰ: 257)

239۔ بیوی کو قطع رحمی کا حکم۔

سوال آدمی نے قسم اٹھائی کہ اگر اس کی بیوی اپنے باپ کے گھر گئی تو اسے تین طلاقیں ہوجائیں گی، پھر آدمی نے سمجھا کہ اس میں قطع رحمی ہے اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔

جواب اگر طلاق سے تیرا مقصد اسے جانے سے روکنا تھا، طلاق دینا مراد نہیں

تھا، تو پھر تجھ پر قسم کا کفارہ آئے گا اور کفارہ دے کر قسم سے آزاد ہو جائے گا، بیوی کے لیے جائز ہوگا کہ اس کے بعد اپنے قریبی رشتہ داروں کی طرف چلی جایا کرے گی۔

اور اگر تیرا مقصد طلاق تھا کہ جب جائے گی اسے طلاق ہو جائے گی تو واقعتاً طلاق ہو جائے گی، کیونکہ تیرا ارادہ روکنا نہ تھا، بلکہ تو نے جانے کے ساتھ طلاق کو معلق کیا تھا، تو جب شرط آئی مشروط بھی آ گیا۔ (الفوزان: المنتقی: 254)

240۔ آدمی نے قسم اٹھائی کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو میری بیوی کو طلاق! پھر اس نے کر بھی لیا۔

اگر اس نے کسی چیز کے ساتھ طلاق کو معلق کیا تھا تو جب مذکورہ چیز حاصل ہوگئی، طلاق ہو جائے گی، اور اگر اس نے محض قسم اور اپنے آپ کو کسی چیز سے روکنے کا ارادہ کیا تھا، اس پر طلاق کی قسم اٹھائی تھی تاکہ اس کام سے رک سکے تو علماء کے دو اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق یہ بمنزلہ قسم کے ہے، اگر اپنی قسم کی مخالفت کی تو۔ اس میں قسم کا کفارہ دینا ہوگا (الفوزان: المنتقی: 264)

241۔ کھانا نہ کھانے پر طلاق کی قسم اٹھائی پھر کھا لیا۔

جب اس نے طلاق کی قسم اٹھائی کہ کھانا نہیں کھائے گا، پھر کھا بھی لیا تو اس میں تفصیل درکار ہے، اگر اس نے طلاق کی نیت کی تھی تو کھانا کھانے پر طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ اس نے طلاق کو ایک چیز کے ساتھ معلق کیا ہے، جب معلق علیہ حاصل ہوا تو معلق بھی حاصل ہو گیا، اگر اس نے قسم کی نیت کی تھی کہ اپنے آپ کو کھانا کھانے سے روک سکے، طلاق کی نیت نہیں تھی، پھر اس نے کھانا کھایا تو اس پر قسم کا کفارہ آئے گا، علماء کا راجح قول یہی ہے، کفارہ یہ ہے:

دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا کپڑے پہنانا یا گردن آزاد کرنا، جس نے یہ تین چیزیں نہ پائیں تو اس پر تین روزے ہیں، جس طرح کہ کتاب اللہ[1] میں بطور نص میں اس کی تعلیم دی گئی ہے۔ (الفوزان: المنتقی: 266)

242۔ اس آدمی کا حکم جس نے اپنی بیوی کی طلاق کو کسی کام پر معلق کیا، پھر اسے وہ کام کرنے کی اجازت دے دی۔

تیرا اسے اجازت دینا اس طلاق کو بے کار نہیں کر سکتا، جس پر تو نے قسم اٹھائی یا طلاق کو معلق کیا، اس کام سے رجوع تجھے کوئی فائدہ نہیں دے گا، طلاق بحالہ باقی ہے، جب بیوی نے وہ کام کیا جس سے تو نے اسے منع کیا تھا، اگر تیرا مقصد محض بیوی کو روکنا تھا، اور طلاق کو اس کام پر معلق نہیں کیا تھا تو تجھ پر قسم کا کفارہ آئے گا، کیونکہ یہ قسم کے قائم مقام ہے، اگر تیرا ارادہ اس کام پر طلاق کو معلق کرنے کا تھا تو جب وہ معلق علیہ کام کرے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔
(الفوزان: المنتقی: 262)

243۔ دل میں طلاق۔

سوال آدمی دل ہی دل میں نیت کرتا ہے کہ اس کی بیوی فلاں وقت یہ کام نہ کرتی اگر کرتی تو اسے طلاق دے دیتا، اس پر قسم اٹھاتا ہے اور یہ نیت وقت حال یا استقبال سے نہیں۔

جواب اگر اس نے کسی معین وقت کی نیت کی تھی کہ اس خاص وقت میں وہ یہ کام نہیں کرے گی، پھر وہ وقت گزر گیا تو وقت گزرنے کے ساتھ قسم بھی ختم

[1] دیکھیں: [المائدۃ: 89]

ہوجائے گی اور اگر اس نے وقت کا تعین نہیں کیا، اس نے صرف بیوی کو روکنے کا ارادہ کیا ہے، چاہے وقت کوئی بھی ہو، تو جب بھی وہ کرے گی حکم اسی کے ساتھ معلق ہوگا، اگر اس کا ارادہ طلاق کو معلق کرنے کا تھا تو طلاق ہوجائے گی، اگر اس طلاق سے پہلے کوئی ایسی طلاق نہیں کہ جس سے تین طلاقیں پوری ہوتی ہوں تو اس پر طلاق رجعی ہوگی، آدمی عدت کے دوران رجوع کرسکتا ہے، اور اگر تین طلاقیں پوری ہوگئی ہیں تو وہ اس سے جدا ہوجائے گی، اس کے لیے حلال نہیں، مگر دوسری شادی کے بعد۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 263)

244۔ غصے کی حالت میں طلاق کی قسم اٹھانا۔

جب انسان کی حالت غصے میں یہاں تک پہنچ جائے کہ شعور اور حافظہ گم ہوجائے، بایں طور کہ اسے نہ معلوم ہے اور نہ تصور ہے کہ کیا کہہ رہا ہے؟ تو اس کے اقوال کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، طلاق ہو یا کوئی اور بات، کیونکہ وہ اس حالت میں بے عقل ہے، اور اگر غصہ اس سے کم ہو، اس کو سوچ سمجھ اور اپنی بات کا پتہ ہو کہ کیا کہہ رہا ہوں؟ تو اس کا مواخذہ اس کے الفاظ اور دیگر تصرفات کی بنا پر کیا جائے گا اور انھی میں طلاق بھی ہے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 266)

245۔ میرا کہنا: ”مجھ پر حرام ہے“ اس کا کیا حکم ہے؟ ہمارے ہاں یہ الفاظ کہنے والا طلاق دینے والا تصور ہوتا ہے؟

اس کا فیصلہ تیری نیت کے مطابق ہوگا، اگر حرام سے تیری نیت طلاق کی تھی تو طلاق ہوجائے گی، اور اگر بیوی کی نیت کی تھی یعنی یہ کہ میری بیوی مجھ پر حرام ہے تو یہ ظہار ہوگا، تجھ پر ظہار کا کفارہ لازم آئے گا، اور وہ یہ ہے: گردن

آزاد کرنا، اگر تو اس کی طاقت رکھتا ہے، اگر یہ نہیں کر سکتا تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنا ہیں اور اگر کسی عذر شرعی کی بنا پر روزے بھی نہیں رکھ سکتا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ ظہار کا کفارہ ہے، اور اگر تو نے صرف قسم اٹھائی تھی، طلاق کی نیت نہیں تھی اور نہ ہی ظہار کی نیت تھی تو قسم ہوگی اور کفارہ قسم دینا ہوگا، اور وہ یہ ہے: ایک گردن آزاد کرنا، یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا، ان تینوں کاموں میں اختیار ہے، جو بھی کر لو کفایت کر جائے گا، اگر تو مذکورہ تینوں کاموں میں سے کسی کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو تین دن کے روزے رکھ لو۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ﴾ [المائدۃ: 89]

''اور لیکن تم سے اس پر مؤاخذہ کرتا ہے جو تم نے پختہ ارادے سے قسمیں کھائیں تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، درمیانے درجے کا، جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا انھیں کپڑے پہنانا، یا ایک گردن آزاد کرنا، پھر جو نہ پائے تو تین دن کے روزے رکھنا ہے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔'' (الفوزان: المنتقی: 268)

مسئلہ۔ 246

سوال آدمی نے اپنے باپ سے کہا: مجھ پر وہ بیوی حرام ہے جس کا حق مہر تو نے اپنے پاس سے ادا کیا، پھر اس نے شادی کی، حق مہر اس کے باپ نے

ہی دیا، لیکن اس نے اپنے باپ کی خرچ کردہ رقم واپس کر دی۔

پہلی بات یہ ہے کہ تیرے لیے اپنے باپ سے لڑنا جھگڑنا اور غصے ہونا جائز نہیں کہ معاملہ اس درجہ آگے بڑھ جائے، اس لیے کہ باپ کا حق ہے اور بیٹے کو چاہیے اس کا ادب کرے، اس کے سامنے جھک جائے، اس کی توقیر و عزت کرے اور جو کچھ تو نے کیا سراسر غلط کیا، اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کر اور اپنے باپ سے بھی معافی کا خواستگار ہو، رہا تیرا قسم کا معاملہ کہ تیرا باپ کچھ بھی ادائیگی نہیں کرے گا تو اگر تو نے خود ہی ادائیگی کر دی ہے تو تجھ پر کچھ بھی نہیں ہے۔ (الفوزان: المنتقی: 269)

247۔ مسئلہ۔

سوال اس آدمی کے بارے میں اسلام کا حکم جو بیوی کی ہر چھوٹی بڑی بات پر طلاق کی قسم اٹھاتا ہے اور پھر قسم کو پورا بھی نہیں کرتا، بسا اوقات ایک دن میں دس سے زیادہ مرتبہ قسم اٹھاتا ہے۔

آدمی کے لیے یہ جائز نہیں کہ ہر وقت طلاق طلاق کرتا رہے اور اس کی قسمیں اٹھاتا رہے، اس لیے کہ طلاق ایک خطرناک چیز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أبغض الحلال إلى الله الطلاق)) [1]

"حلال چیزوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔"

طلاق کے ساتھ کھیلنا یا تساہل برتنا اور اس کا زیادہ استعمال یہ سب ناجائز ہے، مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرے۔ اگر وہ طلاق کی قسم اٹھائے اور پھر اس قسم کی مخالفت کرے تو یہ دو چیزوں سے خالی نہیں:

[1] ضعیف. سنن أبي داود، رقم الحديث [2178] سنن ابن ماجه [2018]

① پہلی چیز کہ طلاق کا ارادہ ہو اور جب بیوی اس ممنوع کام کا ارتکاب کرے گی تو اسے طلاق ہو جائے گی اور اگر اس نے ایسا کوئی کام نہ کیا تو طلاق بھی نہیں ہوگی، اگر قسم سے اس کا ارادہ ایک چیز سے روکنا یا اس کی ترغیب دلانا یا تصدیق یا تکذیب کرنا ہو تو صحیح موقف کے مطابق اس میں قسم کا کفارہ ہوگا، وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے گا، یا انھیں کپڑے پہنائے گا یا ممکن ہو تو ایک گردن آزاد کرے گا، یعنی اسے ان تین کاموں میں اختیار ہوگا، آزاد کرنا یا کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا، اگر وہ ان تینوں میں سے کچھ نہ پائے اور نہ ہی استطاعت رکھتا ہو تو تین دن کے روزے رکھے، یہ اس کی قسم کا کفارہ ہے۔ واللہ اعلم. (الفوزان: المنتقیٰ: 283)

248۔ بالتکرار طلاق کا قصد کرتا ہے اور بالفعل طلاق دینا بھی ثابت ہو جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جب تین مرتبہ دے لے گا تو عورت اس سے مستقل طور پر جدا ہو جائے گی، اگر تین تک طلاق نہیں دیتا تو وہ ابھی رجعی طلاق ہوگی، عدت کے دوران رجوع کر سکتا ہے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 284)

249۔ ایک اجتماعی برائی کا علاج۔

بلا ضرورت طلاق دینا مکروہ ہے، کیونکہ اس پر بہت زیادہ نقصانات مرتب ہوتے ہیں، مسلمان کے لائق نہیں کہ اس میں تساہل سے کام لے۔ فرمان نبوی ہے:

((أبغض الحلال إلى الله الطلاق))

”اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال چیزوں میں سے ناپسندیدہ ترین طلاق ہے۔“

حتی کہ اگر اپنی بیوی کے بعض اخلاق کو ناپسند بھی کرتا ہے کہ جو عبرت و ناموس پر قدغن نہیں لگاتے تو اسے صبر کرنا چاہیے اور بیوی کو اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ [النساء: 19]

"اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو، پھر اگر تم انھیں ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔"

(الفوزان: المنتقیٰ: 285)

250۔ وہ تاجر جو جان بوجھ کر خرید و فروخت میں طلاق کی قسم اٹھاتا ہے تاکہ سامان فروخت کر سکے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے، حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا ينظر إليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم » ثم أعادها مرتين، فقال أبو ذر: من هم يا رسول الله؟ خابوا وخسروا! قال: «المسبل ـيعني الذي يجر ثيابه خيلاءـ والمنان ـالذي يمن بما أعطىٰـ والمنفق سلعته بالحلف الكاذب»[1]

"تین قسم کے اشخاص ایسے ہیں جن سے روز قیامت اللہ تعالیٰ کلام نہ کریں گے، نہ ان کی طرف دیکھیں گے، نہ ان کو پاک کریں گے

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [106/171]

اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ پھر آپ ﷺ نے یہی الفاظ دو مرتبہ دہرائے، ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہیں؟ یہ تو تباہ و برباد ہوگئے اور خسارے میں گئے! فرمایا: ''تکبر سے اپنی چادر لٹکانے والا، احسان کر کے جتلانے والا اور جھوٹی قسم سے اپنا سودا فروخت کرنے والا۔''

یہ سائل بھی اس آدمی کی بابت سوال کر رہا ہے جو اپنا سودا جھوٹی قسم سے اور غیر اللہ کی قسم سے بلکہ طلاق کی قسم سے بیچ رہا ہے یہ دو اعتبار سے گنہگار ہے:

1. اس نے جھوٹی قسم سے اپنا سامان فروخت کیا ہے۔
2. اس نے اللہ کی قسم سے طلاق کی قسم کی طرف عدول کیا ہے۔

پھر ایک تیسری وجہ بھی ہے یعنی خریدار کو دھوکہ دینا نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«من غش فليس منا»[1]

''جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

ہم بطور نصیحت اس سے کہیں گے کہ اللہ سے ڈرو اور اچھی طرح مانگو، یقیناً اللہ کا رزق نافرمانی کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا، انسان جب اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے رزق کے ایسے ایسے دروازے کھولتا ہے کہ اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ [الطلاق: 2,3]

''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔

---

1. صحیح۔ صحیح مسلم [102/164]

اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا۔"

اور اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اگر اس کے رزق میں اس غلط طریقے سے وسعت پیدا کر دی جاتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت ہے تاکہ اس نافرمانی پہ ڈٹا رہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے کمال قدرت اور غلبے والے کی پکڑ پکڑیں گے، اسے چاہیے کہ اپنے کیے پر اللہ کی طرف رجوع کرے، معافی مانگے، بات سچی اور کھری کرے، نبی کریم ﷺ نے دو خرید و فروخت کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

((إن صدقا وبينا بورك لهما في بيعهما، وإن كذبا وكتما محقت بركة بيعهما))[1]

"اگر وہ دونوں سچ بولیں اور واضح کریں تو ان دونوں کی خرید و فروخت میں برکت ڈال دی جائے گی اور اگر جھوٹ بولیں اور چھپائیں تو ان کے درمیان سے برکت ختم کر دی جائے گی۔"

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 3)

251۔ دل سے طلاق کی نیت کی لیکن زبان سے الفاظ نہیں کہے۔

محض طلاق کی نیت سے طلاق نہیں ہوتی، بلکہ اس لفظ کا اعتبار ہوتا ہے جو اس پر دلالت کرے، اور وہ لفظ جو اس کے ہم معنی ہو۔

(اللجنة الدائمة: 8501)

252۔ آدمی نے اپنی بیوی کو دل ہی دل میں طلاق دی، زبان سے لفظ نہیں بولا۔

پہلی بات یہ ہے کہ انسان کو ایسے کاموں سے دور رہنا چاہیے اور ان میں

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [2079] صحيح مسلم [1532/47]

غور وفکر نہیں کرنا چاہیے، ذہن میں ایسی باتیں لانے سے شیطان خیالات اور وسوسوں کے ذریعے غالب آ کر سکتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ تو نے صرف دل سے کہا اور زبان سے تلفظ نہیں کیا، یہ کوئی طلاق نہیں، اور نہ ہی تجھ پر کچھ لازم آئے گا، جب تک تو نے زبان سے نہ کہا۔

لیکن اگر تو نے الفاظ بولے، اگرچہ آہستہ آواز سے ہی کہ صرف تمھیں سنائی دیں اور تیری زبان حرکت میں آئی، تو یہ طلاق ہوگی، کیونکہ تو نے لفظ بولے ہیں، اگرچہ تیری بیوی نہ بھی سنے، یا تیرے اردگرد کسی نے بھی نہیں سُنے، لیکن جو دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسے ہیں، جن میں تلفظ نہیں ہوتا، یہ نقصان دہ نہیں ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے معاف کر دیا ہے جو بھی خیال دل میں پیدا ہو جب تک کہ کلام نہ کرے یا عمل نہ کرے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 250)

253۔ ایک آدمی نے وضاحت کیے بغیر دل میں اپنی بیوی کو طلاق دی۔

طلاق صرف بولنے یا لکھنے سے واقع ہوتی ہے، محض نیت یا دل کے خیال سے نہیں ہوتی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إن اللّٰه تجاوز لي عن أمتي ما حدثت به أنفسها ما لم تعمل أو تتكلم»[1]

”بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میری امت سے درگزر کیا ہے، جو بھی ان کے دل میں خیال آئے جب تک عمل یا کلام نہ کریں۔“

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [5269] صحيح مسلم [127/201]

254۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور اسے نامناسب جواب دے رہا ہوں۔

تیرا خواب میں اپنی بیوی کو طلاق دینا اور غیر مناسب گفتگو کرنا قابل مواخذہ نہیں اور نہ ہی تیری بیوی کو طلاق ہوسکتی ہے، اس لیے کہ سویا ہوا مرفوع القلم ہوتا ہے، تیرے لیے مستحب یہ ہے کہ جب تو خواب میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اپنی بائیں جانب تھوک، شیطان کے شر سے تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ اس چیز کے شر سے جو تو نے دیکھی، پھر اپنے دائیں پہلو پر پلٹ جا، نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق جس نے اس طرح کیا اسے وہ چیز نقصان نہیں پہنچا سکے گی جو اس نے دیکھی۔ (اللجنة الدائمة: 3894)

255۔ کنایہ بیوی کو طلاق دی پھر رجوع کر لیا۔

جو طلاق تو نے لکھی اور نیت سے دی وہ تیری بیوی پر واقع ہو جائے گی، اس میں کوئی شک نہیں، جبکہ طلاق تین سے کم ہو، اس سے قبل طلاق نہ دی ہو اور رجوع بھی عدت گزرنے سے پہلے پہلے کیا ہو، یہ رجوع درج ذیل دو شرطوں کی بنا پر صحیح ہے۔ اس طلاق سے تین طلاقیں پوری نہ ہوئی ہوں، اور رجوع دورانِ عدت ہو، اگر عدت گزر جائے اور طلاق تین سے کم ہو تو تو عقدِ جدید سے شادی کر سکتا ہے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 242)

256۔ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک طلاق ہی شمار ہوگی۔

ایک کلمہ سے تین طلاقیں ایک طلاق ہی شمار ہوگی، علماء کے دو اقوال میں سے زیادہ صحیح یہی ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں:

«كان الطلاق على عهد النبي ﷺ وعهد أبي بكر وسنتين من خلافة عمر -رضي الله عنهما- طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر رضي الله عنه: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم»

''نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں کو جس چیز میں بڑی سنجیدگی سے کام لینا چاہیے تھا اس میں جلد بازی سے کام لینا شروع کر دیا ہے، اگر ہم اسے ان پر نافذ ہی کر دیں، سو اسے ان پر نافذ کر دیا۔''

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تین کو تین شمار کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، اجتہادِ عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت سنت صحیحہ کو لینا زیادہ مناسب اور امت کے لیے زیادہ نرمی اور نفع والی بات ہے، نیز اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مسند میں بسند جید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے:

«أن أبا ركانة طلق امرأته ثلاثاً فحزن عليها فردها عليه النبي ﷺ، وقال: إنها واحدة»[1]

''بے شک ابو رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر بیوی پر غم محسوس کیا تو نبی ﷺ نے اس کی بیوی کو اس پر لوٹا دیا، اور فرمایا: یہ ایک ہی طلاق ہے۔'' (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 274/21)

---

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [2196]

257۔ بیٹے کا اس عورت سے شادی کرنا جس سے اس کے باپ نے نکاح کیا تھا اور قبل از دخول ہی طلاق دے دی تھی۔

بیٹے کے لیے جائز نہیں کہ ایسی عورت سے نکاح کرے جس کے ساتھ اس کے باپ نے نکاح کیا اور دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ [النساء: 22]

''اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں۔''

اور یہ اس عقد پر صادق آتا ہے، اگرچہ دخول نہیں بھی کیا، سو تیرے باپ کی بیوی تجھ پر حرام ہے محض عقد کی بنا پر، چاہے اس کے ساتھ دخول کیا ہے یا نہیں، آیت کے عموم کی وجہ سے:

﴿ وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا وَ سَآءَ سَبِيْلًا﴾ [النساء: 22]

''اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں، مگر جو پہلے گزر چکا، بے شک یہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی اور سخت غصے کی بات ہے اور برا راستہ ہے۔'' (الفوزان: المنتقیٰ: 244)

258۔ ایک آدمی دوسرے آدمی کی بیوی کی طلاق کا سبب بنا اور پھر خود اس سے شادی کر لی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم لازماً یہ پہچانیں گے کہ اس کا سبب کیا بنا: جادو یا

خلع کا مطالبہ؟ یعنی وہ عورت کے خاوند کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے تو اپنی بیوی سے خلع والا معاملہ کرلیں، تجھے دس ہزار ریال دوں گا، تو خاوند اس عوض کے حصول کے لیے بیوی سے یہ معاملہ کر لیتا ہے اور اگر ایسا جادو کی وجہ سے ہوا ہے تو جادوگر سے توبہ کروائی جائے گی، اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے گا، ایک قول یہ ہے کہ بطور حد قتل کیا جائے گا، جبکہ حکمران کو اطلاع دی جائے اس کی شدید تکلیف اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی بنا پر، اور اگر دوسرا طریقہ اختیار کیا کہ اس کے خاوند سے مطالبہ کیا کہ بیوی سے خلع کا معاملہ کرے تاکہ خود اس سے شادی رچالے تو امام احمد رحمہ اللہ نے اسے بہت ہی برا جانا ہے، یہ برا جاننے اور بُرا کہنے کا محل ہے، اور یہ بیوی کو خاوند کی بابت خراب کرنے والی نوع ہے، کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ خود شادی رچانے کی خاطر میاں بیوی کے مابین جدائی اور مفارقت کی کوشش کرے۔ (ابن عثیمین: نورعلی الدرب: 1)

259۔ مسئلہ۔

سوال ایک آدمی نے کسی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بنایا، تین ماہ کے بعد وکیل سے ملا، اس نے خبر دی کہ اس نے طلاق نہیں دی۔

جواب اگر واقعتاً ایسا ہی ہوا جیسا کہ تو نے ذکر کیا ہے کہ تو نے ایک آدمی کو وکیل بنایا کہ تیری بیوی کو طلاق دے دے، ایک مدت بعد تیرے لیے واضح ہوا کہ اس نے طلاق نہیں دی تو بیوی کو محض تیرے کسی کو وکیل طلاق بنانے سے ہی طلاق نہیں ہوجائے گی، جب تک کہ وکیل اسے نافذ نہیں کر دیتا۔

(اللجنة الدائمة: 2778)

260۔ آدمی کا اپنی مطلقہ بیوی کے ساتھ بیٹھنا۔

جسے طلاق بائن (جدائی والی طلاق) یا رجعی طلاق ہوئی، جس سے وہ عدت گزار چکی ہے یہ آدمی اس کی نسبت غیر اور اجنبی مردوں کی طرح ہوگیا ہے، اس کے لیے اس کے ساتھ خلوت اختیار کرنا درست نہیں لیکن اس کے ساتھ کلام کرنا اور محرم کی موجودگی میں ایک جگہ پر اکٹھے ہونا حرام نہیں ہے۔

(اللجنة الدائمة: 3496)

261۔ آدمی کا اپنی بیوی کو ملنے جانا جسے طلاق رجعی دی ہے۔

اگر اس نے طلاق رجعی دی ہے تو اسے مل سکتا ہے، خلوت اختیار کر سکتا ہے اور دورانِ عدت وہ کچھ دیکھ سکتا ہے جو کچھ ایک خاوند بیوی سے دیکھ سکتا ہے، چاہے بیوی کی اس خاوند سے اولاد ہو یا نہ ہو، اور اگر عدت گزر چکی ہے تو وہ اجنبی ہوچکی ہے، اس کے ساتھ خلوت اختیار کر سکتا ہے اور نہ کچھ اس سے دیکھ سکتا ہے، مگر وہی جو ایک اجنبی دیکھ سکتا ہے، اور اگر اسے مال کی بنا پر طلاق دی ہو یا تین طلاقیں دے دی ہوں تو وہ بائنہ ہے، اس کا حکم اجنبی عورت کا حکم ہے، آدمی کے لیے اس سے خلوت اختیار کرنا ناجائز ہے، اور اگر اس سے پیدا ہونے والی اس اولاد کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ایسا راستہ اختیار کرے جس میں خلوت کا پہلو نہ ہو، بایں طور کہ اپنے بچوں سے بالکل علیحدگی میں ملے، یا اپنی محرم عورتوں میں سے کسی کو بھیجے اور جس بچے سے ملنا چاہتا ہے وہ اسے لے کر آجائے یا بیوی سے اس کے کسی محرم کی موجودگی میں ملاقات کرے۔

(اللجنة الدائمة: 5172)

262۔ طلاق بائنہ۔

مسند احمد اور صحیح مسلم میں ثابت ہے، فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا مطلقہ ثلاثہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ليس لها سكنىٰ ولا نفقة)) [1]

''نہ اس کے لیے رہائش ہے اور نہ خرچ۔''

اور ایک روایت میں فرماتی ہیں:

((طلقني زوجي ثلاثا فلم يجعل لي رسول الله صلى الله عليه وسلم سكنىٰ ولا نفقة)) [2]

''مجھے میرے خاوند نے تین طلاقیں دے دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے نہ رہائش کا حکم دیا اور نہ نان ونفقہ کا۔''

اسے بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ اور مسلم، ابو داود اور نسائی کی ایک روایت میں ہے:

((إلا أن تكوني حاملاً)) [3] ''الا یہ کہ تم حاملہ ہو۔''

یہ دلائل اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ طلاق بائن والی عورت کو خرچہ ملتا ہے نہ رہائش، ہاں اگر حاملہ ہو تو پھر خرچہ ملے گا، دلیل سابق کی وجہ سے، اور اس لیے بھی کہ حمل اس کی اولاد ہے، لہٰذا آدمی پر اس کا خرچہ لازم ہے، اور اس پر خرچ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بیوی پر بھی خرچ کرے۔

(اللجنة الدائمة: 20978)

---

1. صحيح مسلم [1480/44]
2. صحيح مسلم [1480/42] سنن الترمذي [1135] سنن ابن ماجه [2035]
3. صحيح مسلم [1480/41]

263۔ بیٹوں اور بیوی پر لعنت کرنا طلاق نہیں سمجھی جائے گی۔

بیوی کو لعن طعن کرنا جائز نہیں اور نہ ہی یہ طلاق ہے، بلکہ وہ اس کی عصمت میں باقی رہے گی اور آدمی پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور بیوی سے بھی اس کی معافی مانگے، اس طرح بیٹوں کو اور دیگر مسلمانوں کو گالی دینا بھی جائز نہیں۔ فرمان نبوی ہے:

《سباب المسلم فسوق وقتاله كفر》[1]

''مسلمان کو گالی دینا بڑا فسق اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔''

نیز فرمایا:

《لعن المؤمن كقتله》[2]

''مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔''

یہ دونوں صحیح حدیثیں اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ مسلمان کا اپنے بھائی پر لعنت کرنا کبیرہ گناہوں سے ہے، جس سے بچنا ضروری ہے، زبان کی حفاظت کرنی چاہیے اور اتنے بڑے گناہ سے اسے آلودہ نہیں کرنا چاہیے، اور بیوی کو لعنت کے سبب طلاق نہیں ہو جاتی بلکہ وہ اس کی عصمت میں ہی باقی رہے گی۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 398/8)

264۔ خاوند کے بانجھ ہونے کے سبب بیوی کا طلاق کا مطالبہ کرنا، درست ہے؟

اس مقصد کے لیے طلاق کا مطالبہ کرنے کا اسے پورا حق ہے، کیونکہ افزائشِ نسل نکاح کے مقاصد میں سے ہے۔ (اللجنة الدائمة: 10733)

---

❶ متفق عليه. صحيح البخاري [48] صحيح مسلم [46/116]

❷ متفق عليه. صحيح البخاري [6105] صحيح مسلم [110/176]

265۔ ماں کی وجہ سے بیوی کو طلاق دینے کا حکم۔

جس بیوی کو تیری ماں طلاق دینے کا حکم دے رہی ہے اگر وہ دین میں درست ہے اور تیری ماں کو بے جا تکلیف نہیں دیتی تو طلاق لازم نہیں ہے، اور اگر وہ دینی اعتبار سے صحیح نہیں اور تیری ماں کو بھی تکلیف پہنچاتی ہے تو تجھ پر واجب ہے کہ اسے نصیحت کرو، اگر وہ بات پر کان نہ دھرے تو لازماً اسے طلاق دے دو۔ (اللجنة الدائمة: 17332)

خلع کے احکام

266۔ کسی شرعی سبب کے بغیر عورت کا طلاق مانگنا۔

کیا کوئی ایسی دلیل ہے جس میں بغیر شرعی سبب کے طلاق کا مطالبہ کرنے والی عورت پر لعنت کا ذکر ہو؟

مجھے لعنت کے متعلق تو کوئی حدیث یاد نہیں لیکن اس بارے میں بہت سخت وعید ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أيما امرأة سألت زوجها الطلاق من غير بأس فحرام عليها رائحة الجنة»[1]

''جو عورت بھی بلا وجہ اپنے خاوند سے طلاق مانگتی ہے اس پر جنت کی خوشبو تک حرام ہے۔''

یہ بہت سخت وعید ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمائی ہے کہ جنت کی خوشبو بھی اس پر حرام ہے، عورت پر لازم ہے کہ اپنے بارے اور اپنے خاوند کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور بلا سبب شرعی طلاق کا مطالبہ نہ کرے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت خاوند کو ناپسند کرنے کی بنا پر صبر نہیں کر سکتی جیسا کہ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ثابت بن قیس کے دین اور اخلاق میں کوئی عیب نہیں نکالتی لیکن میں

[1] صحيح. سنن أبي داود [2226] سنن الترمذي [1187] سنن ابن ماجه [2055]

اسلام میں ناشکری کو ناپسند کرتی ہوں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أتردين عليه حديقته؟ » قالت: نعم، فقال النبي صلى الله عليه و سلم لزوجها: «خذ الحديقة و طلقها تطليقة» [1]

''کیا تو اس کا باغ واپس کرے گی؟ اس نے کہا: ہاں، تو نبی کریم ﷺ نے اس کے خاوند سے فرمایا: باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو۔'' (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 26/8)

267۔ عورت اپنے خاوند کو ناپسند کرتی ہے، کوئی دینی یا اخلاقی عیب بیان نہیں کرتی اور سارا حق مہر واپس کرتی ہے۔

جب عورت اپنے خاوند کو پسند نہ کرتی ہو اور ڈرے کہ اللہ کی حدود قائم نہیں رکھ سکے گی تو اس کے لیے خلع مشروع ہے، بایں طور کہ جو حق مہر خاوند نے دیا تھا وہ سارا واپس کرے اور مفارقت اختیار کر لے، ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کی حدیث کی بنیاد پر کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں ثابت پر دین اور اخلاق کے حوالے سے کوئی قدغن نہیں لگاتی لیکن میں ناشکری سے خائف ہوں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اس کا باغ واپس کر دے گی؟ اس نے کہا: ہاں، واپس کرتی ہوں، تو آپ ﷺ نے اس کے خاوند کو حکم دیا اور وہ جدا ہو گیا۔

اور اگر دونوں کے مابین جھگڑا ہو جائے تو حاکم شرعی کی طرف رجوع کیا جائے گا، تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کیا جا سکے۔ (اللجنة الدائمة: 8990)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5273]

268۔ عورت نے اپنے خاوند سے خلع کیا اب دونوں ہی رجوع کے لیے راغب ہیں۔

اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ اس نے خلع کیا اور خاوند نے طلاق دے دے، اگر تو یہ تیسری طلاق نہیں تھی تو اس عورت سے نئے عقد اور نئے حق مہر کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، جبکہ عورت کی بھی رضا مندی ہو، نیز نکاح کی شروط اور ارکان بھی پورے ہوں۔ (اللجنة الدائمة: 365)

269۔ عورت کا خاوند کے حق مہر سے مزید کچھ اور دے کر خلع کرنا۔

فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ خاوند کے لیے حق مہر سے زیادہ لینا جائز نہیں، اگر ایسا کیا تو مکروہ ہے، لیکن خلع درست ہوگا، کیونکہ دونوں کی رضا مندی ہے، یہ اکثر اہل علم کا قول ہے، حضرت عثمان، ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم، عکرمہ، مجاہد، قبیصہ نخعی، مالک، شافعی رحمہ اللہ اور اصحاب رائے سے یہ منقول ہے۔ ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے کہا: اگر عورت اپنے خاوند سے اپنے شیشے اور بالوں کے گچھے کے عوض خلع کر لے تو جائز ہے، یہی مشہور مذہب ہے، یہ درست بھی ہے اور قابل عمل بھی۔

(محمد بن ابراہیم آل الشیخ: الفتاویٰ والرسائل: 242/10)

270۔ خلع کے وقت خاوند کا بیوی سے زیادہ مال کا مطالبہ کرنا۔

خاوند کا بیوی سے اس مال کی نسبت زیادہ کا مطالبہ کرنا جتنا کہ بطور حق مہر اس کو دیا تھا، بعض اہل علم نے اسے جائز قرار دیا ہے، ان کا استدلال اللہ تعالیٰ

کے فرمان کے عموم سے ہے:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾ [البقرة: 229]

''پھر اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھیں گے تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو عورت اپنی جان چھڑانے کے بدلے میں دے دے۔''

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جتنا خاوند نے دیا ہے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ آیت: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾ کا معنی بھی یہی ہے کہ جتنا خاوند نے بیوی کو دیا ہے، بیوی کو اس چیز کا مکلّف نہ ٹھہرایا جائے جو خاوند نے دیا ہی نہیں، خاوند کے زیادہ چیز کے طلب کرنے میں عورت کو نقصان ہے، کیونکہ آدمی نے اس کی شرمگاہ کو حلال کیا اور عورت نے اس کے بدلے حق مہر پایا، تو خاوند نے جو دیا ہے محض وہی لے سکتا ہے، اس سے زیادہ نفع حاصل کرنا تو یہ جائز نہیں، حنبلی مذہب میں مشہور مسئلہ یہ ہے کہ جواز اور عدم جواز کے بین بین، کیونکہ انھوں نے کہا ہے کہ اگر خاوند اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتا ہے جتنا کہ اس نے دیا تھا تو یہ مکروہ ہے۔

انسان کے لیے مناسب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے، اگر غلطی عورت کی ہو تو جو چاہے مطالبہ کرے اور اگر خطا مرد کی ہو اور عورت اس کی تقصیر کی بنا پر اس کے ساتھ رہنے سے دل برداشتہ ہو جائے تو اسے تخفیف کرنی چاہیے اور جو بھی ملے اس پر اکتفا کرنا چاہیے، پھر عورت کے مالدار اور مفلس ہونے میں بھی فرق ہے، خاوند کو چاہیے کہ اس کا بھی لحاظ رکھے۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 25/8)

271۔ حائضہ عورت کا خلع۔

جب طلاق عوض کی بنیاد پر ہو تو حالتِ حیض میں طلاق میں کوئی حرج نہیں، مثال کے طور پر میاں بیوی کے درمیان جھگڑا اور ناچاقی ہے تو خاوند عوض لے کر اسے طلاق دے سکتا ہے، یہ جائز ہے، چاہے وہ حیض میں ہی ہو، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کے دین اور اخلاق میں عیب جوئی نہیں کرتی لیکن اسلام میں ناشکری پسند نہیں کرتی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اس کا باغ واپس کرے گی؟ اس نے کہا: ہاں، تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ حائضہ ہے یا طہر میں؟ اور اس لیے بھی کہ یہ طلاق تو عورت کے اپنی جان کے فدیے کے بطور تھی، تو یہ جس حالت میں بھی ہو بوقت ضرورت جائز ہے۔

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ''المغنی'' میں کہا: حالتِ حیض میں خلع کے جواز کی علت بیان کرتے ہیں کیونکہ حیض میں طلاق کی ممانعت کا سبب وہ شر ہے جو عورت کو عدت کے طویل ہونے کی بنا پر لاحق ہوتا ہے اور خلع اس تکلیف کو ختم کرنے کی وجہ سے ہے، جو اسے ناچاقی کے سبب لاحق ہوا ہے، نیز ایسے شخص کے ساتھ رہنے سے جسے وہ ناپسند کرتی ہے اور یہ لمبی عدت کے نقصان سے بڑا نقصان ہے، تو بڑی خرابی کو چھوٹی کے ذریعہ ختم کرنا جائز ٹھہرا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خلع کرنے والی سے حالت کے متعلق دریافت نہیں فرمایا۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 236/11)

272۔ خلع کرنے والی عورت کی عدت۔

علماء نے اختلاف کیا ہے کہ خلع کرنے والی عورت تین حیض عدت

گزارے گی یا کہ ایک حیض؟ جس عورت نے مال دے کر خلع حاصل کر لیا ہے درست بات یہ ہے کہ اسے ایک حیض کافی ہے، ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، جب اس نے خاوند سے خلع لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ ایک حیض عدت گزارے، اسی طرح ثابت بن قیس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔

مقصد یہ ہے کہ خلع کرنے والی عورت اگر تین حیض عدت گزارے تو زیادہ افضل اور احتیاط والی بات ہے، اس میں علماء کا اختلاف بھی نہیں اور اگر ایک حیض عدت گزارے تو بھی اسے کافی ہے، اہل علم کے دو اقوال میں سے زیادہ صحیح یہی ہے، کیونکہ سنت سے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ واللہ ولي التوفيق. (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 177/22)

ظہار کے احکام

273۔ ظہار اور اس کا کفارہ۔

ظہار یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دے جو ہمیشہ ہمیش کے لیے اس پر حرام ہے، مثلاً وہ کہتا ہے: تو میری ماں کی پشت کی مانند ہے، یا میری بہن یا بیٹی کی پشت کی مانند ہے وغیرہ وغیرہ، یہ برائی اور جھوٹ ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ﴾ [المجادلة: 2]

''اور بلاشبہ وہ یقیناً ایک بُری بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔''

یہ حرام ہے، اگر خاوند ایسا کر بیٹھے تو فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ﴾ [المجادلة: 3,4]

''اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اس سے رجوع کر لیتے ہیں، جو انھوں نے کہا تو ایک گردن آزاد کرنا ہے،

اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یہ ہے وہ (کفارہ) جس کے ساتھ تم نصیحت کیے جاؤ گے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو پوری طرح باخبر ہے۔ پھر جو شخص نہ پائے تو دو پے در پے مہینوں کا روزہ رکھنا ہے، اس سے پہلے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، پھر جو اس کی (بھی) طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔''

ہم اس ظہار کرنے والے سے کہیں گے: تجھ پر گردن آزاد کرنا واجب ہے، اگر تو نہ کر سکے تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھو، ایک دن بھی ناغہ نہ کر سوائے سفر یا بیماری کے عذر کے، اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے، اس میں کفارہ ترتیب کے اعتبار سے ہے نہ کہ اختیاری، ظہار کرنے والے کے لیے یہ بھی حلال نہیں کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ﴾ [المجادلة: 3]

''اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔''

اگر اس نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لیا تو گنہگار ہوگا، اس پر لازم ہے کہ توبہ کرے، اہل علم کا کہنا ہے: اس پر لازم ہے کہ نئے سرے سے روزے رکھے، اس بنا پر اگر اس نے جماع کیا اور باقی صرف پانچ روزے رہتے تھے تو ضروری ہے کہ نئے سرے سے دو مہینوں کے روزے رکھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرط عائد کی ہے:

﴿ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ﴾ [المجادلة: 3]

''اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔''
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 2)

274۔ عورت کا اپنے خاوند سے ظہار کرنا اور کہنا: وہ میرے بھائی کی طرح ہے۔

اس قول کے متعلق حکم یہ ہے کہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ ایسا بول بولے، کیونکہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حلال قرار دیا ہے اسے حرام کے ساتھ تشبیہ دے رہی ہے، یہ بہت بڑا جھوٹ ہے، لیکن اس کا حکم ظہار والا نہیں، یعنی اس پر کفارہ ظہار لازم نہیں آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظہار کو مردوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا ﴾ [المجادلة: 3]

''اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اس سے رجوع کر لیتے ہیں۔''

لیکن عورت جب مرد سے یہ کہے گی تو اس پر قسم کا کفارہ آئے گا اور وہ ہے: دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا انھیں کپڑے پہنانا یا گردن آزاد کرنا، جو یہ نہ کر سکے وہ تین دن کے مسلسل روزے رکھے، مسکینوں کو کھانا کھلانا دو طرح ہے، یا تو وہ صبح اور شام دو وقت کھانا تیار کرے اور انھیں بلائے یا اوسط درجے کا کھانا جو اہل علاقہ کھاتے ہیں وہ ان کے سپرد کر دے، چھ کلو کی مقدار کے حساب سے زیادہ مناسب ہوگا کہ ساتھ گوشت بھی ہو، جس کا سالن بنا لیں تا کہ کھانا کھلانے کا مفہوم واضح اور کامل ہو جائے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 12)

275۔ اس حالت میں خاوند کا اپنے مال میں سے بیوی کی طرف سے کھانا کھلانا۔

کوئی مضائقہ نہیں کہ اس کی اجازت کے ساتھ خاوند اس کی طرف سے کھلا دے، اگر بیوی اجازت دے دے یا اس سے اجازت لے کر اس کے مال میں سے کھلائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 13)

276۔ بیوی ہمیشہ اپنے خاوند سے کہتی ہے: تو میرا خاوند ہے، باپ ہے، بھائی ہے اور دنیا میں میرا سب کچھ تو ہی ہے۔

یہ کلام اسے تجھ پر حرام نہیں کرتا کیونکہ اس کے قول "تو میرا باپ یا بھائی وغیرہ" ہے کا مطلب ہے کہ تو عزت و احترام میں میرے باپ اور بھائی کی طرح ہے، وہ تجھے اپنے اوپر حرام قرار دینے میں باپ یا بھائی کی مانند نہیں کہتی، اور اگر فرض کر لیا جائے کہ اس کا یہی ارادہ ہے تو بھی تو اس پر حرام نہیں ہوگا، کیونکہ ظہار عورتوں کی طرف سے ان کے خاوندوں سے نہیں ہوتا، بلکہ صرف مردوں کی طرف سے ان کی عورتوں سے ہوتا ہے، اس لیے جب کوئی عورت اپنے خاوند سے ظہار کرتی ہے، بایں طور کہ وہ کہے تو میرے باپ یا میرے بھائی وغیرہ کی پیٹھ کی مانند ہے، یقیناً یہ ظہار نہیں ہوگا، بلکہ اس کا حکم قسم کا ہوگا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت قسم کے کفارہ سے ہی خاوند کو اپنے اوپر قدرت دے پائی گئی، چاہے خاوند کے قریب آنے سے پہلے کفارہ دے دے یا چاہے تو بعد میں، کفارہ قسم یہ ہے: دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا یا گردن آزاد کرنا، اگر یہ نہ کر سکے تو تین دن کے مسلسل روزے رکھنے ہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 19)

277۔ بیوی کا اپنے خاوند سے خوش طبعی کرتے ہوئے کہنا: اے بیٹے!

میاں بیوی کا ایک دوسرے کو ایسے قریبی مردوں یا عورتوں سے تشبیہ دینا، جو ان پر حرام ہیں، مکروہ ہے، جیسا کہ وہ اپنی بیوی سے کہے: اے میری ماں! اے بہن! یا وہ اس سے کہے: اے باپ! اے بھائی وغیرہ۔

(اللجنة الدائمة: 30229)

278۔ آدمی اپنی بیوی کو محبت سے کہے: اے میری بہن! اے میری ماں!

خاوند کے لیے جائز ہے کہ اپنی بیوی کے متعلق ایسے کلمات کہے جس سے محبت و الفت پیدا ہوتی ہو، چاہے وہ اے میری ماں! میری بہن! جیسے کلمات ہی کیوں نہ ہوں، اگرچہ کچھ اہل علم نے ایسی عبارت سے خاوند کے بیوی سے مخاطب ہونے کو مکروہ سمجھا ہے لیکن ناپسندیدگی کی کوئی وجہ نہیں، اس لیے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور اس آدمی کا نظریہ یہ نہیں کہ وہ حرام ہونے میں اس کی بہن ہے، اس کا رادہ محض یہ ہے کہ وہ بیوی سے چاہت و محبت کا اظہار کرے، ہر وہ چیز جو میاں بیوی کے مابین محبت کا باعث بنے وہ جائز اور امر مطلوب ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 19)

279۔ آدمی نے اپنے ظہار کو بیوی کے ایک معین کام کے نہ کرنے پر معلق کیا، اس نے وہ کام کرلیا اور کہا کہ میں بھول گئی تھی۔

اگر تیری بیوی بھول گئی تھی تو تجھ پر کوئی کفارہ نہیں ہے، کیونکہ راجح قول یہی ہے کہ جس نے دوسرے کی قسم کو بھول کر توڑ دیا تو دوسرا حانث نہیں ہوگا،

جس طرح کہ خود قسم اٹھانے والا بھول جائے اور وہ کام کر بیٹھے تو اس پر بھی کفارہ نہیں آتا۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 20)

280۔ دل میں بیوی کو حرام کہنا۔

سوال آدمی سگریٹ نوشی کرتا ہے اور ان کے ترک کا عزم کرتے ہوئے دل میں کہتا ہے: اگر میں نے دوبارہ سگریٹ نوشی کی تو مجھ پر میری بیوی حرام، وہ بھول جاتا ہے اور پھر نوش کر جاتا ہے؟

جواب اگر تو یہ صرف اپنے دل میں کہا تھا اور زبان سے تلفظ نہیں کیا تھا تو اس کا کوئی حکم ہے نہ تاثیر، اور اگر تو نے زبان سے کہا تھا اور تیرا مقصد چھوڑنے اور منع ہونے پر تاکید تھا تو اس کا حکم قسم کا ہے، اور اگر تو نے جانتے بوجھتے سگریٹ نوشی کی تو تجھ پر قسم کا کفارہ آئے گا اور اگر بھول چوک سے پی گیا تو کوئی حرج نہیں، لیکن جانتے بوجھتے ایسا کرنے کی جسارت مت کرنا، اگر اس کے بعد دوبارہ پیئے گا اور تجھے یاد بھی ہوگا تو قسم کا کفارہ دے گا اور وہ ہے: دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، ان کو کپڑے پہنانا یا گردن آزاد کرنا، تجھے ان تینوں میں اختیار ہے، کھانا کھلانے کی کیفیت یہ ہے کہ یا تو ان کو صبح اور شام کو کھلا دے، یا ان کے سپرد چھ کلو کی مقدار میں چاول کر دے، ساتھ میں گوشت بھی ہو جو اس کو کفایت کرے، چاہے ایک ہی گھر میں یا متعدد گھروں میں، اگر تجھے فقراء نہ ملیں جنھیں تو یہ سامان دے سکے تو تین دن کے مسلسل روزے رکھ لے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 18)

281۔ عقدِ نکاح سے قبل ہی اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔

عقدِ نکاح پر اس بات کا کوئی اثر نہیں، کیونکہ یہ اس سے پہلے کی بات

ہے، نہ اس سے ظہار کا کفارہ لازم آئے گا، کیونکہ وہ لڑکی ابھی تک اس کی بیوی نہیں بنی تھی، البتہ اس پر قسم کا کفارہ ضرور آئے گا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۝ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ﴾ [المائدة: 87 تا 89]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! وہ پاکیزہ چیزیں حرام مت ٹھہراؤ جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اور اللہ نے تمھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے حلال، طیب کھاؤ اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو۔ اللہ تم سے تمھاری قسموں میں لغو پر مؤاخذہ نہیں کرتا اور لیکن تم سے اس پر مؤاخذہ کرتا ہے جو تم نے پختہ ارادے سے قسمیں کھائیں تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا درمیانے درجے کا، جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا انھیں کپڑے پہنانا، یا ایک گردن آزاد کرنا، پھر جو نہ پائے تو تین دن

کے روزے رکھنا ہے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے، جب تم قسم کھا لو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

نیز فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾

[التحریم: 1,2]

"اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے؟ تو اپنی بیویوں کی خوشی چاہتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم والا ہے، بے شک اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ تمہارا مالک ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔"

تو جس آدمی کی طرف سے یہ تحریم وارد ہوئی اس پر لازم ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے اوسط درجے کا جو اپنے گھر والوں کو کھلاتا ہے، ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا چاول یا کھجور یا علاقے کے اناج کا دے وہ جو بھی ہو، یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنا دے یا ایک گردن آزاد کرے، اگر ایسا نہ کر سکے تو تین دن کے روزے رکھے، افضل یہ ہے کہ روزے مسلسل رکھے۔ (اللجنة الدائمة: 1476)

282۔ آدمی نے اپنی بیوی سے ظہار کیا پھر بغیر کفارہ دیے کئی سال اس کے ساتھ رہتا رہا۔

جس مدت میں تو بغیر کفارہ دیے اپنی بیوی کے ساتھ رہتا رہا اور تجھے علم

نہ تھا تو تجھ پر کوئی چیز نہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ [البقرة: 286]

''اے ہمارے رب! ہم سے مؤاخذہ نہ کر، اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں نے کیا'' اور اگر تو بے علم نہ تھا تو تو یقیناً گنہگار ہے، تجھ پر لازم ہے کہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرو۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 15)

283۔ بلا قصد اپنی بیوی کے بارے کہتا ہے: وہ اس سے نہیں بلکہ اپنی ماں سے جماع کرتا ہے۔

میاں بیوی کے مابین نزاع و اختلاف کے وقت خاوند کا بلا قصد یہ کہنا کہ وہ اپنی بیوی سے نہیں بلکہ اپنی ماں سے مباشرت کرتا ہے، ظہار سمجھا جائے گا، یہ کہنا بہت ہی بری اور جھوٹی بات ہے، مسلمان کے لیے ایسی گفتگو حرام ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَّاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴾ [المجادلة: 2]

''وہ لوگ جو تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں ان کے سوا کوئی نہیں جنھوں نے انھیں جنم دیا اور بلاشبہ وہ یقیناً ایک بُری بات اور جھوٹ کہتے ہیں اور بلاشبہ اللہ یقیناً بے حد معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔''

اور جب وہ اپنی بیوی کے پاس آنا چاہے تو اسے چھونے سے پہلے کفارے کی ادائیگی ضروری ہے، وہ ایک مومن گردن آزاد کرے گا، اگر نہ پائے تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے گا اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ﴾ [المجادلة: 3,4]

اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اس سے رجوع کر لیتے ہیں، جو انھوں نے کہا تو ایک گردن آزاد کرنا ہے، اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یہ ہے وہ (کفارہ) جس کے ساتھ تم نصیحت کیے جاؤ گے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، پوری طرح با خبر ہے۔ پھر جو شخص نہ پائے تو دو پے در پے مہینوں کا روزہ رکھنا ہے، اس سے پہلے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، پھر جو اس کی (بھی) طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ اس لیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

(اللجنة الدائمة: 133)

284۔ مسئلہ۔

ایک آدمی اپنی بیوی سے کہتا ہے: تجھے طلاق ہے، تو مجھ پر ایسے ہی حرام

ہے، جیسے مکہ یہودیوں پر حرام ہے، پھر اس سے رجوع کر لیا اور رجوع پر گواہ بنائے، نیز رجوع طلاق کے فوراً بعد ہو گیا تھا۔

خاوند کا یہ کہنا کہ ''تجھے طلاق ہے'' اگر یہ تیسری طلاق نہ ہو تو ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی اور خاوند کا رجوع کرنا صحیح ہے، اس کے لیے عورت کی رضا مندی یا نئے عقد کی ضرورت نہیں اور اگر یہ تیسری طلاق ہے تو پھر اس خاوند کے لیے یہ بیوی جائز نہیں، حتی کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، وہ اس کے ساتھ دخول کرے، اسے طلاق دے اور یہ عدت سے نکل جائے اور یہ سب حیلہ نہ ہو۔

اور اس کا یہ کہنا کہ: ''تو مجھ پر ایسے حرام ہے، جیسے مکہ یہودیوں پر'' اگر وہ طلاق تیسری تھی تو پھر عورت اجنبی ہو گئی ہے اور ان الفاظ سے کچھ واقع نہیں ہوگا اور اگر وہ طلاق تیسری نہ تھی تو پھر ان الفاظ سے ظہار ہو جائے گا، اس پر کفارۂ ظہار لازم آئے گا، ایک گردن آزاد کرنا، اگر نہ پائے تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنا، اگر نہ کر سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، ہر مسکین کے لیے علاقائی اناج کا آدھا صاع ہے، خاوند کے لیے بیوی سے تعلق قبل از کفارۂ ظہار جائز نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 221)

285۔ آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: تو ایک سال تک مجھ پر میری ماں کی شرمگاہ کی مانند ہے۔

یہ ایسا ظہار ہے جس کا وقت متعین کر دیا گیا ہے، اگر عورت ایک سال تک جماع سے صبر کرتی ہے تو خاوند پر کوئی حکم نہیں لگ سکتا، لیکن اگر وہ صبر نہ کر پائی اور خاوند کی علیحدگی پر چار ماہ گزر گئے اور عورت نے جماع کا مطالبہ بھی کیا،

اگر اس نے مطالبہ پورا نہ کیا تو ایک طلاق متصور ہو جائے گی اور اگر وہ لوٹ آیا اور جماع کر لیا تو اس پر ظہار کا کفارہ لازم آئے گا، دو ماہ کے مسلسل روزے، چھونے سے پہلے، کیونکہ اس وقت آزاد کرنا مشکل ہے، اور اگر ایسا نہ کر سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ وباللّٰہ التوفیق

(محمد بن ابراہیم آل الشیخ: الفتاویٰ والرسائل: 115/11)

286۔ آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: تو میرے لیے میری ماں کی شرمگاہ جیسی ہے۔

تیرا اپنی بیوی سے یہ بات کہنا ظہار سمجھا جائے گا، اس میں بیوی کو چھونے سے قبل کفارہ دینا ہوگا، ایک مومنہ گردن آزاد کرنا، اگر تو نہ کر سکے تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے گا اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 12842)

287۔ شادی شدہ آدمی کا اپنی ساس سے جھگڑا ہوا، اس نے کہا: تیری بیٹی آج کے بعد میری ماں!

جب اس نے کہا کہ: تیری بیٹی میری ماں ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے اس سے ظہار کیا ہے، گویا اس نے کہا: وہ میری ماں ہے، یا میری ماں کی پشت کی طرح ہے، اور یہ حرام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ﴾ [المجادلة: 2]

”وہ لوگ جو تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں ان کے سوا کوئی نہیں جنھوں نے انھیں جنم دیا اور بلاشبہ وہ یقیناً ایک بُری بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔“

وہ اس کی ماں نہیں ہے، وہ تو اس کی بیوی ہے، ایسا کلام اس پر حرام ہے، لیکن اگر اس نے ایسا کہہ لیا ہے تو کفارہ ظہار سے قبل اس کو چھونا جائز نہیں، کفارہ یہ ہے: ایک گردن آزاد کرنا، اگر نہ پائے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا اور اگر نہ رکھ سکے تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا، نیز یہ کفارہ ترتیب سے ہے نہ کہ اختیار سے۔

أولاً: اگر طاقت رکھتا ہے تو گردن آزاد کرنا۔

ثانیاً: اگر گردن آزاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو روزے رکھنا واجب ہیں۔

ثالثا: اگر روزے بھی نہیں رکھتا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

کفارہ کی ادائیگی سے قبل بیوی کو نہیں چھوسکتا۔ (الفوزان: المنتقی: 278)

288۔ بیوی کے حقوق کا مسئلہ جبکہ خاوند کفارہ کی ادائیگی میں تاخیر کرے۔

آدمی اپنی بیوی سے ظہار کرے تو بیوی کو حق حاصل ہے کہ اپنے خاص حقوق کا مطالبہ کرے، اگر خاوند عدم ادائیگی پر مصر رہے تو حاکم سے فیصلہ کروائیں۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 2)

ایلاء اور لعان

289۔ بیوی سے جنسی عمل کے ترک کی قسم کھانا۔

مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنی بیوی سے ترکِ وطی کی قسم کھائے، اگر اس نے ایسا کیا تو چار ماہ کی مدت مقرر کر دی جائے گی، اگر وہ لوٹ آیا اور وطی کر لی تو درست اور اگر اس نے لوٹنے سے انکار کر دیا تو ان دونوں کے مابین حاکم شرعی جدائی کر دے گا، کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَاۗءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ [البقرة: 226,227]

''اور ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں سے قسم کھا لیتے ہیں چار مہینے انتظار کرنا ہے، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ اور اگر طلاق کا پختہ ارادہ کر لیں تو بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

(اللجنة الدائمة: 10298)

290۔ تین ماہ سے زیادہ عرصہ کے لیے بیوی کو چھوڑ دینا۔

جس نے تین ماہ سے زیادہ عرصہ اپنی بیوی کو چھوڑا، اگر تو یہ بیوی کی

نافرمانی کے سبب تھا، یعنی بیوی پر ازدواجی حقوق جو واجب ہیں ان میں خاوند کی نافرمانی کرتی ہے، خاوند کے پند و نصائح کرنے اور خدا خوفی دلانے کے باوجود اپنے رویے پر قائم رہتی ہے تو اسے چاہیے اسے بستر میں چھوڑ دے، جب تک بھی چاہے، تا آنکہ وہ اپنی چاہت سے حقوق بجا لانے کے لیے تیار ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی بیویوں کو چھوڑا تھا اور ایک ماہ تک ان کے پاس نہیں تشریف لائے تھے، لیکن بات چیت تین دن سے زیادہ ترک نہ کرے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں:

«ولا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاثة أيام»[1]

''اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دنوں سے زیادہ چھوڑے۔''

اگر بیوی کی تقصیر اور کوتاہی کے بغیر ہی خاوند چار ماہ سے زیادہ عرصہ تک بیوی کو چھوڑے رکھے، اگرچہ اس کی قسم نہ بھی اٹھائے تو اس کے لیے ''ایلاء'' والی مدت (چار ماہ) مقرر کی جائے گی، جب چار ماہ گزر جائیں اور بیوی سے اگلی جانب جماع نہ کیا، جبکہ یہ جماع پر قادر ہو اور عورت بھی حیض یا نفاس میں نہ ہو تو پھر اسے طلاق دینے کا حکم دیا جائے گا، اگر بیوی سے رجوع پر انکاری ہے اور طلاق بھی نہیں دیتا تو قاضی طلاق دلوائے گا، یا عورت کو فسخِ نکاح سے جدا کر دے گا، اگر وہ ایسا چاہتی ہو۔ (اللجنة الدائمة: 20443)

291۔ مسئلہ۔

سوال اس نے بیوی سے قسم اٹھائی کہ میں چار ماہ سے زیادہ مدت تجھ

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [6065] صحيح مسلم [2559/23]

سے جماع نہیں کروں گا، پھر چار ماہ سے پہلے ہی اس کے ساتھ جماع کرلیا؟

جواب اگر واقعتاً ایسا ہی ہوا ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا، دس مسکینوں کو (اوسط درجے کا جو تو اپنے گھر والوں کو کھلاتا ہے) کھانا کھلانا، یا انھیں کپڑے پہنانا یا ایک مومنہ گردن آزاد کرنا، اگر اس کی استطاعت نہ رکھے تو تین دن کے روزے ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 9404)

292۔ لعان والی عورت سے نکاح کرنا۔

جب میاں بیوی کے مابین لعان کا عمل مکمل ہوجائے تو ان کے درمیان ہمیشہ ہمیش کے لیے جدائی ڈال دی جائے گی، وہ اس کے لیے کسی صورت حلال نہیں ہوسکتی، اب یہ عورت عدت گزارنے کے بعد کسی اور سے نکاح کرسکتی ہے، جب نکاح کی شروط پوری ہوں اور کوئی مانع نہ ہو، کتاب و سنت کے عمومی دلائل اس کو ثابت کرتے ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 8947)

293۔ اس بچے کا حکم جس کے ماں باپ نے لعان کیا ہو۔

جب شرعی لعان پورا ہوجائے گا تو بچہ ماں سے لاحق کیا جائے گا، نہ کہ اس کے ساتھ جس سے اس کی ماں سے لعان کیا، نہ ہی ان دونوں کے درمیان وراثت ہوگی، جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہے۔ (اللجنة الدائمة: 4091)

منہ بولا بیٹا

294۔عورت کا چھ ماہ میں بچہ جننا۔

خاوند کے ملاپ کے چھ یا زیادہ ماہ بعد عورت بچہ پیدا کر لے تو بچہ خاوند کا ہی ہوگا، اس لیے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ [الأحقاف: 15]

''اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔''

اس کے ساتھ یہ بھی فرمان ہے:

﴿ وَّ فِصٰلُهُ فِيْ عَامَيْنِ﴾ [لقمان: 14]

''اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے۔''

جب دودھ پلانے میں دو سال (چوبیس مہینے) لگیں گے تو حمل کے لیے صرف چھ ماہ ہی باقی بچیں گے۔ (اللجنة الدائمة: 8576)

295۔اس عورت کی اولاد جو نماز نہیں پڑھتی۔

تیری بیوی کے ترکِ نماز سے توبہ سے پہلے کی اولاد تیری ہی سمجھی جائے گی کیونکہ اس میں شبہ نکاح ہے۔ (اللجنة الدائمة: 12406)

296۔ بچے کی نسبت ماں کی طرف کرنا۔

بچے کی نسبت اس کے باپ کی طرف کرنا واجب ہے، ماں کی طرف نسبت جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [الأحزاب: 5]

''انھیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے ہاں زیادہ انصاف کی بات ہے۔''

اگر اس کے باپ کا علم نہ ہو تو کسی اور مناسب نام کی طرف منسوب کیا جائے گا، جیسا کہ عبداللہ یا عبدالرحمٰن وغیرہ۔ (اللجنة الدائمة: 17904)

297۔ عورت کا نام اس کے خاوند کے نام پر رکھنا۔

انسان کی نسبت باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [الأحزاب: 5]

''انھیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے ہاں زیادہ انصاف کی بات ہے۔''

جو باپ کے علاوہ کسی کی طرف نسبت کرتا ہے اس کے بارے سخت وعید آتی ہے تو عورت کی نسبت اس کے خاوند کی طرف جائز نہیں ہے، جیسا کہ کفار اور ان کی مشابہت اختیار کرنے والے مسلمانوں میں یہ عادت پائی جاتی ہے۔

(اللجنة الدائمة: 18147)

298۔ ولدِ زنا کا حکم۔

اس کا حکم اس کی ماں کے حکم کی مانند ہے، علماء کے دو اقوال میں زیادہ صحیح قول کی روشنی میں وہ اپنی ماں کے تابع ہے، اگر وہ مسلمان ہے تو یہ بھی مسلمان ہے اور اگر کافر ہے تو یہ بھی کافر ہے، یہ اپنی ماں کی طرف ہی منسوب ہوگا نہ کہ زانی کی طرف، اس کی ماں اور اس سے زنا کرنے والے کا فعل اس کے لیے مضر نہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ [الفاطر: 18]

”اور کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔“

(اللجنة الدائمة: 6499)

299۔ ولدِ زنا کی وراثت کا حکم جبکہ اس کا نسب زانی سے ثابت ہوجائے۔

علماء کے اقوال میں سے صحیح یہ ہے کہ بچے کا نسب وطی کرنے والے سے نہیں ثابت ہوتا، الا یہ کہ وطی کا ذریعہ نکاح صحیح یا نکاح فاسد یا نکاح شبہ ہو یا پھر وطی ملکِ یمین یا شبہ ملک یمین سے ہوئی ہو، اس طرح وطی کرنے والے سے اس کا نسب ثابت ہوجائے گا، وہ ایک دوسرے کے وارث بنیں گے، اگر وطی زنا ہے تو پھر بچہ زانی سے نہیں ملایا جائے گا اور نہ ہی اس کا اس تک نسب ثابت ہوگا، اس بنا پر وہ اس کا وارث بھی نہیں بن سکے گا۔ (اللجنة الدائمة: 3408)

300۔ ولدِ زنا کا حکم جبکہ اس کا باپ اعتراف کر لے اور اس کی ماں غیر شادی شدہ ہو۔

زنا سے بچے کا نسب زانی کے لیے ثابت نہیں ہوسکتا، کیونکہ نبی کریم ﷺ

کا فرمان ہے:

«الولد للفراش وللعاهر الحجر» [1]

''بچہ بستر کے لیے ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔''

زانی کے لیے جائز ہے کہ عدت گزرنے اور خالص توبہ کرنے کے بعد زانیہ سے شادی کر لے۔ (اللجنة الدائمة: 5236)

301۔ ولدِ زنا کا جنت میں جانا۔

ولدِ زنا کو اس کی ماں اور اس کے ساتھ زنا کرنے والے کا گناہ لاحق نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ گناہ جس کا ان دونوں نے ارتکاب کیا، کیونکہ یہ اس کا کام نہیں ہے، بلکہ ان دونوں کا گناہ انھی پر ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ﴾ [البقرة: 286]

''اسی کے لیے ہے جو اس نے (نیکی) کمائی اور اسی پر ہے جو اس نے (گناہ) کمایا۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ [الأنعام: 164]

''اور کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔''

اس کی صورت حال دوسروں کی طرح ہی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، عمل صالح بجا لاتا ہے اور اسلام پر مرتا ہے تو اس کے لیے جنت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور کفر پر مرتا ہے تو جہنمیوں سے ہے، اور اگر نیک اور بد ملے جلے اعمال کرتا ہے اور اسلام پر مرتا ہے تو اس کا معاملہ اللہ

---

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [2053] صحيح مسلم [1457/36]

تعالیٰ کے سپرد ہے، اگر چاہے تو سزا دے، اس کا اخیر انجام اللہ کے فضل و رحمت سے جنت ہے اور وہ حدیث جس میں ہے کہ ولدِ زنا جنت میں نہیں جائے گا، وہ موضوع (من گھڑت) ہے۔ (اللجنة الدائمة: 2387)

302۔ ولدِ زنا کے حقوق۔

اگر اس کی ماں مسلمان ہے تو اس کے حقوق دیگر مسلمانوں کی اولاد جیسے ہیں، کیونکہ وہ اپنی ماں کے تابع ہے، اس کے حقوق اسی پر ہیں، پھر اس پر جس کا وہ اس کے رشتہ داروں میں سے وارث بنے گا، پھر مسلمانوں کی جماعت پر، نہ کہ زانی پر، کیونکہ وہ اس کا شرعی باپ نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 5512)

303۔ باپ چاہے بھی تو متبنیٰ بنانا جائز نہیں ہوسکتا۔

لوگوں میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ کسی کے لیے اپنی اولاد سے پہلو تہی اختیار کرے کہ اس کا اپنی اولاد سے نسب ٹوٹ جائے اور دوسرے کے ساتھ جڑ جائے، جس طرح کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے نسب میں اس کو شامل کرے جو اس میں سے نہیں ہے، یہ نص اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے۔
(اللجنة الدائمة: 3149)

304۔ لڑکی کا لے پالک بنانے والے باپ سے خلوت اختیار کرنا۔

متبنیٰ (لے پالک بنانا) تجھے اس آدمی کی بیٹی نہیں بناتا جس نے تجھے لے پالک بنایا ہے، جس طرح کے دورِ جاہلیت میں ہوتا تھا، ہاں اس آدمی کا اپنے لے پالک پر احسان، بچپن کی تربیت، اس کی ضروریات کا تحفظ، یہاں تک کہ وہ بڑا اور سمجھدار ہو جائے اور اپنے کاموں کے لیے خود کفیل اور ذاتی زندگی

میں خود مختار ہو جائے، اس پر ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ اچھائی کا برتاؤ کریں گے، جیسا کہ اس نے اس بچی پر احسان کیا، لیکن وہ اس کا باپ ہے نہ محرم ہے، لازم ہے کہ لڑکی اس سے پردہ کرے، اس لڑکی کا معاملہ اس کے ساتھ ایک اجنبی کا سا ہے، لہٰذا عدم خلوت اور حجاب کی پابندی میں وہ اس کے احسان کا بدلہ احسان سے اور اچھائی کا بدلہ اچھائی سے دیتی رہے۔

(اللجنة الدائمة: 10632)

305۔ جس نے دنیاوی مصلحت کی خاطر جہالت کے سبب اپنے باپ کا نام بدل دیا۔

دنیاوی مصلحت کے لیے کسی انسان کا اپنے باپ کے نام کو بدلنا ناجائز ہے کیونکہ کسی اور سے نسبت قائم کر کے یہ شان و شوکت اور وجاہت کا خواہاں ہے اور اپنے باپ کے نسب سے بلند تر ہونا چاہتا ہے، یہ کبیرہ گناہ ہے، اس لیے کہ اس میں جھوٹ، فریب، باپ کی حقارت اور اس کے نسب سے اعراض سے اس کی ذلت و پسپائی ہے، اور اگر اس کا مقصد مال، یا وراثت یا حکومت وغیرہ کا حصول ہے تو یہ بھی کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ اس میں جھوٹ، دھوکہ، نسبی فریب اور باطل طور پر مال کھانا ہے، پھر اس میں نسب کو بدلنا بھی ہے یا ایسی چیز ہے جو نسب بدلنے کی طرف لے جاتی ہے اور نسب کو خلط ملط کر دیتی ہے، نیز وہ نکاح اور مال وغیرہ جو اللہ تعالیٰ نے حلال کیے ہیں، وہ حرام اور جو حرام کیے ہیں وہ حلال کرنے کا بھی گھناؤنا جرم ہے، یقیناً یہ بہت بڑا فساد ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ليس من رجل ادعى لغير أبيه وهو يعلمه إلا كفر)) [1]

[1] **متفق عليه**. صحيح البخاري [3508] صحيح مسلم [61/112]

"جو آدمی بھی جانتے بوجھتے ہوئے غیر باپ کا دعویٰ کرتا ہے وہ کفر کرتا ہے۔"

نیز فرمایا:

«من ادعى إلى غير أبيه وهو يعلم أنه غير أبيه فالجنة عليه حرام»[1]

"جس نے اپنے غیر باپ کا دعویٰ کیا اور وہ جانتا ہے کہ وہ اس کا باپ نہیں تو جنت اس پر حرام ہے۔"

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:

«لا ترغبوا عن آبائكم، فمن رغب عن أبيه فهو كفر»[2]

"اپنے باپوں سے اعراض نہ کرو، جس نے اپنے باپ سے اعراض کیا اس نے کفر کیا۔"

جس نے غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کی، رسول اللہ ﷺ نے اس سے ڈرایا ہے اور سخت وعید بیان کی ہے، یہاں تک کہ اس پر کفر کا حکم لگایا ہے اور جنت حرام قرار دی ہے، جس آدمی سے یہ ارتکاب ہوا وہ اس سے لاتعلق ہو جائے اور اپنی تقصیر پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرے۔ (اللجنة الدائمة: 1710)

306۔ مسئلہ۔

میں نے ایک لڑکی کو متبنّٰی بنا کر اس کی تربیت کی، اس کے جوان ہونے کے بعد میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس کی شادی اپنے کسی بیٹے سے کرا دوں، یہ حلال ہے یا حرام ہے؟

---

1. متفق عليه. صحيح البخاري [6766] صحيح مسلم [63/115]
2. متفق عليه. صحيح البخاري [6768] صحيح مسلم [62/113]

اسلام میں متبنّٰی بنانا ناجائز ہے، اولاد کو صرف ان کے باپوں کے ناموں سے ہی پکارا جائے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ﴾ [الأحزاب: 5]

''انھیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے ہاں زیادہ انصاف کی بات ہے، پھر اگر تم ان کے باپ نہ جانو تو وہ دین میں تمھارے بھائی اور تمھارے دوست ہیں۔''

البتہ تیرا اپنے بیٹے سے اس لڑکی کی شادی کرنا جائز ہے، جبکہ کوئی رضاعت وغیرہ کا مانع نہ ہو کہ جس سے حرمتِ نکاح ثابت ہوتی ہو، نکاح کے ارکان اور شروط پوری ہوں، شروط یہ ہیں: سرپرست، دو عادل گواہ اور لڑکی کی رضا مندی۔

(اللجنة الدائمة: 11365)

307۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کا قصہ۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ، حارثہ بن شراحیل کلبی کے بیٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کیا اور متبنّٰی بنا لیا، چنانچہ انھیں زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہا جانے لگا، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرما دی:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ﴾ [الأحزاب: 5]

''انھیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔''

تو لوگوں نے زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا محمد بن رباب الاسدی کی بیٹی ہیں، ان کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

پھوپھو ہیں، نبی کریم ﷺ نے زید کی شادی زینب سے خود ہی کروائی تھی، کیونکہ وہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ اور متبنی تھے، آپ ﷺ نے خود ہی زید کے بارے زینب کے پاس پیغامِ نکاح بھیجا، انھوں نے انکار کیا اور کہا: میں خاندانی اعتبار سے اس سے فائق ہوں۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرما دی:

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ [الأحزاب: 36]

''اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقیناً وہ گمراہ ہوگیا، واضح گمراہ ہونا۔''

سو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کے تکمیلِ شوق کی خاطر حامی بھر لی، ایک سال تک زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں، پھر ان کے مابین کوئی اختلاف ہوا جو میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی، کیونکہ وہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ و متبنی تھے، اور زینب آپ ﷺ کی پھوپھی امیمہ کی صاحبزادی تھیں، زید رضی اللہ عنہ نے طلاق کا ارادہ بھی ظاہر کیا، لیکن نبی ﷺ نے اسے روکے رکھنے اور صبر کی تلقین فرمائی، حالانکہ آپ ﷺ کو وحی کی روشنی میں علم ہو چکا تھا کہ زید رضی اللہ عنہ اسے طلاق دے دیں گے اور اس کا نکاح آپ ﷺ سے ہو جائے گا، لیکن آپ ﷺ لوگوں کی باتوں سے ڈر گئے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کی بیوی (بہو)

سے شادی کر لی ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں یہ ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر اپنے نبی ﷺ کو خبردار کیا:

﴿وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ﴾ [الأحزاب: 37]

''اور جب تو اس شخص سے، جس پر اللہ نے انعام کیا اور جس پر تو نے انعام کیا، کہہ رہا تھا کہ اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا، اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تو اس سے ڈرے۔''

یعنی (واللہ اعلم) زید رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو طلاق دینا اور آپ کا اس سے نکاح کرنا ایسا معاملہ ہے جسے آپ چھپا رہے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دے دی تھی، حکم الٰہی کے نفاذ اور اس کی حکمت کو ثابت کرنے میں آپ ﷺ لوگوں کے طعنوں اور ان کی باتوں سے خائف تھے، حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ ﷺ اللہ سے ڈرتے اور اللہ تعالیٰ کے پیغام وحی کا برملا اظہار کرتے، اپنے معاملے اور زید اور اس کی بیوی کے معاملے کی تفصیل لوگوں کی طعن و تشنیع کے بغیر بیان کرتے۔

رہا نبی کریم ﷺ کا زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کرنا تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ زید کے طلاق دینے کے بعد جب زینب رضی اللہ عنہا عدت گزار چکیں تو آپ ﷺ نے پیغام نکاح بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے خود ہی بغیر سرپرست اور گواہوں کے آپ ﷺ کا نکاح زینب کے ساتھ کر دیا، نبی ﷺ تمام مومنوں کے ولی ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ ان کی جانوں کے قریب ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ [الأحزاب: 6]

”یہ نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے جہالت والی متبنّٰی بنانے کی رسم کا خاتمہ کر دیا اور مسلمانوں کے لیے حلال قرار دیا کہ اپنے لے پالکوں کی بیویوں سے شادی کر لیں، جبکہ وہ ان سے موت یا طلاق کے سبب جدا ہو جائیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین پر رحمت اور رفع حرج ہے۔ اور یہ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پردوں کے پیچھے سے زینب رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور وہ آپ ﷺ کے دل میں رچ بس گئی، آپ ﷺ اس کے فتنے اور عشق میں مبتلا ہو گئے جس کا علم زید رضی اللہ عنہ کو ہو گیا، وہ اپنی بیوی کو ناپسند کرنے لگے اور نبی ﷺ کی چاہت کو ترجیح دیتے ہوئے زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی، تاکہ آپ ﷺ اس سے نکاح کر لیں۔ یہ سب کچھ غیر ثابت اور بہتان تراشی ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کی شان سب سے عظیم، نفس سب سے پاک، سب سے اعلیٰ اور شرف و منزلت میں سب سے بلند تر ہوتے ہیں، ان سے ایسی چیزیں صادر نہیں ہو سکتیں، اس پر مستزاد یہ کہ نبی ﷺ نے خود ہی زید رضی اللہ عنہ کا نکاح زینب رضی اللہ عنہا سے کیا تھا، اگر آپ ﷺ کے دل میں ایسی ویسی کوئی بات ہوتی تو پہلے ہی خود اس سے نکاح کر لیتے، جبکہ زینب بھی زید سے نکاح پر رضا مند نہ تھیں اور آیت کے نازل ہونے کے بعد راضی ہوئیں، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کی تدبیر تھی تاکہ جاہلیت کی رسم کا خاتمہ ہو اور لوگوں کے لیے تخفیف اور نرمی پیدا ہو، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ

حَرَجٍ فِيْ مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۝ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ [الأحزاب: 37 تا 40]

’’پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے تجھ سے اس کا نکاح کر دیا، تا کہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ ہو، جب وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں اور اللہ کا حکم ہمیشہ سے (پورا) کیا ہے۔ نبی پر اس کام میں کبھی کوئی تنگی نہیں جو اللہ نے اس کے لیے فرض کر دیا، یہی اللہ کا طریقہ ہے ان لوگوں میں جو پہلے گزرے اور اللہ کا حکم ہمیشہ سے اندازے کے مطابق ہے، جو طے کیا ہوا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور لیکن وہ اللہ کا رسول اور تمام نبیوں کا ختم کرنے والا اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔‘‘ (اللجنة الدائمة: 1643)

عدت اور سوگ منانا

308۔ عورتوں پر عدت فرض کرنے کی حکمت۔

اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ حکمتوں کے پیش نظر عورتوں پر عدت کو لازم قرار دیا ہے، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''إعلام الموقعین'' میں انھیں ذکر کیا ہے، ان کا کلام یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''پہلا مقام: عدت کے مشروع ہونے میں کئی حکمتیں ہیں:

1. رحم کے خالی ہونے کا علم ہونا اور یہ کہ دو یا زیادہ وطی کرنے والوں کا پانی ایک ہی رحم میں جمع نہ ہو، اس سے نسب خلط ملط اور خراب ہو جائیں گے۔ نیز اس میں ایسا فساد پایا جاتا ہے جس سے شرع اور حکمت دونوں مانع ہیں۔ اس عقد کی عظمت، بلندی شان اور اظہار شرف و منزلت بھی مقصود ہے۔
2. طلاق دینے والے کے لیے زمانہ رجوع کو طوالت دینا، شاید کے کسی روز شرمندہ ہو اور رجوع کے لیے آمادہ ہو جائے۔
3. خاوند کے حق کی ادائیگی اور زیب و آرائش کے ترک سے اس کے دنیا میں نا ہونے کی تاثیر کا اظہار یہی وجہ ہے کہ بیٹے اور باپ پر سوگ کی نسبت خاوند پر سوگ کا زمانہ کافی طویل ہے۔

4 خاوند کے حق کی احتیاط، بیوی کی مصلحت، بیٹے کا حق اور اس حق کی ادائیگی جسے اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے، سو عدت میں یہ چار حقوق ہوئے، شارع نے موت کو اس چیز کی پوری پوری ادائیگی کا قائم مقام بنایا ہے، جس پر عقد کیا گیا ہے، چونکہ نکاح کی مدت انسان کی عمر ہے، اس لیے اسے تکمیل حق مہر اور تحریم ربیبہ (پروردہ لڑکی) کا قائم مقام بنایا گیا ہے، یہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے ما بعد کی ایک جماعت کا موقف ہے، جیسا کہ یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور امام احمد کی ایک روایت میں ان کا مذہب ہے، سو عدت سے مقصود محض رحم کا خالی ہونا ہی نہیں بلکہ یہ تو اس کے چند مقاصد اور کچھ حکمتوں میں سے ایک ہے۔ (اللجنة الدائمة: 2758)

309۔ مرد کی عدت۔

مرد عورت کی طرح عدت نہیں گزارتا لیکن کبھی کبھی دوسری عورت سے شادی نہیں کر سکتا، جیسا کہ اگر ایک آدمی کی چار بیویاں ہوں، وہ ان میں سے ایک کو رجعی طلاق دے دے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کی جگہ چوتھی عورت سے نکاح کرے، تا آنکہ وہ عدت گزار لے، اس کا اس مدت میں انتظار کرنا عدت نہیں سمجھا جائے گا بلکہ عدت تو اس عورت کی نسبت سے ہے جو اس دوران بیوی کے حکم میں ہوتی ہے، اس لیے آدمی کو شادی سے روکا جاتا ہے حتی کہ اس کے عدت گزارنے سے معاملہ صاف ہو جائے۔ (اللجنة الدائمة: 4800)

310۔ جس عورت کو قبل از دخول طلاق ہو جائے اس کی کوئی عدت نہیں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾ [الأحزاب: 49]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں طلاق دے دو، اس سے پہلے کہ انھیں ہاتھ لگاؤ تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرتے ہو۔''

یہ آیت اس بارے بالکل واضح ہے کہ جس عورت کو اس کا خاوند قبل از دخول طلاق دے دے تو اس پر کوئی عدت نہیں ہے۔ (اللجنة الدائمة: 562)

311۔ اس عورت کی عدت جس کا خاوند قبل از دخول فوت ہو گیا۔

جب ایک آدمی ایک عورت سے شادی کرے اور پھر دخول سے پہلے ہی فوت ہو جائے تو عورت عدت وفات چار ماہ اور دس دن گزارے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا عموم یہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ [البقرة: 234]

''اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ (بیویاں) اپنے آپ کو چار مہینے اور دس راتیں انتظار میں رکھیں۔''

اس کے لیے وراثت بھی ہوگی، وہ چوتھائی حصے کی وارث بنے گی اگر اس کے خاوند کی کوئی اور بیوی اور اولاد نہ ہو، اور آٹھویں حصے کی وارث ہوگی اگر اس کی اولاد ہوئی، اور اگر کوئی اور بیوی بھی ہوئی تو آٹھویں حصے میں دونوں شریک ہوں گی، نیز اسے پورے کا پورا حق مہر ملے گا، خاوند نے جو بھی مقرر کیا تھا،

بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا تھا، یہ اس عورت کے خلاف ہے جسے اس کے خاوند نے قبل از دخول طلاق دے دی ہو، اس کی عدت نہیں اور حق مہر بھی صرف نصف ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾

[الأحزاب: 49]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں طلاق دے دو، اس سے پہلے کہ انھیں ہاتھ لگاؤ تو تمھارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو، سو انھیں سامان دو اور انھیں چھوڑ دو، اچھے طریقے سے چھوڑنا۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ [البقرة: 237]

''اور اگر تم انھیں اس سے پہلے طلاق دے دو کہ انھیں ہاتھ لگاؤ، اس حال میں کہ تم ان کے لیے کوئی مہر مقرر کر چکے ہو تو تم نے جو مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف (لازم) ہے، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں، یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔''

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 3)

312۔ خاوند غیر حاضر ہے اور بیوی کو طلاق دے دیتا ہے، اس کی عدت کا حکم کیا ہے؟

اگر عورت کو اس کا خاوند طلاق دے دے جبکہ وہ موجود نہ ہو تو اس پر عدت گزارنا واجب ہے، اسی طرح اگر اسے قاضی کی جانب سے طلاق دے دی جائے تو بھی عدت گزارے گی اور اس کی عدت تین حیض ہے، اگر بڑی عمر، حادثہ، آفت یا صغر سنی کی وجہ سے اسے حیض نہیں آتا تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَّالِّٰٓـئِْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالِّٰٓـئِْ لَمْ يَحِضْنَ﴾ [الطلاق: 4]

''اور وہ عورتیں جو تمہاری عورتوں میں سے حیض سے ناامید ہو چکی ہوں، اگر تم شک کرو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنھیں حیض نہیں آیا۔'' (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 12)

313۔ مفقود الخبر کی بیوی کتنا انتظار کرے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں لازماً جاننا ہوگا کہ مفقود کہتے کسے ہیں؟

مفقود: وہ ہے جس کے متعلق کوئی خبر نہ آئے، اس کی زندگی کا علم ہو نہ موت کا، اس کی بیوی اتنی مدت انتظار کرے گی جتنی قاضی مقرر کرے گا، قاضی اس مفقود الخبر شخص کے بارے غور وخوض کرے گا اور اس کے مناسب حال مدت مقرر کرے گا، جب یہ مدت گزر جائے اور اس کے متعلق کوئی خبر نہ آئے تو وہ عدتِ وفات گزارے گی اور آگے شادی کر سکے گی۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 13)

314۔ جس کا خاوند گم ہو گیا اور پھر مردہ حالت میں ملا۔

اس پر لازم ہے کہ جب وہ مردہ حالت میں ملا نئے سرے سے عدت گزارے کیونکہ اب یقین آیا ہے، یہ مدت چار ماہ اور دس دن ہے، اور اس پر سوگ بھی منائیں گے، اگر حاملہ ہے تو وضع حمل کے ساتھ عدت سے نکل آئے گی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ﴾ [البقرة: 234]

''اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ (بیویاں) اپنے آپ کو چار مہینے اور دس راتیں انتظار میں رکھیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾

[الطلاق: 4]

''اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں۔''

اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کو بچہ جننے کی وجہ سے عدت سے نکل جانے کا فتویٰ دیا تھا۔[1]

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 218/22)

315۔ حاملہ کی سوگ منانے کی عدت وضع حمل سے ختم ہو جاتی ہے۔

وضع حمل کے ساتھ ہی حاملہ کی مدتِ سوگ ختم ہو جاتی ہے، حاملہ عورتوں کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5319] صحيح مسلم [1485/57]

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق: 4]

''اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں۔''

جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہوگیا اس کے سوگ کی عدت اور مطلقہ حاملہ کی عدت ایک ہی ہے، جیسا کہ آیت کے عموم کے پیش نظر اہل علم نے فتویٰ دیا ہے، اور صحیحین میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سبیعہ اسلمیہ کو وضع حمل کے ساتھ ہی عدت سے نکل جانے کا حکم دیا تھا، کیونکہ وہ اپنے فوت شدہ خاوند کی عدت سے وضع حمل کی بناء پر خارج ہوئی تھی اور اس نے خاوند کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی بچہ جنم دے لیا تھا۔[1] (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 226/22)

316۔ آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی لیکن ایک سال بعد طلاق کے کاغذ سفر سے بھیجے۔

عدت کی ابتداء خاوند کے طلاق دینے کی تاریخ سے شروع ہوجاتی ہے نہ کہ طلاق کے کاغذ پہنچنے سے۔ عورت طلاق ملنے کے بعد تین حیض عدت گزار کر ہی شادی کر سکتی ہے، اگر حیض والیوں سے ہے، اور اگر اسے حیض نہیں آتا تو طلاق ملنے کے بعد تین ماہ گزرنے کا انتظار کرے گی اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ﴾ [البقرۃ: 228]

''اور وہ عورتیں جنھیں طلاق دی گئی ہے اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں۔''

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [5319] صحیح مسلم [1485/57]

''قروء'' سے مراد حیض ہے، نیز فرمایا:

﴿ وَالّٰٓئِیۡ یَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشۡهُرٍ وَّالّٰٓئِیۡ لَمۡ یَحِضۡنَ وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ﴾ [الطلاق: 4]

''اور وہ عورتیں جو تمہاری عورتوں میں سے حیض سے ناامید ہو چکی ہوں، اگر تم شک کرو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنھیں حیض نہیں آیا اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں۔'' (اللجنة الدائمة: 19954)

317۔ مسئلہ

سوال ایک عورت خاوند سے کہتی ہے کہ اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہو گیا تو مجھے سوگ معاف کر دینا اس نے معاف کر دیا، پھر تقدیر الٰہی سے وہ پہلے ہی فوت ہو گیا۔

جواب خاوند کی وفات کے بعد سوگ منانا بیوی پر لازم ہے، خاوند خود اسے معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لا یحل لامرأة تؤمن باللّٰه والیوم الآخر أن تحد علیٰ میت فوق ثلاث إلا علی زوج أربعة أشهر وعشراً)) [1]

''اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے سوائے خاوند کے کہ اس کا سوگ چار ماہ دس دن ہے۔'' (اللجنة الدائمة: 2493)

[1] **متفق علیه.** صحیح البخاري [1280] صحیح مسلم [1486/58]

318۔ اس آدمی کے بارے حکم شرعی کیا ہے جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور سات ماہ بعد حمل ظاہر ہو گیا؟

میری رائے کے مطابق حکم شرعی یہ ہے کہ اگر طلاق کے بعد عورت تین حیض گزار چکی ہے، تو پھر بچہ اس آدمی سے لاحق نہیں ہوگا، کیونکہ بیوی نے عدت پوری کی اور اس سے جدا ہوگئی، یہ نیا حمل ہے، اگر طلاق کے بعد اسے حیض نہیں آیا، حتی کہ حمل ظاہر ہو گیا تو وہ تا حال عدت میں ہی ہوگی، ظاہر ہے کہ یہ حمل اس کا ہے، لیکن اس کا ظہور تاخیر سے ہوا ہے، اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، یہ مرض ماں میں یا بچہ میں بھی ہو سکتا ہے، سو طلاق کے بعد حمل ظاہر ہونے تک اگر اسے حیض نہیں آیا تو بچہ اس آدمی کا ہے، اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ حمل اپنی ماں کے پیٹ میں چار سال تک رہ سکتا ہے، اور بعض کا خیال ہے چار سال سے بھی زیادہ عرصہ رہ سکتا ہے، اس دوران اگر عورت نے وطی نہیں کی تو ہمارا یقین ہے کہ حمل اس کے پیٹ میں چار سال سے زائد عرصہ رہ سکتا ہے اور وہ عورت جس شخص کے لیے حلال ہے اسی کی طرف بچہ منسوب ہوگا، وہ خاوند ہو یا آقا (عورت کے لونڈی ہونے کی صورت میں) (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 2)

319۔ عدتِ وفات گزارنے والی عورت کے واجبات۔

اگر حاملہ نہ ہو تو چار ماہ دس دن عدت گزارے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ﴾ [البقرة: 234]

"اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ (بیویاں) اپنے آپ کو چار مہینے اور دس راتیں انتظار میں رکھیں۔"

اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل سے ختم ہوگی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾

[الطلاق: 4]

"اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں۔"

اور اس پر واجب ہے کہ خوبصورت ملبوسات، سرمہ اور خوشبو سے اجتناب کرے، ہاں جب حیض سے فارغ ہو تو خوشبو کا کچھ استعمال کر سکتی ہے، اس طرح سونے چاندی وغیرہ کے زیورات سے اجتناب کرے، نیز ہاتھوں اور پاؤں میں مہندی بھی مت لگائے، صرف بیری کے پتوں سے بال دھو کر کنگھی کر سکتی ہے، جو چیزیں ہم نے ذکر کی ہیں سوگ منانے والی کو نبی کریم ﷺ نے ان کاموں سے روکا ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 187/22)

320۔ ملازم عورت عدت کیسے گزارے؟

وہ شرعی عدت گزارے گی اور دورانِ عدت شرعی سوگ منانا اس پر لازم ہوگا، دن کے وقت اپنے کام پر بھی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ من جملہ اہم ضروریات میں سے ہے، اہل علم نے ضرورت کے پیش نظر عدتِ وفات گزارنے والی کے لیے دن کے وقت گھر سے نکلنا روا رکھا ہے، اور اگر اس کے لیے رات کو نکلنا پڑے تو نکل سکتی ہے، کیونکہ ملازمت جانے کا ڈر ہے، اگر وہ اس کام کی محتاج ہے تو ملازمت جانے سے جو نقصانات ہوں گے وہ مخفی نہیں، عورت جس خاوند کی وفات کی عدت گزار رہی ہے اس کے گھر سے نکلنے کے جواز کے بارے علماء نے

کئی اسباب ذکر فرمائے ہیں، اس میں اصل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن: 16]

''سو اللہ سے ڈرو، جتنی تم طاقت رکھو۔''

نیز فرمان نبوی ہے:

((إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم)) [1]

''جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اتنا کرو جتنی استطاعت رکھتے ہو۔''

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 202/22)

321۔ عدتِ وفات گزارنے والی کے احکامات۔

1. خاوند کی وفات کے وقت جس گھر میں رہائش پذیر تھی اس میں رہے گی، کسی حاجت یا ضرورت کے بغیر وہاں سے نہیں نکل سکتی، جیسا کہ بیماری کے وقت ہسپتال جانا۔ بازار سے ضرورت کی چیز (روٹی وغیرہ) خریدنے کے لیے جانا، جبکہ کوئی اور یہ کام کرنے والا نہ ہو۔
2. خوبصورت ملبوسات سے اجتناب کرے اور عام سادہ لباس پہنے گی۔
3. خوشبو کی جمیع اقسام سے اجتناب کرے گی، ہاں حیض سے فارغ ہونے کے بعد خوشبو کا استعمال کرسکتی ہے۔
4. سونے، چاندی، ہیرے اور ہر قسم کے زیورات سے گریزاں رہے، چاہے ہار ہوں یا کنگن ہوں یا جیسے بھی ہوں۔
5. سرمے کا استعمال بھی نہ کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سوگ منانے والی کو ان کاموں سے منع کیا ہے۔

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [6858] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1337]

نیز وہ جب چاہے پانی، صابن اور بیری کے پتوں سے غسل کر سکتی ہے، رشتہ دار ہوں یا غیر ان سے جب چاہے بات چیت بھی کر سکتی ہے، اپنے محرموں کے ساتھ بیٹھ سکتی ہے، اور انھیں قہوہ اور کھانا وغیرہ پیش کر سکتی ہے، اپنے گھر میں گھر کے باغیچہ میں اور چھت پر دن اور رات کام کر سکتی ہے، اسی طرح گھریلو سب کام جیسا کہ پکانا، سینا پرونا، جھاڑو دینا، کپڑے دھونا، اور جانوروں کا دودھ دھونا وغیرہ جو کام سوگ نہ منانے والی کرتی ہے وہ سب کام یہ بھی کر سکتی ہے، اسی طرح دیگر عورتوں کی طرح رات کے وقت سفر بھی کر سکتی ہے، اگر پاس کوئی غیر محرم نہ ہو تو سر سے کپڑا بھی ہٹا سکتی ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 185/22)

322۔ مصائب کے وقت سیاہ لباس پہننا۔

بوقتِ مصائب سیاہ لباس پہننا باطل اور بے اصل کام ہے، انسان کو مشکل وقت میں وہی کرنا چاہیے جو شریعت میں ہے۔ وہ کہے:

«إنا لله وإنا إليه راجعون، اللهم اجرني في مصيبتي، واخلف لي خيرا منها»

جب ایمان اور ثواب کی نیت سے یہ الفاظ کہے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے نعم البدل عطا کریں گے اور اجر و ثواب بھی عنایت کریں گے، لیکن کوئی خاص لباس پہننا سیاہ ہو یا کوئی اور اس کی کوئی اصل نہیں، نیز یہ باطل اور قابل مذمت فعل ہے۔ (ابن عثیمین: مجلۃ الدعوۃ: 60/1789)

323۔ سوگ منانے والی عورت کے لیے کونسا لباس پہننا جائز ہے؟

گھر میں کام کاج کرتے وقت جو کپڑے پہنتی ہے وہی پہنے، سرخ، سبز،

سیاہ، نیلگوں وغیرہ، لیکن خوبصورت اور زیب و زینت سے مرصع لباس، جو التفات نظر کا موجب ہو، نہیں پہن سکتی، نیز ایسا لباس بھی جو اجنبیوں کے پاس اور فنکشن وغیرہ میں پہنتی ہے۔ (ابن جبرین: الفتاویٰ: 3/17)

324۔ سوگ منانے والی عورت کے لیے خوشبو کا استعمال۔

خاوند کی وفات کی عدت گزارنے والی سوگوار عورت کے لیے خوشبو کا استعمال درست نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، البتہ خوشبو اپنے بچوں یا مہمانوں کو پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ خود ان کی شریک کار نہ ہو۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 204/22)

325۔ سوگ منانے والی کا غسل کے لیے جمعہ کا دن خاص کرنا۔

ضرورت کے وقت سوگ منانے والی عورت کے لیے غسل کرنا جائز ہے چاہے ہر روز ہو، جمعہ یا کسی اور دن کا تعین درست نہیں، ہاں وہ خوشبو دار صابن اور کستوری کا استعمال نہیں کرسکتی، بلکہ ایسی چیز استعمال کرے جس میں خوشبو نہ ہو جس طرح کے بیری کے پتے، زیتون وغیرہ۔ (ابن جبرین: الفتاویٰ: 4/17)

326۔ سوگ منانے والی کا اپنے سر کو خوشبودار تیل یا کریموں سے دھونا۔

سوگ منانے والی اپنے سر اور جمیع بدن کو جب چاہے بیری کے پتوں اور دیگر ایسی اشیاء سے دھو سکتی ہے جن میں خوشبو نہ ہو، خوشبودار تیل وغیرہ کا استعمال جائز نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خوشبو کا استعمال سوگ منانے والی کے لیے ممنوع قرار دیا ہے، البتہ غسل حیض سے فراغت کے بعد بخور خوشبو کا استعمال کرسکتی ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 205/22)

327۔ عورت کا سوگ منانے کی مدت کے دوران شیمپو یا خوشبودار صابن استعمال کرنا۔

اس کے لیے یہ جائز ہے کیونکہ اس چیز کا مقصد خوشبو پیدا کرنا نہیں، بلکہ بدن کی بو باس کا ازالہ مقصود ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے سیب کا پھول یا اس جیسی کوئی چیز، لیکن اگر عورت اسے بھی ترک کر دے تو زیادہ مناسب ہے۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 17)

328۔ سوگ منانے والی کا آئینہ دیکھنا۔

سوگ منانے والی کا آئینے کی طرف دیکھنا بالکل درست ہے، کوئی مانع نہیں، ضرورت کے پیش نظر مثلاً کنگھی کرنے، لباس پہنے، اور چہرہ وغیرہ دھونے کے وقت کوئی مضائقہ نہیں۔ (ابن جبرین: الفتاوی: 6/17)

329۔ یہ مشہور ہے کہ سوگ منانے والی اذان ہوتے ہی فوراً نماز کے لیے اٹھ جائے۔

یہ درست نہیں، یہ عورت دوسری عورتوں کی طرح ہی ہے، وقت پر نماز پڑھے گی، چاہے اذان کے فوراً بعد اور اس کے کچھ دیر بعد، اس کی نماز بھی دوسری عورتوں کی مانند وقت گزر جانے سے ہی فوت ہوگی۔

(ابن جبرین: الفتاوی: 6/17)

330۔ عدت گزارنے والی کو پیغام نکاح دینا۔

دورانِ عدت واضح الفاظ میں پیغام نکاح جائز نہیں، البتہ پیش کش کی جا

سکتی ہے جس میں صراحت نہ ہو۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيمَا عَرَّضۡتُم بِهِۦ مِنۡ خِطۡبَةِ النِّسَآءِ ﴾ [البقرۃ: 235]

''اور تم پر اس بات میں کچھ گناہ نہیں جس کے ساتھ تم ان عورتوں کے پیغام نکاح کا اشارہ کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے پیش کش روا رکھی ہے لیکن صراحت کی اجازت نہیں دی، اس میں اللہ تعالیٰ ہی کی حکمت بالغہ ہے، وہی جانتا ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 204/22)

331۔ مدتِ سوگ کے دوران عورت کے لیے زعفران کے ساتھ قہوہ پینے کا حکم۔

اگر زعفران کی خوشبو باقی ہو تو جائز نہیں، کیونکہ اس کے منہ سے خوشبو ظاہر ہو جائے گی اور اگر پکانے کے سبب اس کی خوشبو زائل ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 9)

332۔ عورت کا دورانِ عدت ادائیگی حج کے لیے سفر کرنا۔

وہ سفر نہیں کر سکتی، کیونکہ اس پر واجب ہے کہ حج کے لیے سفر نہ کرے اور اپنے فوت شدہ خاوند کے گھر میں ہی رہے، حتی کہ اس کی عدت گزر جائے، اس حالت میں اس پر سفر حج لازم نہیں ہے، اگلے سال جب دوبارہ موسم حج آئے گا اور یہ بھی عدت سے نکل چکی ہوگی تو محرم کے ساتھ حج کرے گی، اگر اس کے لیے ممکن ہوا تو۔ اب جبکہ وہ دورانِ عدت حج کر چکی ہے تو حج کی حد

تک درست ہے لیکن دورانِ عدت سفر کرنے اور گھر کی سکونت ترک کرنے کی بنیاد پر گنہگار ہوگی۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 299)

333۔ عدت گزارنے والی کا ضرورت کے پیش نظر دوسرے گھر منتقل ہونا۔

جس عورت کا خاوند فوت ہوگیا ہے اگر اسے دورانِ عدت کسی ضرورت سے دوسرے گھر منتقل ہونا پڑ رہا ہے جیسا کہ تنہا اس گھر میں رہنے سے اپنی جان کا خوف محسوس کرتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جس گھر منتقل ہورہی ہے اس میں اس کی عدت مکمل ہوجائے گی۔ (اللجنة الدائمة: 20924)

334۔ سوگ منانے والی کا اپنی عمر رسیدہ والدہ کو جا کر ملنا۔

دن کے وقت نہ کہ رات کو، سوگ منانے والی کے ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں، اور ماں کی زیارت جوکہ اس کی زیارت کی محتاج ہے، سب سے بڑی ضرورت ہے، جبکہ یہ بغیر سفر کے ہو، نبی کریم ﷺ نے سوگ منانے والیوں کے لیے دن کے وقت اجازت دی کہ دل بہلانے کے لیے آپس میں اکٹھی ہوجایا کریں اور رات کو واپس لوٹ آیا کریں، مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے، ان کی بیویاں نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں اور عرض پرداز ہوئیں: یا رسول اللہ ﷺ! ہم رات کو وحشت محسوس کرتی ہیں، کیا ہم رات کو کسی ایک عورت کے پاس رہیں اور صبح ہوتے ہی اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تحدثن عند إحداكن حتى إذا أردتن النوم فلتؤب كل

واحدة إلى بيتها))[1]

”تم اپنی کسی ایک کے پاس باتیں کرتی رہو، جب سونے کا ارادہ کرو تو اپنے گھروں کو لوٹ آؤ۔“ (اللجنة الدائمة: 18875)

335۔ سوگ منانے والی کا تعلیم جاری رکھنا۔

جس عورت کا خاوند فوت ہوگیا ہے اس پر واجب ہے کہ اسی کے گھر میں عدت اور سوگ منائے جو کہ چار ماہ اور دس دن ہے، اگر وہ حاملہ نہ ہو، رات بھی صرف اسی گھر میں گزارے، اسی طرح اس پر لازم ہے کہ ایسی چیزوں سے اجتناب کرے جو اسے آرائش بخشیں اور اس کی جانب دیکھنے کی موجب بنیں، جیسا کہ خوشبو، اثمد سرمہ، خوبصورت ملبوسات اور بدن کی زیب و زیبائش وغیرہ، اور دن کے وقت ضرورت کی بنا پر گھر سے نکل سکتی ہے، اسی بنا پر ذمہ دار طالبہ کے لیے جائز ہے کہ ضرورت کے پیش نظر اسباق سننے اور مسائل سمجھنے کے لیے مدرسہ چلی جایا کرے، اس کے ساتھ ساتھ ان چیزوں سے اجتناب کا التزام کرے جو عدتِ وفات گزارنے والی کرتی ہے، نیز ایسی چیزوں سے بھی گریزاں رہے جو مردوں کے میلان اور پیغام نکاح کا موجب بنیں۔ (اللجنة الدائمة: 1927)

336۔ سوگ منانے والی کا اپنے خاوند کے رشتہ داروں سے گفتگو کرنا۔

اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ سوگ منانے والی عورت ضرورت کے پیش نظر خاوند کے رشتہ دار مردوں یا اور اجنبی مردوں سے کلام کرے، ٹیلیفون کے

---

[1] ضعيف. السنن الكبرىٰ للبيهقي [436/7]

ذریعہ یا اس کے علاوہ، لیکن اجنبیوں سے پردے میں رہے۔

(اللجنة الدائمة: 18083)

337۔ سوگ منانے والی عورت کا نمازِ تراویح کے لیے نکلنا۔

خاوند کا سوگ منانے والی پر لازم ہے کہ اس کے گھر میں رہے، اپنی ضروری حاجات کو پورا کرنے کے علاوہ گھر سے نہ نکلے، نماز تراویح اور تہجد کے لیے مسجد میں نہیں آ سکتی، ان کی ادائیگی اپنے گھر میں ہی کرے۔

(اللجنة الدائمة: 14259)

338۔ خاوند کے علاوہ کسی اور پر سوگ منانا۔

سوال فقہاء فرماتے ہیں: بیوی کے علاوہ دوسری عورت کے لیے جائز ہے کہ زیب و زینت اور خوبصورت لباس تین دن تک ترک کر دے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

یہ صحیح ہے۔ اس کے بارے حدیث بھی ہے:

« لا تحد امرأة على ميت فوق ثلاث، إلا على زوج أربعة أشهر وعشراً »[1]

"کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگوار نہ ہو سوائے خاوند کے کہ اس کی مدتِ سوگ چار ماہ دس دن ہے۔"

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 228/22)

339۔ ماں کے خاوند پر ماں کے ساتھ اس کی بیٹی کا بھی سوگ منانا۔

بیٹی کے لیے جائز نہیں کہ اپنی ماں کے ساتھ اس کے خاوند کا سوگ

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [1280] صحيح مسلم [1486/58]

منائے، لیکن یہ تین دن اس کا سوگ منائے گی۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد علىٰ ميت فوق ثلاث ليال، إلا على زوج أربعة أشهر وعشراً))

"اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے جائز نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے سوائے خاوند کے کہ اس پر چار ماہ اور دس دن سوگ منائے۔"

(اللجنة الدائمة: 7007)

340۔ جہالت اور لاعلمی کی بنیاد پر خاوند کی وفات کے بعد سوگ نہ منا سکی۔

اگر اس کا سوگ نہ منانا جہالت کی بنیاد پر تھا تو اس پر کچھ نہیں ہے کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ [الأحزاب: 5]

"اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس میں تم نے خطا کی اور لیکن جو تمہارے دلوں نے ارادے سے کیا۔"

نیز فرمایا:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ [البقرة: 286]

"اے ہمارے رب! ہم سے مؤاخذہ نہ کر، اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں۔"

اللہ فرماتے ہیں: میں نے ایسا ہی کیا۔[1]

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [125]

341۔ عدت کے اختتام پر غسل کرنا۔

عدتِ وفات کے اختتام پر کوئی غسل معین نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عام ہے:

«من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ» [1]

”جس نے ہمارے اس معاملے میں ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔“

342۔ عدت پوری ہوجانے کے بعد عورت کا فاتحہ پڑھنا۔

عدت ختم ہوجانے کے بعد فاتحہ پڑھنا پھر اس کے بعد غسل کرنا اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے، اس حالت میں اس کا ترک لازم ہے۔ (اللجنة الدائمة: 21635)

343۔ عورت کے سوگ منا لینے کے بعد اس کی خاطر خوشی کا اہتمام کرنا۔

وہ فنکشن جو عورت کے لیے عدت وفات گزارنے کے بعد منعقد کیے جاتے ہیں اگر عادتاً اور عورت کی عزت افزائی کے طور پر ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر دین اور اس عقیدہ کے ساتھ ہوں کہ یہ مشروع ہیں تو ناجائز ہیں، کیونکہ پھر یہ بدعت کے زمرے میں آئیں گے۔ (اللجنة الدائمة: 18083)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2550] صحيح مسلم، رقم الحديث [1718]

344۔ عورت کے عدت سے نکلنے کے موقع پر جانور ذبح کرنا۔

عورت کے عدت سے فارغ ہونے پر جانور ذبح کرنا اور اس کے مشروع ہونے کا عقیدہ رکھنا بے اصل و بے بنیاد ہے، ایسا کرنا جائز نہیں۔ فرمانِ نبوی ہے:

«من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد»

"جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں عدت واجب کی ہے اور اس کے بعد ذبح کا حکم نہیں دیا، یہ ایسا نیا کام ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ نے، لہٰذا اس کا ترک اور اس سے روکنا واجب ہے۔
(اللجنة الدائمة: 15910)

345۔ جہالت کی بنا پر سوگ کی ممنوعات کا ارتکاب کر بیٹھی ہے۔

مدت سوگ میں زیب و زینت سے اجتناب اور بلا ضرورت گھر سے نہ نکلنا واجب ہے، اور اگر اس نے جہالت کی وجہ سے ان ممنوعہ چیزوں کا ارتکاب کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرے، ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیں گے۔ (اللجنة الدائمة: 7422)

نان ونفقہ کے احکامات

346۔ بیوی کا خرچ خاوند کے ذمہ واجب ہے۔

بیوی کا خرچ، لباس، اور رہائش خاوند پر واجب ہے، اچھا رہن سہن اور میاں بیوی کے مابین خوشگوار فضا شرعاً مطلوب ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ [النساء: 34]

''مرد عورتوں پر نگران ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے مالوں سے خرچ کیا۔''

نیز فرمایا:

﴿ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ﴾ [الطلاق: 6]

''انھیں وہاں سے رہائش دو جہاں تم رہتے ہو، اپنی طاقت کے مطابق۔''

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف))[1]

''ان عورتوں کا تمہارے ذمے کھانا اور لباس ہے، معروف طریقے کے مطابق۔'' (اللجنة الدائمة: 9258)

---

[1] صحیح مسلم [1218/147]

347۔ انسان جو چیز اپنے آپ پر اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے اسے اجر دیا جاتا ہے۔

انسان اللہ کا چہرہ تلاش کرتے ہوئے جو کچھ بھی اپنے آپ پر اور اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرتا ہے اس پر اسے ثواب عطا کیا جاتا ہے،

نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے فرمایا تھا:

«واعلم أنك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله إلا أجرت عليها حتى ما تجعله في في امرأتك»

''جان لے! اللہ تعالیٰ کا چہرہ تلاش کرتے ہوئے تو جو بھی خرچ کرے گا تجھے اس کا اجر دیا جائے گا حتی کہ وہ لقمہ جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔'' (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 13)

348۔ بیوی کو ماہانہ خرچ دینا۔

خاوند پر واجب نہیں کہ بیوی کو ماہانہ خرچ دے جبکہ وہ کھانے، پینے اور لباس وغیرہ جیسی شرعاً مطلوبہ اشیاء بیوی کو مہیا کر رہا ہے۔ واللہ الموفق

(اللجنة الدائمة: 21239)

349۔ بیوی کا خاوند کے مال میں سے لینا۔

اگر تو اپنی اور اپنی اولاد کی ضرورت کے لیے اتنا لے لے جتنا تمھیں کافی ہو جائے تو جائز ہے، ثابت ہے کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ابو سفیان ایک کنجوس آدمی ہے، وہ مجھے اتنا بھی نہیں دیتا جو مجھے اور میرے بیٹے کو کافی ہو جائے، اِلا کہ میں اسے بتائے بغیر خود بخود لے لوں، تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف »[1]

''تو معروف طریقے کے مطابق اتنا لے لے جتنا تجھے اور تیرے بیٹے کو کفایت کر جائے۔'' (اللجنة الدائمة: 5101)

350۔ بیوی کا اپنے خاوند کے مال سے صدقہ کرنا۔

تیرے لیے جائز نہیں کہ تو اپنے خاوند کے مال سے اس کی رضا مندی کے بغیر صدقہ کرے یا اتنا کر سکتی ہے جتنا عادتاً اس کی طرف سے اجازت سمجھتی ہے۔ (اللجنة الدائمة: 5101)

351۔ بیوی کا اپنے گھر والوں کے لیے خاوند کے مال سے بغیر بتائے کوئی چیز خریدنا۔

تیرے لیے جائز نہیں کہ تو اپنے خاوند کے مال سے بغیر اس کے علم کے کوئی چیز لے سوائے اس کے جو تجھے اور تیری اولاد کو کفایت کرے، سو تیرے لیے جائز نہیں کہ اپنے گھر والوں یا کسی کے لیے اس کے مال میں سے کوئی چیز خریدے جب تک کہ وہ تجھے اجازت نہ دے دے۔ (اللجنة الدائمة: 5101)

352۔ مسئلہ۔

سوال عورت اپنے خاوند کے مال سے جو اس کے خرچ میں کنجوسی سے کام لیتا ہے بغیر بتائے لے لیتی ہے اور قسم اٹھاتی ہے کہ اس نے کچھ نہیں لیا۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5364]

جواب عورت کے لیے جائز نہیں کہ اپنے خاوند کے مال میں سے بغیر اجازت کے کچھ لے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں پر حرام قرار دیا ہے کہ ایک دوسرے کا مال لیں، نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس کا اعلان کیا:

« إن دماءكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في بلدكم هذا، ألا هل بلغت؟ »[1]

''بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں، جیسا کہ تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینے اور شہر میں۔ کیا میں نے پہنچا دیا؟''

لیکن اگر اس کا خاوند بخیل ہو اور معروف طریقے کے مطابق اسے اتنا بھی نہ دے جو اسے اور اس کے بیٹے کو کفایت کر جائے تو وہ اپنے اور اپنے بیٹے کے خرچ کے مطابق لے سکتی ہے، لیکن ضرورت سے زیادہ نہ لے اور نہ ہی اپنی اور اپنے بیٹے کی ضرورت سے زیادہ خرچ کرے، ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اپنے خاوند کی شکایت کرتے ہوئے یوں گویا ہوئی کہ وہ ایک بخیل آدمی ہے، وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میرے بیٹے کو کافی ہو تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« خذي من ماله ما يكفيك ويكفي ابنك »

''اس کے مال میں سے اتنا لے لے جتنا تجھے اور تیرے بیٹے کے لیے کافی ہو۔''

یا آپ ﷺ نے یہ الفاظ بیان فرمائے:

« خذي من ماله ما يكفيك وولدك بالمعروف »[2]

---

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [105] صحيح مسلم [1679/29]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [5364]

''جو تجھے اور تیرے بیٹے کو معروف طریقے سے کافی ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے اسے اجازت دے دی کہ اپنے خاوند کے مال میں سے اتنا لے لے جتنا اسے اور اس کے بیٹے کے لیے کافی ہو، چاہے اسے علم ہو یا نہ ہو۔

اس عورت کے سوال میں ایک بات یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے قسم اٹھاتی ہے کہ اس نے کچھ نہیں لیا، اس کی یہ قسم حرام ہے، الا یہ کہ وہ تاویل کر لے یعنی وہ نیت یہ کرے کہ اللہ کی قسم میں نے کچھ نہیں لیا، یعنی اللہ کی قسم میں نے ایسی کوئی چیز نہیں لی جس کا لینا مجھ پر حرام ہو یا اللہ کی قسم میں نے اس خرچ سے زیادہ نہیں لیا جتنا کہ تجھ پر واجب ہے، یا ایسی ہی کوئی تاویل جو شرعاً اس کے استحقاق کے مطابق ہو، اس لیے کہ جب انسان مظلوم ہو تو تاویل جائز ہے، لیکن اگر انسان ظالم ہو تو پھر تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی، ایسی عورت جس کا خاوند بخل سے کام لیتا ہے اور اسے اتنا خرچ نہیں دیتا جو اسے اور اس کی اولاد کو کافی ہو تو وہ مظلوم عورت ہے، اس کے لیے تاویل جائز ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 7)

353۔ خاوند کے مال سے بیوی کا علاج معالجہ۔

کتاب وسنت میں احسان کرنے اور عام لوگوں سے اور رشتہ داروں سے بالخصوص اچھا سلوک کرنے کے دلائل بکثرت موجود ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ [النحل: 90]

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور قرابت والے کو دینے کا حکم دیتا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا﴾ [النساء: 36]

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت والے کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت والے ہمسائے اور اجنبی ہمسائے اور پہلو کے ساتھی اور مسافر (کے ساتھ) اور (ان کے ساتھ بھی) جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ بنے ہیں، یقیناً اللہ ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا جو اکڑنے والا شیخی مارنے والا ہو۔''

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((خير كم خير كم لأهله وأنا خير كم لأهلي)) [1]

''تم میں سے سب سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہترین ہے اور میں تم میں سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں۔''

چنانچہ مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، لیکن علاج معالجہ کے اخراجات اس طرح خاوند پر واجب نہیں ہیں جس طرح کے خرچ اور رہائش کا وجوب ہے، لیکن بقدر وسعت دیگر اخراجات

---

[1] **صحيح**. سنن الترمذي [3895] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1977]

بھی برداشت کرے، کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [النساء: 19]

''ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''

نیز مذکورہ بالا حدیث کا عموم بھی اس کا تقاضا کرتی ہے۔

(اللجنة الدائمة: 5851)

354۔ آدمی کا اپنی بیوی کو حج کرانا۔

خاوند پر بیوی کے حج کے اخراجات واجب نہیں ہیں، چاہے مالدار ہی ہو الا یہ کہ عقد نکاح میں یہ شرط عائد کی گئی ہو تو اسے پورا کرنا لازم ہے، اس لیے کہ ہمارے نزدیک عورت کا حج اس کے نان و نفقہ کے حکم میں شامل نہیں ہے کہ کہا جائے کہ جس طرح باقی خرچ واجب ہے کہ اسے حج کرانا بھی واجب ہے، اور عورت کے پاس جب مال نہ ہو تو اس پر حج بھی واجب نہیں ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی کتاب عظیم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾

[آل عمران: 97]

''اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے۔''

اور اسی طرح صحیح حدیث میں بھی ہے کہ استطاعت کا ہونا ضروری ہے، جس کے پاس مال نہ تو اس کا ذہن مطمئن رہنا چاہیے کہ اس پر حج فرض نہیں ہے، جس طرح کہ مفلس پر زکوۃ نہیں، اور یہ معلوم ہے کہ فقیر اس بات پر نادم نہیں ہوتا کہ اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے کیونکہ اسے اپنی حالت کا علم ہے، اسی

طرح حج کی استطاعت نہ رکھنے والے کو بھی نادم اور چھوٹا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس پر اصلاً حج ہے ہی نہیں، میں نے بہت زیادہ لوگوں کو دیکھا ہے جن کے پاس حج کی استطاعت نہیں ہوتی وہ اپنے آپ کو گنہگار سمجھتے ہیں کہ ان سے ایک فریضہ رہ گیا ہے، تو میں کہتا ہوں آپ مطمئن رہیں پریشان نہ ہوں، آپ پر فرض نہیں ہے۔ آپ اور جس نے حج کی ادائیگی کی اللہ عزوجل کے نزدیک برابر ہو، تم معذور ہو، گنہگار نہیں ہو اور دوسرے پر فرض ہے، اس نے ادائیگی کر لی ہے، ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ عمل کرنے والا نہ کرنے والے سے افضل ہے، چاہے وہ معذور ہی ہو۔ (ابن عثیمین: نورعلی الدرب: 12)

355۔ مطلقہ حاملہ کا خرچ۔

ایسی حاملہ جسے تین طلاقیں ہوچکی ہیں خاوند کے ذمہ اس کا خرچ نہیں ہے، صرف حمل کے سبب وہ اس پر خرچ کرے گا، اس بنا پر جب تک وہ حمل پر خرچ کرنے کی محتاج ہے، خاوند پر اس کی ذمہ داری ہے، لیکن وضع حمل کے بعد صرف بچے پر خرچ کرے گا، یعنی دودھ پلائی کی اجرت، بچے کے کپڑے اور دیگر چیزیں، وضع حمل کے بعد ماں کا کھانا اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق: 6]

"اور اگر وہ حمل والی ہوں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وہ اپنا حمل وضع کرلیں۔"

(ابن عثیمین: نورعلی الدرب: 19/147)

356۔ عورت جانتی ہے کہ اس کے خاوند کا مال حرام ہے۔

جب عورت کو معلوم ہو جائے کہ جو کمائی وہ گھر لا رہا ہے حرام کی ہے تو اس کے لیے اسے کھانا جائز نہیں، اس پر لازم ہے کہ پاکیزہ کمائی سے خرچ کرنے کا مطالبہ کرے یا اپنے معاملے کو کسی سرکردہ اور ذمہ دار آدمی کی طرف لے جائے۔ (اللجنة الدائمة: 20399)

357۔ دین کی رائے اس آدمی کے بارے میں کیا ہے جس نے دو عورتوں سے شادی کی لیکن خرچ صرف ایک پر کرتا ہے؟

خرچ بیوی کا حق ہے اگر وہ اپنا حق ساقط کرتی ہے تو اس کے لیے جائز ہے، اگر وہ اپنا حق ساقط نہیں کرتی تو خاوند پر خرچ و دیگر لوازمات میں اپنی بیویوں کے مابین عدل و انصاف کرنا لازم ہے، ورنہ گنہگار ہوگا اور قیامت کے روز اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو مارا ہوا ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے پوری خلقت کے سامنے رسوا کر دیں گے، جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ یہ عورت کا شرعی حق ہے، وہ اس کا مطالبہ کرے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ﴾ [الطلاق: 7]

”لازم ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت میں سے خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾
[البقرة: 233]

''اور وہ مرد جس کا بچہ ہے اس کے ذمے معروف طریقے کے مطابق ان (عورتوں) کا کھانا اور کپڑا ہے۔''

نیز فرمان نبوی ہے:

((كفى بالمرء إثماً أن يحبس عمن يملك قوته)) [1]

''آدمی کو یہی گناہ کافی ہے کہ وہ اس سے ہاتھ کھینچ لے جس کے رزق کا ذمہ دار ہے۔''

اور فرمایا:

((من كان له امرأتان، فمال إلى إحداهما؛ جاء يوم القيامة و شقه مائل)) [2]

''جس کی دو بیویاں ہوں، وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو جائے تو قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔''

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [996/40]

[2] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [3942]

رضاعت کے احکامات

358۔ جو عورت اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی کیا وہ گنہگار ہے؟

عورت پر لازم ہے کہ اپنے بچوں کو دودھ پلائے اور ان کے اسباب صحت کی حفاظت کرے، اس کا مصنوعی دودھ وغیرہ پر اکتفاء کرنا درست نہیں ہے، سوائے خاوند کی رضا مندی اور مشورے کے، نیز وہ دودھ بچوں کے لیے ضرر رساں بھی نہ ہو۔ (اللجنة الدائمة: 5953)

359۔ دو سال کے بعد بچے کا دودھ چھڑانا۔

جب کوئی وجہ تاخیر ہو تو جائز ہے، جس طرح کے مصلحتاً دو سال سے پہلے بھی دودھ چھڑوانا جائز ہے، اصل یہ ہے کہ مدتِ رضاعت دو سال ہے، اس سے انحراف تب ہی کیا جائے گا جب کوئی ایسی مصلحت آئے گی۔

(اللجنة الدائمة: 5881)

360۔ بچوں کو دودھ پلانے میں برابری اور مساوات۔

میری ایک بچی ہے، اگر میں اسے دو سال سے کم دودھ پلاؤں اور اس کے بھائی کو نسبتاً زیادہ پلاؤں تو کیا عدمِ مساوات کے سبب یہ حرام ہے؟

خرچ، کھانے، پینے اور دودھ وغیرہ پلانے میں بچوں کے درمیان

مساوات حسب ضرورت ہے، اگر بچی رضاعت کے لیے دو سال کی محتاج ہے اور بچہ ڈیڑھ سال کا تو کوئی حرج نہیں کہ بچی کو دو سال اور بچے کو ڈیڑھ سال دودھ پلا دے، جس طرح کے خرچ میں اگر ایک بچہ دن میں دس روپے کا محتاج ہے اور اس کا بڑا بھائی بیس روپے کا تو ان کی ضروریات کے پیش نظر یہ اتار چڑھاؤ جائز ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4)

361۔ دو سال سے زیادہ عرصہ دودھ پلانا۔

دو سال بچے کو دودھ پلانا واجب ہے، الا یہ کہ بچے کے والدین قبل ازیں دودھ چھڑانے پر متفق ہو جائیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرة: 233]

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، اس کے لیے جو چاہے کہ دودھ کی مدت پوری کرے۔"

پھر فرمایا: ﴿فَاِنْ اَرَادَا﴾ یعنی والدین ﴿فِصَالًا﴾ یعنی اس کا دودھ چھڑانے کا ﴿عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ دو سال سے اوپر بھی کر سکتے ہیں، جبکہ ضرورت ہو، رہی یہ بات کہ دو سال سے زیادہ دودھ پلانے والی گنہگار ہے، مجھے اس کی اصل کا علم نہیں، بلکہ یہ بعض لوگوں کی جھوٹی بات ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 242/22)

362۔ کتنی بار دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے؟

اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض کا خیال ہے کہ ایک دفعہ پینا

یا آدھی مرتبہ پینا حرام کر دیتا ہے، کیونکہ آیت مطلق ہے اور جسے دودھ پینا کہہ سکتے ہیں اس پر رضاعت کا اطلاق ہوگا، دوسروں نے کہا کہ تین دفعہ پینا حرمت ثابت کرتا ہے، حدیث پاک ہے:

﴿ لا تحرم المصة و لا المصتان، و لا الإملاجة و لا الإملاجتان ﴾ [1]

''ایک دفعہ چوسنا یا دو دفعہ چوسنا حرام نہیں کرتا اور نہ ہی ایک مرتبہ پستان منہ میں ڈالنا اور دو مرتبہ منہ میں ڈالنا حرام کرتا ہے۔''

اس کا مفہوم یہ ہے کہ دو سے زیادہ مرتبہ یعنی تین یا زیادہ دفعہ چوسنا حرام کرتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ پانچ دفعہ پینا حرام کرتا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے سہلہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا کہ سالم کو پانچ دفعہ پلائے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے:

﴿ كان مما أنزل الله في القرآن عشر رضعات معلومات يحرمن، ثم نسخ ذلك بخمس رضعات معلومات ﴾ [2]

''جو احکامات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل کیے ان میں ہے کہ دس معلوم مرتبہ دودھ پلانا حرام کرتا ہے، پھر یہ پانچ معلوم دفعہ پلانے سے منسوخ ہوگیا۔''

بعض نے کہا کہ دس مرتبہ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ حدیث ہے:

﴿ لا يحرم من الرضاع إلا ما أنبت اللحم، و أنشز العظم ﴾ [3]

---

1. **صحيح.** سنن النسائي، رقم الحديث [3308] سنن ابن ماجه [1940]
2. **متفق عليه.** صحيح البخاري [3670] صحيح مسلم [1452/25]
3. **صحيح.** سنن أبي داود [2059] سنن الدارقطني [172/4] رقم الحديث [4]

"وہی رضاعت باعث حرمت ہے جو گوشت اگائے اور ہڈی بڑھائے۔"

یعنی جس سے غذائیت ملے اور گوشت پیدا ہو اور یہ کم از کم دس مرتبہ پینے سے ہوتا ہے، صحیح یہ ہے کہ پانچ دفعہ پینا حرمت ثابت کرتا ہے، کیونکہ اس بارے حدیث واضح ہے، پھر "رضعہ" نام ہے پستان بچے کے منہ میں ڈالنے اور پھر نکالنے کا، چاہے لمبی دیر پیے یا تھوڑی دیر، اور ایک قول یہ ہے کہ "رضع" سیر ہونے کو کہتے ہیں، لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

(ابن جبرین: الفتاوی: 6/11)

363۔ رضاعت سے بھی وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

رضاعی بیٹے کی بیوی نسبی بیٹے کی بیوی کی طرح ہے، ان میں سے ہر ایک خاوند کے نسبی یا رضاعی باپ دونوں پر حرام ہے، کیونکہ فرمان نبوی ہے:

((يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب)) [1]

"رضاعت سے بھی وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے ہوتے ہیں۔"

لیکن رضاعت میں شرط ہے کہ دو سال کے اندر اندر ہو، پانچ یا زیادہ دفعہ ہو، اس صورت میں وہ محرم ہوگا۔ بیوی کی رضاعی ماں بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح بیوی کی نسبی ماں حرام ہے، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "رضاعت سے بھی وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے ہوتے ہیں۔" اس بنا پر وہ اپنی بیوی کی رضاعی ماں کا محرم ہوگا۔ (اللجنة الدائمة: 18899)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2645] صحيح مسلم [1445/9]

364۔ دو بچوں نے مختلف اوقات میں ایک ہی عورت کا دودھ پیا۔

جب کئی اشخاص نے ایک عورت کا یا ایک آدمی کی بیویوں کا دودھ پیا، ہر ایک نے دو سال کی عمر کے اندر پانچ دفعہ پیا تو وہ سب رضاعی بھائی ہیں، چاہے ایک وقت میں پیا ہو یا متعدد اوقات میں. ہر ایک دوسرے کی اولاد کا رضاعی چچا ہے، وہ ایک دوسرے کے محرم ہیں، ان کی آپس میں شادی نہیں ہوسکتی، ہاں ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی اس بہن سے نکاح کرسکتا ہے جس نے ان کے ساتھ دودھ نہیں پیا تھا۔ (اللجنة الدائمة: 15712)

365۔ دودھ پینے کی مقدار جو باعث حرمت ہے۔

علماء کا اختلاف ہے کہ رضاعت سے کیا مراد ہے؟ کیا رضاعت یہ ہے کہ پستان کو چوسنا اور پھر چھوڑ دینا، اگرچہ اس وقت دوبارہ منہ میں ڈال لینا؟ یا رضاعت اسے کہتے ہیں کہ ایک بار پینا اور پھر دوبارہ پینا اور یہ پہلی مرتبہ سے بالکل علیحدہ اور جدا ہو؟ یہ دو قول ہیں، میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ ایک بار پینا دوسری بار پینے سے بالکل جدا ہو، نیز دونوں میں واضح امتیاز ہو، محض پستان چھوڑنا اور فوراً دوبارہ منہ میں ڈال لینا یہ رضاعت ثانی نہیں ہے، کیونکہ یہاں ایک بار پینا کھانے والے کی نسبت سے ایک بار کھانے کی مثل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

« إن الله ليرضىٰ عن العبد يأكل الأكلة فيحمده عليها ويشرب الشربة فيحمده عليها »[1]

”یقیناً اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو ایک بار کھاتا ہے

[1] صحیح. صحیح مسلم [2734/89]

تو اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور ایک بار پیتا ہے تو اس پر اس کی تعریف کرتا ہے۔"

یہ تو معلوم ہی ہے کہ پینے میں مشروع یہ ہے کہ تین سانسوں سے پیا جائے اور ایک بار پینا تین سانسوں پر مشتمل ہوتا ہے، اسی طرح کھانے کے بارے ہے، انسان اللہ کی تعریف کرتا ہے جب وہ کھانے سے فارغ ہوتا ہے، حالانکہ لقمے تو اس نے بہت زیادہ کھائے ہوتے ہیں۔

سو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ایک رضاعت وہی معتبر سمجھی جائے گی جو دوسری رضاعت سے بالکل مختلف اور جدا ہو، پستان کو ایک ہی جگہ چھوڑنا یہ تکرارِ رضاعت نہیں ہے بلکہ یہ ایک ہی رضاعت ہے، اگرچہ متعدد بار چھوڑے، پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ بچہ اگر پینے سے سیر ہو جائے تو یہی چیز متعدد بار پینے سے کفایت کر جائے گی لیکن یہ درست نہیں ہے بلکہ عدد کا اعتبار ہوگا، چاہے بچہ سیر ہو یا نہ ہو، جب اس بچے نے اس عورت کا پانچ دفعہ دودھ پی لیا تو اس کا رضاعی بیٹا سمجھا جائے گا، چاہے ہر رضاعت میں سیر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 6)

366۔ دو سال کے بعد بچے کی رضاعت کا حکم۔

رضاعت باعثِ حرمت تب ہی ہوگی جب پانچ دفعہ پیے اور بچہ دو سال تک کا ہو، اگر رضاعت پانچ بار پینے سے کم ہو یا بچے کے دو سال سے تجاوز کر جانے کے بعد ہو تو اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی یہ محرم سمجھا جائے گا۔ دو شرطوں کا ہونا لامحالہ ضروری ہے:

1. بچے کی عمر دو سال مکمل نہ ہو۔

2 دودھ پانچ بار پیے نہ کہ اس سے کم۔

اس بارے صحیح احادیث ہیں، مثلاً نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لا رضاع إلا في الحولين» ❶

''رضاعت صرف دو سال کے اندر اندر ہے۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ [البقرة: 233]

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔''

نیز آپ ﷺ نے سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«أرضعي سالماً خمس رضعات تحرمي عليه» ❷

''تو سالم کو پانچ بار پلا تو اس پر حرام ہو جائے گی۔''

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح ثابت ہے:

''قرآن مجید میں نازل شدہ احکامات کی رو سے دس معلوم مرتبہ پینا باعث حرمت تھا، بعد ازاں پانچ معلوم بار پینے سے منسوخ ہو گیا، نبی کریم ﷺ وفات پا گئے اور حکم یہی تھا۔'' ❸

یہ حکم منسوخ ہوا نہ بدلا، پانچ معلوم دفعہ پینا ایک عادل مرد کی شہادت یا ایک عادل عورت کی شہادت یا متعدد کی شہادت سے ثابت ہو، اگر دودھ پلانے والی عادل ہے اور دو سال کے اندر اندر پانچ بار پینے کا اقرار کر رہی ہے تو اس

---

❶ **صحیح**. سنن الدارقطني [174/4] رقم الحديث [11]

❷ **صحیح**. سنن أبي دواد، رقم الحديث [2061]

❸ **متفق عليه**. صحيح البخاري [3670] صحيح مسلم [1452/25]

کی بات مانی جائے گی، پانچ بار ہونا اور دو سال میں ہونا لازم ہے، اس کا دعویٰ کرنے والی عورت عادل یا ثقہ ہو یا کوئی آدمی گواہی دے یا زیادہ آدمی کہ عورت عادل یا ثقہ ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 240/22)

367۔ مصنوعی دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

وہ اس وجہ سے بھائی بھائی نہیں بن پائیں گے کیونکہ مصنوعی دودھ شرعاً ایسی رضاعت نہیں جو باعث حرمت ہو۔ (اللجنة الدائمة: 3085)

368۔ اس نے بچے کو اپنے دودھ کے ساتھ مصنوعی دودھ ملا کر پلوایا۔

عورت کا دودھ جو مصنوعی دودھ یا پانی وغیرہ سے ملایا گیا ہو اس کا حکم خالص دودھ والا ہے، جبکہ دودھ کی صفات باقی ہوں، کیونکہ جب صفات ظاہر ہوتی ہیں تو اس کا پینا ثابت ہوجاتا ہے، اور گوشت کا اُگنا اور ہڈیوں کا بڑھنا بھی ثابت ہوجاتا ہے، جس طرح کہ پستان کے خالص دودھ سے ہوتا ہے، جبکہ متصل پیا جاتا ہے، سو یہ تحریم میں اس کے مساوی ہے۔ فرمانِ نبوی ہے:

((یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب)) [1]

”رضاعت سے بھی وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔“

نیز فرمایا:

((لا رضاع إلا ما أنشز العظم و أنبت اللحم)) [2]

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحديث [2645] صحيح مسلم [1445/9]

[2] **صحيح**. سنن أبي داود [2059] سنن الدارقطني [172/4] رقم الحديث [4]

”رضاعت صرف وہی ہے جو ہڈی کو بڑھائے اور گوشت کو اُگائے۔“

بچے کا سانس لینے کی خاطر یا ایک پستان سے دوسرے پستان کی جانب جانے کی خاطر دودھ چھوڑنے کو ایک بار پینا تصور کیا جائے گا، جب بھی وہ ٹھہرے گا ایک بار شمار ہوگا اور اس طرح ہر دفعہ کا پینا سمجھا جائے گا۔

(اللجنة الدائمة: 21057)

369۔ حالتِ جنابت میں بچے کو دودھ پلانا۔

بچے کو بحالت جنابت دودھ پلانے میں کوئی حرج نہیں۔

(اللجنة الدائمة: 9797)

370۔ مسلمان اور عیسائیوں کا ایک دوسرے کو دودھ پلانا اور اس کا اثر۔

اولاً: مسلمان عورت کے لیے جائز ہے کہ عیسائی بچے کو دودھ پلائے اور عیسائی عورت کے لیے جائز ہے کہ مسلمان بچے کو دودھ پلائے، اس لیے کہ ان جیسے مسائل میں اصل جواز ہے اور اس کی ناقل کوئی دلیل موجود نہیں، بلکہ یہ بابِ احسان سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان فرض کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((في كل ذي كبد رطبة أجر)) [1] ”ہر ایک تر جگر میں اجر و ثواب ہے۔“

ثانیاً: ان دونوں کے دودھ پلانے کی وجہ سے بچوں کا حکم نہیں بدلے گا، اس دودھ کے پلانے سے قبل جو مسلمان تھا وہ دودھ پلانے کے بعد بھی مسلمان ہے اور جو دودھ پلانے سے قبل عیسائی تھا وہ بعد میں بھی عیسائی ہی ہے۔ (اللجنة الدائمة: 4668)

---

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [2363] صحيح مسلم [2244/153]

371۔ خاوند زبردستی دودھ پی لیتا ہے۔

تیرے خاوند کا یہ فعل ناجائز ہے، اس پر لازم ہے کہ اسے چھوڑ دے اور دوبارہ ایسا نہ کرے، لیکن یہ پینا تجھے اس پر حرام نہیں کرسکتا، اس لیے کہ باعثِ حرمت رضاعت وہی ہے جو دو سال کے اندر اندر ہو۔ فرمانِ رسول ﷺ ہے:

«إنما الرضاعة من المجاعة» [1]

"رضاعت وہ معتبر ہے جس سے بھوک مٹے۔"

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«لا يحرم من الرضاع إلا ما فتق الأمعاء وكان قبل العظام» [2]

"وہی رضاعت باعثِ حرمت ہے جو انتڑیوں کو پھاڑ دے اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے ہو۔"

اس بنا پر تم اس پر حرام نہیں ہوئے۔ (اللجنة الدائمة: 16644)

372۔ عورت خود بخود دودھ پلاتی ہے تاکہ اس کا خاوند اسے طلاق دے دے۔

اس رضاعت پر کوئی حرمت یا احکامِ رضاعت سے کوئی چیز مرتب نہیں ہوگی، بلکہ یہ نامناسب اور عبث فعل ہے، رضاعت شرعی جس پر احکامِ رضاعت ثابت ہوتے ہیں اور جو باعث تحریم ہے وہ ہے جو بچے کے لیے دو سال کے اندر اندر ثابت ہو اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے ہو، کیونکہ فرمان رسول ﷺ ہے:

---

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [2647] صحيح مسلم [1455/32]

[2] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [1152]

«لا رضاع إلا في الحولين»[1]

”رضاعت صرف وہ ہے جو دو سال کے اندر ہو۔“

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 286/22)

373۔ رضاعی محرمات کا بیان۔

جب ایک انسان کسی عورت کا دودھ رضاعت شرعیہ سے پی لیتا ہے تو اس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور وہ ہے پانچ یا زیادہ مرتبہ پینا جبکہ بچہ دو سال تک کی عمر کا ہو، اس سے اس پر دودھ پلانے والی، اس کی مائیں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بیٹیاں، پوتیاں، نواسیاں سب حرام ہو جاتی ہیں، کیونکہ فرمان رسول ﷺ ہے:

«يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب»[2]

”رضاعت سے وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔“

لیکن جس عورت نے اسے دودھ پلایا ہے اس کی بیٹیاں اس کے بھائیوں پر حرام نہیں ہو جاتیں جنھوں نے اس عورت کا دودھ نہیں پیا، اس نے تو بس ان کے ایک بھائی کو دودھ پلایا ہے، اسی طرح اس عورت کے بیٹوں پر دودھ پینے والے کی بہنیں حرام نہیں ہیں، کیونکہ وہ اس کی بیٹیاں نہیں ہیں اور نہ ہی اس کے بیٹوں کی بہنیں ہیں، کیونکہ انھوں نے دودھ نہیں پیا، یہ سب نبی کریم ﷺ کے درج ذیل فرمان سے واضح ہو جاتا ہے کہ رضاعت سے وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے ہوتے ہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 300/22)

---

[1] **صحيح**. سنن الدارقطني [174/4] رقم الحديث [11]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2645] صحيح مسلم [1445/9]

374۔ رضاعی بہنوں سے مصافحہ کرنا اور ان کا بھوسہ لینا۔

رضاعی بہنوں کا حکم دیکھنے، حرمتِ نکاح، خلوت اور محرم ہونے میں نسبی بہنوں کی مانند ہے، اس بنا پر آدمی کے لیے جائز ہے کہ اپنی رضاعی بہن سے مصافحہ کر لے جس طرح کہ نسبی بہن سے مصافحہ کر سکتا ہے لیکن بھوسہ لینا یہ درست نہیں، نسبی بہنوں کا نہ رضاعی بہنوں کا۔ جب وہ سفر وغیرہ سے آئے اور ان کی عزت افزائی مقصود ہو تو محض پیشانی پر یا سر پر بھوسہ دے، منہ پر بھوسہ دینے کو بعض اہل علم نے بہت برا جانا ہے اور کہا ہے کہ یہ صرف بیوی کے لیے جائز ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انسان کا شعور محرمیت نسبی بہنوں کے بارے رضاعی بہنوں کی نسبت زیادہ مؤثر ہوتا ہے، بالخصوص جبکہ رضاعی بہنوں کی آمد و رفت بہت کم ہو، بسا اوقات وہ اجنبی عورتوں کی مانند ہوتی ہیں، لہٰذا ان سے مصافحہ کرنے اور ان کے سروں اور پیشانیوں پر بھوسہ دینے میں احتیاط کرنی چاہیے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4)

375۔ بیوی کی رضاعی ماں کے متعلق کہ وہ حرام ہے یا نہیں؟

اکثر علماء جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ بیوی کی رضاعی ماں اس کی نسبی ماں کی مانند ہے، سو اس کی رضاعی بیٹی کا خاوند اس کی نسبی بیٹی کے خاوند کی مانند ہے، ان کا استدلال فرمان رسول ﷺ سے ہے کہ رضاعت سے وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، جبکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ بیوی کی رضاعی ماں اس کی نسبی ماں کی مانند نہیں ہے اور اس کی رضاعی بیٹی کا خاوند اس کا محرم بھی نہیں، انھوں نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رضاعت سے وہی رشتے حرام ہوتے ہی، جو نسب سے۔

یہ تو معلوم ہی ہے کہ بیوی کی ماں تجھ پر حرام ہے لیکن کس سبب سے؟ نسب کی بنا پر یا سسرالی رشتے کی وجہ سے اور جب وہ مصاہرت کی وجہ سے حرام ہے تو حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ تیرے لیے حرام نہیں ہے، شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا موقف زیادہ صحیح ہے کہ تیری بیوی کی رضاعی ماں اور تیری بیوی کی رضاعی بیٹی تیری محرمات سے نہیں ہیں۔

اب یہ سوچنا باقی ہے کہ اگر انسان کی بیوی فوت ہو جائے تو کیا اس کی رضاعی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟ ہم کہتے ہیں: بقول شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے یہ جائز ہے کیونکہ وہ اس پر حرام نہیں، لیکن میں یہ بات احتیاط سے کہتا ہوں کہ اس سے شادی نہ کرے، اس لیے کہ نفس مسئلہ میں لمبا چوڑا اختلاف ہے، انسان کے لیے اس کی حلت موجب توقف ہے، اگر کوئی کہنے والا کہے کہ تم کیسے کہہ سکتے ہو وہ اس سے نکاح نہ کرے، جبکہ تم کہتے ہو وہ اس کی محارم سے نہیں ہے؟ یہ تو واضح تناقض ہے، ہم کہتے ہیں کہ احتیاط کے وقت دو حکموں کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس بارے ہماری حجت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کے بارے کہ جس کے متعلق عبد بن زمعہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جھگڑا کیا کس کے حق میں فیصلہ کیا؟ یہ فیصلہ زمعہ کے حق میں کیا، اسی طرح وہ بچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی ہوا، لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کی واضح مشابہت عتبہ سے دیکھی تو اپنی بیوی سے فرمایا: ((احتجبي منه)) "اس سے پردہ کرو۔"[1]

یہ دو مختلف و متناقض حکموں کو احتیاطاً جمع کرنا ہے، تو میری رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ بیوی کی رضاعی ماں اور بیوی کی رضاعی بیٹی محارم سے نہیں ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف ہے، لیکن میں ورع و احتیاط کی

[1] متفق علیه. صحیح البخاري [2053] صحیح مسلم [1457/36]

بنیاد پر کہتا ہوں کہ وہ صرف ایک ہی صورت میں اس سے شادی کر سکتا ہے کہ جب بنات آدم میں سے سوائے اس کے کوئی نہ ہو تو پھر اس سے شادی کر سکتا ہے۔

نیز رضاعت وراثت پر اثر انداز نہیں ہوتی، اس پر اتفاق ہے، نہ ہی خرچ کے وجوب پر اور نہ ہی دیت کی ادائیگی کی فرضیت پر، نہ ہی کسی اور چیز پر۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 27/125)

376۔ اس لڑکی سے شادی کا حکم جس نے اس کے ساتھ صرف ایک مرتبہ دودھ پیا ہو۔

یہ جاننا لازم ہے کہ رضاعت میں پانچ بار پینا ضروری ہے، جو اس سے کم بار پیتا ہے اس کی کوئی تاثیر نہیں، اگر دو بچیاں ایک عورت کا دودھ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ یا تین یا چار مرتبہ پیتی ہیں تو وہ آپس میں بہنیں نہیں ہوئیں، اس بنا پر ان دونوں سے بیک وقت نکاح درست ہے۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 20/121)

377۔ جب واضح ہو جائے کہ اس کی بیوی اس کی رضاعی بہن ہے؟

جب کوئی آدمی کسی عورت سے شادی کرے اور اسے موانع نکاح میں سے کسی مانع کے وجود کا علم نہ ہو، بعد ازاں پتہ چلے کہ وہ تو اس کی رضاعی بہن ہے، بایں طور کہ رضاعت دو سال کے اندر اندر پانچ دفعہ پینے سے ہوئی ہے تو فسخ نکاح واجب ہو جائے گا، اس عقد کے باطل ہونے کی وجہ سے ان میں جدائی کر دی جائے گی، چاہے دخول ہو یا نہ، اور چاہے اس کے اس عورت سے ایک یا دو یا زیادہ بچے ہوں، رضاعت کے متعلق معلوم ہونے سے قبل آدمی کا بیوی سے

جماع زنا نہیں بلکہ نکاحِ شبہ ہوگا، وہ اس پر گنہگار نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے جماع شرعی بیوی سمجھتے ہوئے کیا ہے، اولاد نسباً اسی سے لاحق ہوگی اور ان پر صحیح نکاح سے پیدا ہونے والی اولاد کے احکام جاری ہوں گے، وہ اپنے باپ کے وارث بنیں گے اور اس کے ذمہ ان کا خرچ ہوگا، وہ باقی مسلمانوں کی مانند ہیں لیکن ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ شادی سے پہلے موانعِ نکاح مثلاً مصاہرت و رضاعت وغیرہ کے بارے اچھی طرح تحقیق کر لے، پھر نکاح کے لیے پیش قدمی کرے، تاکہ جس سے شادی کرنے جا رہا ہے اسے واضح طور پر معلوم ہو کہ وہاں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ (اللجنة الدائمة: 2195)

378۔ وہ پڑوسی کی اس بیٹی سے شادی کا خواہاں ہے کہ اس کے بھائی نے اس کی بہن کے ساتھ دودھ پیا ہے۔

اگر معاملہ ایسے ہی ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تو تیرے لیے جائز ہے کہ تو ہمسائے کی بیٹی کی ان بہنوں سے نکاح کر لے جس نے تیرے چھوٹے بھائی کے ساتھ دودھ پیا تھا، تیرے بھائی کے تیرے پڑوسی کی بیٹی کے دودھ شریک بھائی ہونے کا اس شادی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور نہ ہی پڑوسی کی بیٹی کی تیرے بھائی کے ساتھ رضاعت کوئی اثر انداز ہوگی۔ (اللجنة الدائمة: 10862)

379۔ عورت کا اپنے بھائی کو دودھ پلانا۔

عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنے چھوٹے بھائی کو، جبکہ وہ اس کا محتاج ہو دودھ پلائے اور وہ اس کا رضاعی بیٹا بن جائے گا، بشرطیکہ اسے پانچ دفعہ پلائے یا زیادہ مرتبہ جبکہ دو سال کے اندر اندر ہو۔ (اللجنة الدائمة: 19329)

380۔ والدہ کا اپنے نواسے کو دودھ پلانا۔

یہ حرام نہیں، اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے نواسے اور اپنے بیٹے کو دودھ پلائے، اسی طرح اپنی سوکن کے بیٹے کو دودھ پلا سکتی ہے، اس سب میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1)

381۔ رضاعی بھائی کی بیٹیوں سے نکاح۔

انسان کے لیے جائز نہیں کہ رضاعی بھائی کی بیٹیوں سے اور رضاعی بہن کی بیٹیوں سے نکاح کرے، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ﴾ [النساء: 23]

''حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں، خالائیں، اور بھتیجیاں اور بھانجیاں۔''

یہ سات نسب رشتہ داری کی وجہ سے حرام ہیں، اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب))[1]

''رضاعت سے بھی وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے۔''

انھی سات کی مانند سات رضاعی رشتے بھی حرام ہیں، چنانچہ انسان پر حرام ہے اس کی رضاعی ماں، رضاعی بیٹی، رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ، رضاعی بھتیجی، نیچے تک، رضاعی بھانجی، نیچے تک، جیسے وہ نکاح میں محرمات ہیں ایسے ہی وہ ان کے ساتھ خلوت میں جا سکتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس کے سامنے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2645] صحيح مسلم [1445/9]

بے حجاب ہو کر آئیں یا اس کے ہمراہ سفر کریں، کیونکہ وہ اس کی محارم ہیں، لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ باعثِ حرمت رضاعت کی شروط ہیں کہ رضاعت زمانہ رضاعت میں ہی ہو، یعنی بچے کے دو سال سے پہلے اور دودھ چھڑانے سے قبل اور یہ کہ پانچ یا زیادہ دفعہ پیئے، اگر اس سے کم ہو تو رضاعت کا اثر ثابت نہ ہو پائے گا۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 3)

382۔ اس بھائی کا حکم جس نے اپنے بھائی کی بیوی کا دودھ پیا۔

جب اس نے اپنے بھائی کی بیوی کا دودھ پی لیا تو اپنے بھائی کا (رضاعی) بیٹا بن گیا اور اس کے بھائی کی بیوی جس نے اسے دودھ پلایا ہے اس کی ماں بن گئی، لیکن اس کے بھائی کی دیگر بیویاں اس کی کیا لگیں؟ اس بارے علماء کا اختلاف ہے، یعنی رضاعی باپ کی وہ بیوی جس نے بچے کو دودھ نہیں پلایا، کیا دودھ پینے والے کی محرم ہوگی یا کہ نہیں؟ جمہور اہل علم کا خیال ہے کہ وہ اپنے رضاعی باپ کی بیویوں کے لیے محرم ہوگا، جبکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے رضاعی باپ کی بیویوں کا محرم نہیں ہوسکتا، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ ﴾ [النساء: 23]

''اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو۔''

اور فرمایا:

﴿وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ [النساء: 23]

''اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں۔''

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''رضاعت سے بھی وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے۔'' ہماری رائے کے مطابق شیخ الاسلام کی بات درست

ہے کہ رضاعی باپ کی بیویاں اپنے رضاعی بیٹوں کی محارم نہیں ہیں۔

اس کے برعکس تیرا رضاعی بیٹا تو اس کی بیوی کا محرم نہیں بن سکتا، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ﴾ [النساء: 23]

''اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں۔''

یہ نفس مسئلہ میں ہماری رائے ہے اور جمہور کی رائے کا تو تجھے علم ہی ہے کہ رضاعت مصاہرت میں بھی ایسے ہی اثر انداز ہوتی ہے جیسے نسب میں۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 23/55)

383۔ اس شخص کا حکم جس نے اپنی خالہ کے ساتھ اپنی دادی کا دودھ پیا ہو اور اس کی خالہ نے اس کی ماں کا۔

اگر تو نے اپنی دادی کا دودھ پیا ہے جو باعث حرمت ہے یعنی پانچ یا زیادہ مرتبہ تو تُو اس کا بیٹا ہے اور اس کی بیٹیاں تیری بہنیں ہیں اور اس کی بیٹیوں کی بیٹیوں کا تو ماموں ہے، اس لیے کہ تو اپنی ماں کا رضاعی بھائی ہے تو اسے کیسے پکارتا ہے، ماں یا بہن؟ نہیں بلکہ ماں کہہ کر، اسی طرح جس نے تیری ماں کا دودھ پیا ہے وہ تیرا اور تیرے سب بھائیوں کا بھائی ہے، تیری خالاؤں کی بیٹیاں تو ان کا ماموں ہے، کیونکہ تو ان کی ماں کا بھائی ہے۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 41/217)

384۔ رضاعی بیٹے کی بیوی محرمات میں سے نہیں ہے۔

حقیقی بیٹے کی بیوی اس بیٹے کے باپ پر حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے جملہ محرمات میں ذکر فرمایا ہے:

﴿ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ ﴾ [النساء: 23]

''اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں۔''

جب انسان کا بیٹا شادی شدہ ہو تو اس کی بیوی اس کے باپ کے سامنے بے حجاب ہو سکتی ہے، لیکن رضاعی بیٹا اکثر علماء کے نزدیک تو حقیقی بیٹے کی طرح ہے لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے: رضاعت سسرالی رشتے میں اثر انداز نہیں ہوتی، اور رضاعی بیٹے کی بیوی اس کے لیے اجنبی ہے، اس کے سامنے بے حجاب نہیں ہو سکتی، نہ اس کے ساتھ خلوت اختیار کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کے ہمراہ سفر کر سکتی ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ ﴾ [النساء: 23]

''اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں۔''

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''رضاعت سے وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔''

اور بیٹے کی بیوی اس کے باپ پر مصاہرت کی وجہ سے حرام ہے، کیونکہ ان کے درمیان نسب نہیں ہے اور رضاعت سے تو وہی رشتے حرام ہوں گے جو نسب سے ہوتے ہیں اور بیٹے کی بیوی سے نسبی حرمت نہیں ہوتی، لہٰذا رضاعی بیٹے کی بیوی اس کے باپ کے لیے حرام بھی نہیں ہوگی، یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف ہے اور میری رائے بھی یہی ہے۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 32/70)

پرورش کے احکامات

385۔ پرورش کا زیادہ حقدار کون؟

جب پرورش کا مستحق مفقود ہو یا کوئی مانع آجائے تو پرورش کرنے والوں میں سے جو زیادہ قریب ہے وہ اس کی جگہ لے گا اور اس اختیار کا مالک ہوگا جس کا وہ مالک تھا، بعض فقہاء نے اس کی وضاحت کی ہے۔ صاحب ''الشرح الکبیر'' رقمطراز ہیں:

اگر باپ نہ ہو یا اہل نہ ہو اور عصبہ رشتہ داروں مثلاً بھائی، چچا، چچا کا بیٹا ہوں تو ان میں سے کسی کو باپ کا قائم مقام بنا دیا جائے گا، پھر امام اس کے اور اس کی ماں کے مابین اختیار دے گا، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمارہ خرمی کو اس کی ماں اور چچا کے مابین اختیار دیا تھا کیونکہ چچا اس کا عصبہ ہے، سو باپ کے مشابہ ہے، اسی طرح اگر ماں نہ ہو یا پرورش کی اہل نہ ہو تو دادی پرورش کرے گی، بچے کو اس کے اور اس کے باپ کے درمیان اختیار دیا جائے گا یا جو عصبہ میں سے اس کے قائم مقام ہو، اگر ماں باپ دونوں ہی معدوم ہوں یا دونوں پرورش کے قابل نہ ہوں تو بچے کو کسی عورت کے سپرد کیا جائے گا، یعنی اس کی بہن یا پھوپھی یا اس کی خالہ، یہ اس کی ماں کی قائم مقام ہوں گی، اور ان کے اور اس بچے کے عصبہ کے مابین اختیار دیا جائے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 319/22)

386۔ یتیم کے مال میں تصرف کا حکم۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یتیموں کے بارے اصلاح کا حکم دیا ہے اور احسن طریقے کے علاوہ ان کے مال کے قریب جانے سے منع کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ [البقرۃ: 220]

"اور وہ تجھ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے! ان کے لیے کچھ نہ کچھ سنوارتے رہنا بہتر ہے اور اگر تم انھیں ساتھ ملا لو تو تمھارے بھائی ہیں اور اللہ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے جانتا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ [الأنعام: 152]

"اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے۔"

تو یتیم کے سرپرست کے لیے ضروری ہے کہ ان مذکورہ دو آیات کے مطابق عمل کرے اور وہ ہے یتیموں کے مالوں میں اصلاح کرنا، ان کی بڑھوتی کے لیے کوشش و محنت کرنا، ان کی حفاظت کرنا، تجارت کے ساتھ یا کسی قابل اعتماد آدمی کے سپرد کر کے جو اپنے حصے کا منافع لے اور تجارت کرے، نصف لے یا کم و بیش جیسا کہ شہر میں چل رہا ہے اور اگر سارے کا سارا منافع یتیم کے لیے رکھ دے تو یہ زیادہ بہتر و افضل ہے۔

لیکن یتیم کے سرپرست کا ذاتی غرض کے لیے اس کے مال کو خرچ کرنا اور اپنی تجارت کو چمکانا وغیرہ یہ ناجائز ہے، کیونکہ یہ نہ تو یتیم کے حق میں اصلاح ہے اور نہ ہی احسن انداز سے اس کے مال کے قریب جانا ہے، اور اگر یتیم کی خاطر خرچ کرے اور بطور قرض کے اپنے پاس رکھ لے، تاکہ چوری اور تلف وغیرہ ہونے سے بچ جائے اور کوئی قابل اعتماد آدمی نہ ملے جسے بطور تجارت کے مال دے سکے تو اس صورت میں یہ اصلاح اور مال یتیم کی حفاظت ہے، بشرطیکہ سرپرست بذات خود مالدار ہو تو اس کے ذمہ کی وجہ سے مال یتیم کو خطرہ نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یتیم کے سرپرست کے لیے وہ عمل ہے جس میں اس کی زیادہ اصلاح ہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی اصلاح کرنے والے اور فساد بپا کرنے والے کو جانتا ہے، وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کا بدلہ دے گا، اگر اچھا ہے تو اچھا، اگر بُرا ہے تو بُرا، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہمیں اور آپ کو اس کام کی توفیق مرحمت فرمائے جسے وہ پسند کرتا ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 231/22)

387۔ طلاق کی صورت میں والدین میں سے کوئی بھی بچے سے دوسرے کے ملنے میں رکاوٹ پیدا نہ کرے۔

جب بیوی شادی والے گھر سے نکل جائے یا طلاق کے سبب میاں بیوی میں جدائی ہو جائے اور ان کے ایک یا متعدد بچے ہوں تو اسلامی شریعت میں جائز نہیں کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک بچے سے دوسرے کے ملنے یا دیکھنے میں رکاوٹ بنے، اگر بچہ بطور مثال ماں کے زیر پرورش ہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کے باپ کو بچے سے ملنے یا دیکھنے میں رکاوٹ پیدا کرے، کیونکہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صلہ رحمی واجب قرار دی ہے۔ فرمایا:

﴿ وَ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔا وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِي الۡقُرۡبٰى ﴾ [النساء: 36]

"اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت والے کے ساتھ۔"

اور حدیث پاک میں ہے:

((من فرق بين والدة و ولدها فرق الله بينه وبين أحبته يوم القيامة)) [1]

"جس نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالی اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے اور اس کے پیاروں کے درمیان جدائی ڈال دیں گے۔"

(اللجنة الدائمة: 21102)

---

[1] حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث [1566]

وراثت

388۔ وراثت کے متعلقہ حقوق۔

اگر وراثت تنگ پڑ جائے تو ترتیب سے پانچ حقوق لاگو ہوتے ہیں:

1. میت کی تجہیز و تکفین اور دفن وغیرہ کے اخراجات۔
2. وہ قرض جو بعینہٖ وراثت سے متعلق ہوں، جیسا کہ ایسا قرض جس کے سبب چیز گروی رکھی ہے اور ایسی دیت جو مجرم آدمی کی گردن سے متعلق ہے، وغیرہ۔
3. عام قرض چاہے اللہ کے ہوں یا کسی آدمی کے۔
4. وصیتیں جو ایک تہائی یا کم مال سے ہوں کسی اجنبی کے لیے، اگر ایک تہائی مال سے زیادہ کی ہوں یا کسی وارث کے لیے ہوں تو دیگر ورثاء کی رضا مندی ضروری ہے۔
5. میت کا ترکہ، وراثت۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 112/20)

389۔ وراثت کی شروط۔

1. میت کے مرتے دم وراثت حاصل کرنے والے وارث کی زندگی کا ثبوت یا حکماً اس کا زندوں کے ساتھ الحاق، وہ دو شرطوں سے وارث بنے گا:

ا۔ میت کے مرتے دم اس کا رحم میں ہونا چاہے نطفہ کی صورت میں ہے۔

ب۔ اس کا زندہ و سلامت جنم لینا۔

2 مرنے والے کی موت کا ثبوت مشاہدہ سے یا شہرت سے یا دو عادل آدمیوں کی گواہی سے ہو یا حکماً اسے مردوں میں شمار کر لیا جائے جس طرح کے مفقود الخبر ہے، یا تقدیراً جیسا کہ جنین ہے، جیسا کہ اس کی ماں سے ظلم و زیادتی کی جائے اور وہ ساقط ہو جائے اس میں ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا ہوگا اور اسے زندہ تصور کیا جائے، پھر سمجھا جائے گا کہ وہ مر گیا ہے اور اس غلام کا اسی کی طرف سے وارث بنا جائے گا۔

3 مقتضائے وراثت کا علم ہونا، اس کا مطلب ہے وراثت کے سبب، وارث کی جہت اور درجہ وغیرہ کی معرفت ہونا۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 111/20)

390۔ وراثت کے اسباب۔

اسبابِ وراثت تین ہیں:

1 نکاح۔ 2 ولاء۔ 3 نسب۔

نکاح: یہ صحیح عقد زوجیت ہے، چاہے وطی اور خلوت نہ ہوئی ہو، اس کے سبب میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث بنیں گے اور رجعی طلاق کی عدت میں بھی بنیں گے۔

ولاء: یہ ایک تعلق ہے، اس کا سبب وہ نعمت اور احسان ہے جو غلام کو آزاد کرنے والے نے اس پر بطور آزادی کیا ہے، اس میں آزاد کرنے والا اور اس کے وہ عصبہ وارث بنیں گے جن کے میت تک تعلق میں کوئی مؤنث نہ آئے (عصبہ بنفسہ)، ان کے علاوہ عصبہ بالغیر اور مع الغیر وارث نہ بنیں گے، اور نہ ہی آزاد شدہ وارث بنے گا، جس طرح آزاد ہونے والے پر

ولاء ثابت ہوتا ہے اسی طرح اس کی فرع (اولاد) پر بھی ولاء ثابت ہوگا، لیکن اس کی دو شرطیں ہیں:

1. اس کے والدین میں سے کوئی بھی اصلاً آزاد نہ ہو۔
2. اسے کسی کی غلامی نے نہ چھوا ہو۔

بچہ آزادی اور غلامی میں اپنی ماں کا تابع ہوتا ہے لیکن دین میں دونوں میں سے بہتر دین والے کا پیرو ہوتا ہے، ولاء باپ کے تابع ایسے ہی ہوتا ہے جیسے نسب میں، اور کبھی ماں کے موالی کے لیے ہوتا ہے، اس کی ایک ہی صورت ہے کہ جب غلام آزاد عورت سے نکاح کرے، اس سے بچہ پیدا ہو تو اس عورت کی اولاد کا ولاء اس کے آقاؤں کے لیے ہوگا اور کبھی یہ باپ کے آزاد کرنے والوں تک چلا آتا ہے۔ اس کی تین شرطیں ہیں:

1. ماں آزاد ہو۔
2. باپ حالت ولادت میں غلام ہو۔
3. مرنے سے قبل باپ کو آزادی کا پروانہ مل جائے۔

نسب: رشتہ داری کو کہتے ہیں، یہ اصول، فروع اور حواشی پر مشتمل ہے:

اصول: باپ، مائیں، دادے، دادیاں اوپر تک۔

فروع: اولاد، بیٹوں کی اولاد نیچے تک۔

حواشی: بھائی اور ان کے بیٹے نیچے تک، چچے اوپر تک، ان کے بیٹے، نیچے تک۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 113/20)

391۔ وراثت میں رکاوٹیں۔

وراثت کے موانع تین ہیں: غلامی، قتل، دین کا مختلف ہونا۔

غلامی: انسان سے قائم ہوجانے والی یہ ایک حکمی کمزوری ہے، اس کا سبب کفر ہے، غلام نہ وارث بنتا ہے نہ اس کا وارث بنا جاتا ہے اور نہ ہی رکاوٹ بنتا ہے۔ جس غلام نے کچھ قسطیں ادا کر دی ہیں وہ اپنی آزادی کے بقدر وارث بنے گا، اس کا وارث بنا جائے گا اور وہ رکاوٹ بھی بنے گا۔

قتل: ایسا قتل جو قصاص، دیت یا کفارے کو واجب کر دے، جو ایسا نہ ہو وہ مانع بھی نہیں۔

اختلاف دین: مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا، سوائے ولاء کے، اور کافر مسلمانوں کا وارث نہیں بن سکتا، سوائے ولاء کے، اگر وراثت کی تقسیم سے قبل کافر مسلمان ہوجائے تو ترغیب اسلام کی خاطر اسے وارث بنایا جائے گا۔ کفر کی کئی ملتیں ہیں اور حدیث کی رو سے دو مختلف دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 115/20)

392۔ مردوں میں سے وارث بننے والوں کا بیان۔

تفصیلاً مردوں میں سے وارث بننے والے پندرہ ہیں: بیٹا، پوتا، نیچے تک، باپ، دادا باپ کی جانب سے اوپر تک صرف مذکر، حقیقی بھائی، باپ کی طرف سے بھائی، ماں کی طرف سے بھائی، سگے بھائی کا بیٹا، باپ کی طرف سے بھائی کا بیٹا نیچے تک، حقیقی چچا، باپ کی طرف سے چچا اوپر تک، حقیقی چچا کا بیٹا، باپ کی طرف سے چچا کا بیٹا نیچے تک، خاوند، آزاد کرنے والا۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 116/20)

393۔عورتوں میں سے وارث بننے والیوں کا بیان۔

تفصیلی لحاظ سے عورتوں میں سے وارث بننے والیوں کی تعداد گیارہ ہے:
بیٹی، پوتی، نیچے تک، ماں، نانی، دادی باپ کی طرف سے، دادی دادے کی طرف سے، حقیقی بہن، باپ کی طرف سے بہن، ماں کی طرف سے بہن، بیوی، آزاد کرنے والی۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 116/20)

394۔نصف کے حقدار۔

آدھا حصہ لینے والے پانچ قسم کے افراد ہیں:
خاوند، بیٹی، پوتی نیچے تک، حقیقی بہن، باپ کی طرف سے بہن۔

خاوند: نصف کا مستحق شرطِ عدم کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ ہے اولاد کا نہ ہونا، اس میں اولاد اور بیٹوں کی اولاد نیچے تک سب شامل ہیں۔

بیٹی: یہ نصف کی مستحق ٹھہرتی ہے دو کے نہ ہونے کی شرط سے، اور وہ ہیں: عصبہ (اس کے بھائی) کا نہ ہونا، اور شریک (اس کی بہن) کا نہ ہونا۔

پوتی نیچے تک: یہ تین عدمی شروط کے ساتھ نصف کی وارث بنتی ہے، عصبہ (اس کے بھائی) کا نہ ہونا، یا اس کے چچا کا بیٹا جو اس کا ہم درجہ ہے، شریک کا نہ ہونا اور وہ اس کی بہن ہے، یا ہم درجہ چچا کی بیٹی اور فرع وارث جو اس سے اوپر کے درجہ کی ہے اس کا نہ ہونا۔

حقیقی بہن: یہ چار عدمی شروط سے نصف کی حقدار بنتی ہے، عصبہ کا نہ ہونا، اس سے مراد اس کا حقیقی بھائی ہے، شریک کا نہ ہونا، اس سے مراد حقیقی بہن ہے، فرع وارث کا نہ ہونا اور مذکر وارث کی اصل کا نہ ہونا، اس سے مراد باپ، دادا اوپر تک محض مذکر ہیں۔

باپ کی طرف سے بہن: یہ پانچ عدمی شروط کی بنیاد پر نصف حاصل کرتی ہے، عصبہ کا نہ ہونا، شریک کا نہ ہونا، فرع وارث کا نہ ہونا، مذکر وارث کی اصل کا نہ ہونا اور حقیقی بہنوں اور حقیقی بھائیوں کا نہ ہونا۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 118/20)

395۔ چوتھائی حصے کے مستحق۔

چوتھائی حصہ لینے والے دو ہیں: خاوند، بیوی ایک یا زیادہ، خاوند وجودی شرط کے ساتھ اس کا مستحق ہوتا ہے اور وہ ہے فرع وارث کا وجود، اور بیوی شرطِ عدمی کے ساتھ اس کی مستحق بنتی ہے، اور وہ ہے فرع وارث کا نہ ہونا۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 119/20)

396۔ آٹھواں حصہ لینے والا۔

آٹھواں حصہ لینے والا ایک ہی وارث ہے اور وہ ہے بیوی ایک یا زیادہ، یہ شرط وجودی کی بنیاد پر یہ حصہ لیتی ہے اور وہ ہے فرع وارث کا ہونا۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 119/20)

397۔ دو تہائی لینے والے۔

دو تہائی لینے والے چار قسم کے افراد ہیں:

بیٹیاں، پوتیاں، حقیقی بہن، باپ کی طرف سے بہن۔

بیٹیاں دو شرطوں کی بنیاد پر دو تہائی لیتی ہیں، ایک شرطِ وجودی ہے کہ وہ دو یا دو سے زیادہ ہوں، اور ایک شرطِ عدمی ہے کہ عصبہ نہ ہو۔

پوتیاں تین شروط کی بنیاد پر یہ حصہ لیتی ہیں، ایک شرطِ وجودی ہے کہ وہ

دو یا دو سے زیادہ ہوں اور تین عدمی شروط ہیں کہ عصبہ نہ ہو، فرع وارث نہ ہو، مذکر وارث میں سے اصل نہ ہو۔

اور باپ کی طرف سے بہنیں پانچ شروط کے ساتھ یہ حصہ لیتی ہیں: ایک شرط وجودی ہے کہ وہ دو یا دو سے زیادہ ہوں، اور چار شروط عدمی ہیں کہ عصبہ نہ ہو، فرع وارث نہ ہو، مذکر وارث کی اصل نہ ہو، حقیقی بہن اور حقیقی بہنیں نہ ہوں۔
(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 120/20)

398۔ ایک تہائی حصہ لینے والے۔

ایک تہائی حصہ لینے والے دو ہیں، ماں اور ماں کی طرف سے بہن بھائی۔

ماں تین عدمی شروط کے ساتھ ایک تہائی کی مستحق بنتی ہے، فرع وارث کا نہ ہونا، بہن بھائیوں کا زیادہ تعداد میں نہ ہونا یعنی جمع نہ ہوں اور اس سے مراد دو یا دو سے زیادہ ہیں، چاہے دونوں مذکر ہوں یا دونوں مؤنث ہوں یا دونوں مخنث ہوں یا دونوں مختلف حقیقی بھائی اور بہن ہوں یا باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے ہوں، وارث ہوں یا کسی شخص کی وجہ سے محروم کر دیے گئے ہوں۔

تیسری شرط یہ کہ مسئلہ دو عمریہ[1] مسئلوں میں سے نہ ہو، اور وہ یہ ہیں کہ خاوند ماں اور باپ ہو، یا بیوی ایک یا زیادہ ماں اور باپ ہو، ان دونوں میں ماں کو باقی ماندہ تیسرا حصہ ملے گا اور یہ پہلے مسئلہ میں چھٹا اور دوسرے میں چوتھا حصہ بنتا ہے۔

دوسرے ماں کی طرف سے بہن بھائی ہیں، یہ تین شروط کی بنیاد پر تیسرا حصہ حاصل کرتے ہیں، ایک شرط وجودی ہے کہ وہ دو یا دو سے زیادہ ہوں اور دو

---

[1] وہ یہ ہیں کہ (1) عورت: خاوند، باپ اور ماں کو چھوڑ کر مرے۔ (2) مرد: بیوی، باپ اور ماں کو چھوڑ کر فوت ہو۔

شرطیں عدمی ہیں اور وہ ہیں کہ فرع وارث نہ ہو اور مذکر وارث کی اصل نہ ہو، ماں کی طرف سے اولاد کے کچھ احکامات مخصوص ہیں، ان میں سے ہے کہ یہ مذکر اور مونث برابر ہوتے ہیں، انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں اور یہ مونث کے سبب میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور وارث بنتے ہیں اور جس کی وجہ سے میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں اس کے حجب نقصان واقع ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے منسوب ہوتے ہیں، اس کی موجودگی میں بھی وارث بنتے ہیں، اس آخری امتیاز میں ان کے ساتھ اور بھی شریک ہیں، جیسا کہ دادی اور باپ کے باپ کی ماں۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 121/20)

399۔ چھٹے حصے کے مستحقین۔

چھٹا حصہ لینے والے سات قسم کے افراد ہیں:

1. باپ: یہ شرطِ وجودی کے ساتھ یہ حصہ لیتا ہے اور وہ ہے فرع وارث کا ہونا۔
2. ماں: یہ بھی شرط وجودی کے ساتھ اس کی مستحق ہوتی ہے اور وہ ہے فرع وارث کا ہونا یا جمع کی صورت میں بہن بھائیوں کا ہونا، جمع دو یا زیادہ کو کہتے ہیں۔
3. دادا: یہ دو شرطوں سے اس کا مستحق بنتا ہے، ایک وجودی ہے اور وہ ہے فرع وارث کا ہونا اور دوسری عدمی ہے اور وہ ہے باپ کا نہ ہونا۔
4. پوتی ایک یا زیادہ: یہ دو عدمی شرطوں سے اس کی مستحق ہوتی ہے، عصبہ کا نہ ہونا اور فرع وارث جو اس سے اوپر کے درجہ میں ہو اس کا نہ ہونا، سوائے نصف لینے والی کے کہ یہ اس کے ساتھ مل کر چھٹا حصہ لیتی ہے۔
5. علاتی بہن ایک یا زیادہ: یہ دو شرطوں سے چھٹا حصہ لیتی ہے، پہلی یہ کہ یہ حقیقی بہن کے ساتھ ہو جو فرض نصف حصہ لیتی ہے اور دوسری یہ کہ یہ عصبہ نہ ہو۔

6 دادی ایک یا زیادہ: یہ شرطِ عدمی کی وجہ سے مستحق بنتی ہے اور وہ ہے ماں کا نہ ہونا اور شرطِ وجودی کی بنیاد پر بھی کہ وارث کی وجہ سے میت سے منسوب ہو۔

7 ماں کی اولاد مذکر ہو یا مؤنث، اس کے استحقاق کی تین شروط ہوں: (۱) فرع وارث کا نہ ہونا۔ (۲) مذکر وارث میں سے اصل کا نہ ہونا۔ (۳) اس کا تنہا ہونا۔

دادیوں، نانیوں میں سے جو اکثر وارث بنتی ہیں تین ہیں: ماں کی ماں، اوپر تک محض مؤنث، باپ کی ماں، اوپر تک محض مؤنث، باپ کے باپ کی ماں، اوپر تک محض مؤنث، اگر درجے میں برابر ہوں تو چھٹا حصہ ان میں تین تین حصوں میں کر کے تقسیم کیا جائے گا اور جو ان میں سے میت کے زیادہ قریب ہوگی وہ اکیلی ہی چھٹے حصے کی مستحق ہوگی اور اگر دادی دو رشتوں سے میت کی جانب منسوب کی جائے تو ان کی وجہ سے چھٹے حصے کے دو تہائی حصے لے جائے گی، جیسا کہ اگر ایک آدمی اپنی پھوپھی زاد سے شادی کرے اور اس سے بچہ پیدا ہو تو اس کی ماں کی ماں اور اس کے باپ کے باپ کی ماں اس بچے کی دادی ہوگی، اسی طرح اگر وہ اپنی خالہ زاد سے شادی کرے اور وہ بچہ جنم دے تو بچے کی دادی اس کی ماں کی ماں اور اس کے باپ کی ماں ہوگی۔

نیز ہر وہ دادی جو ایسے مذکر کے سبب منسوب ہو جو دو مؤنثوں کے درمیان ہے، جیسا کہ ماں کے باپ کی ماں تو ایسی دادی کو بھی کچھ نہیں ملے گا، اور اسی طرح ہر وہ دادی جو دادے کے اوپر والے باپ کے سبب منسوب ہو جس طرح کہ دادا کے باپ کی ماں تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے کہ وہ دادے کی ماں کی طرح وارث بنے گی۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 122/20)

400۔ عورتوں کی وراثت۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں وراثتوں کی وضاحت فرمائی ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَيَيۡنِۚ﴾ [النساء: 11]

''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے، مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ ہے۔''

مؤنث کو منقولہ و غیر منقولہ جائیداد میں سے مذکر کے مقابلے میں نصف ملے گا۔ یہ متوفی کے قرض کی ادائیگی اور شرعی وصیت کے نفاذ کے بعد ہوگا۔
(اللجنة الدائمة: 6209)

401۔ بیوی کی وراثت۔

جب خاوند کی اولاد ہو تو اسے اس کے مال کا آٹھواں حصہ ملے گا اور اگر اولاد نہ ہو تو چوتھا حصہ ملے گا، وہ مال منقولہ جائیداد کی صورت ہو یا غیر منقولہ کی صورت، اگر اس کی اور بھی بیوی یا بیویاں ہیں تو یہی آٹھواں حصہ ان دونوں یا سب میں برابر برابر تقسیم ہو جائے گا۔ (اللجنة الدائمة: 4731)

402۔ باپ کی بیوی کی وراثت۔

تیرے باپ نے جو کچھ وراثت چھوڑی اس میں سے تیری ماں کا آٹھواں حصہ ہے، اگر تیرے باپ کی کوئی اور بیوی نہیں تو وہ تنہا اس کی مالک ہوگی، چاہے ترکہ فروخت کر دیا جائے یا غلہ بنا لیا جائے، اس کے لیے فروخت کردہ کا آٹھواں یا غلہ کا آٹھواں حصہ ہوگا، یہ تیرے باپ کی ادائیگی قرض اور شرعی وصیت کے نفاذ کے بعد ہوگا۔ (اللجنة الدائمة: 18782)

403۔ نافرمان بیوی کی وراثت۔

میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث بنیں گے جب تک عقد نکاح قائم ہے، خواہ بیوی اطاعت شعار ہو یا متوفی خاوند کی نافرمان ہو، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء: 12]

''اور تمھارے لیے اس کا نصف ہے جو تمھاری بیویاں چھوڑ جائیں، اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمھارے لیے اس میں سے چوتھا حصہ ہے، جو انھوں نے چھوڑا، اس وصیت کے بعد جو وہ کر جائیں، یا قرض (کے بعد) اور ان کے لیے اس میں سے چوتھا حصہ ہے، جو تم چھوڑ جاؤ، اگر تمھاری کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر تمھاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لیے اس میں سے آٹھواں حصہ ہے، جو تم نے چھوڑا، اس وصیت کے بعد جو تم کر جاؤ یا قرض (کے بعد)۔

اللہ تعالیٰ نے حکم وراثت کو زوجیت سے معلق قرار دیا ہے اور وہ تا حال باقی ہے۔ (اللجنة الدائمة: 1587)

404۔ غیر مدخولہ بیوی کی وراثت۔

جب میاں بیوی کے مابین صحیح عقد نکاح ہو جائے، پھر خاوند قبل از دخول وفات پا جائے تو بیوی اس کی وارث بنے گی۔ (اللجنة الدائمة: 11470)

405۔ جو بیوی خاوند سے پہلے فوت ہو جاتی ہے وارث نہیں ہوتی۔

جو بیوی خاوند کی وفات سے قبل وفات پا جائے اس کے مال سے کچھ وارث نہیں ہوتی، کیونکہ شروط وراثت میں سے ہے کہ وارث میت کی وفات کے وقت زندہ ہو۔ (اللجنة الدائمة: 16333)

406۔ خاوند کی بیوی کے مال سے وراثت۔

اگر بیوی کی اولاد نہ ہو تو خاوند کو اس کی وراثت کا نصف حصہ ملتا ہے، اگر اس کی اولاد ہو تو پھر چوتھا حصہ ملتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء: 12]

"اور تمھارے لیے اس کا نصف ہے جو تمھاری بیویاں چھوڑ جائیں، اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمھارے لیے اس میں سے چوتھا حصہ ہے جو انھوں نے چھوڑا، اس وصیت کے بعد جو وہ کر جائیں، یا قرض (کے بعد) اور ان کے لیے اس میں سے چوتھا حصہ ہے جو تم چھوڑ جاؤ، اگر تمھاری کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر تمھاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لیے اس میں سے آٹھواں حصہ ہے، جو تم نے چھوڑا، اس وصیت کے بعد جو تم کر جاؤ یا قرض (کے بعد)۔"

(اللجنة الدائمة: 9713)

407۔ ولد زنا کی وراثت۔

اسے جنم دیتے وقت اگر وہ خاوند کی عصمت میں تھی تو خاوند سے ہی ملحق کیا جائے گا، الا یہ کہ وہ لعان کے ذریعہ اس کی نفی کر دے اور اگر بذریعہ لعان اس کی نفی کر دے تو بچہ ماں سے لاحق ہوگا ماں کے عصبہ اس کے عصبہ سمجھے جائیں گے، وہ ایسے ہے جیسے اس نے بغیر عصمتِ شوہر اس کو جنم دیا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 6759)

408۔ پوتوں کی وراثت دادے سے۔

پوتے چچوں کی موجودگی میں دادا کے وارث نہیں بنیں گے، کیونکہ ان کی موجودگی میں وہ محروم ہوں گے، اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

(اللجنة الدائمة: 1934)

409۔ مسئلہ مشرّکہ میں وراثت۔

مسئلہ مشرّکہ میں صحیح بات یہ ہے کہ حقیقی بھائی اخیافی بھائیوں کے ساتھ وارث نہیں بنتے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((ألحقوا الفرائض بأهلها، فما بقي فلأولىٰ رجل ذكر)) [1]

''فرض حصے ان کے مستحقین کو دے دو اور جو باقی بچے وہ زیادہ قریبی مذکر مرد کے لیے ہے۔''

یہ مذہب امام احمد اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے، یہی قول حضرت علی، ابن مسعود، ابی بن کعب، ابن عباس اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور حضرت

[1] متفق عليه. صحيح البخاري، رقم الحديث [6732] صحيح مسلم [1615]

عمر رضی اللہ عنہ نے بھی پہلے پہل اس کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا تھا۔

(اللجنة الدائمة: 5734)

410۔ بہنوں بھائیوں کی وراثت۔

مذکر بھائیوں کی وراثت برابر ہے، جبکہ میت سے قرب میں برابر ہوں، قوت نسبتی میں بھی برابر ہوں، بایں طور کے سب کے سب حقیقی بھائی ہو یا علاتی بھائی ہوں اور میت ان کی بھائی ہو، ہر ایک کو دوسرے کے حصے کے مثل ملے گا، ان میں سے کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جائے گی، چاہے کوئی طالب علم ہو اور دوسرا عائلی زندگی میں کئی بچوں کی پرورش کا ذمہ دار، اور اسی طرح جب وہ سب بھائی ہوں اور میت کی اولاد ہو تو وراثت میں سب برابر ہوں گے اور اگر مذکر اور مؤنث ہوں تو مذکر کو دو مؤنثوں کے حصے کے برابر ملے گا۔

(اللجنة الدائمة: 13792)

411۔ ساقط ہو جانے والے بچے کی وراثت۔

سوال ایک آدمی ماں، متعدد بہن بھائی اور چھ ماہ کی حاملہ بیوی چھوڑ کر فوت ہوا، اس کی تاریخ وفات سے تقریبا پچیس دن بعد حمل فوت ہو گیا، پھر دو بچے مذکر اور مؤنث ساقط ہو گئے، انھوں نے کوئی حرکت نہیں کی، تو کیا یہ دو ساقط ہونے والے بچے اپنے باپ کے وارث بنیں گے، جبکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہی مر چکے تھے؟

جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ دونوں بچے مردہ حالت میں ساقط ہوئے تو انھیں اپنے باپ سے اور نہ کسی اور سے کوئی وراثت نہیں مل سکتی، اور ان کا اپنے

باپ کی وفات کے بعد پچیس دن تک اپنی ماں کے پیٹ میں زندہ رہنا ان کے لیے موجب وراثت نہیں، کیونکہ وہ مردہ حالت میں اپنی ماں سے ساقط ہوئے ہیں۔
(اللجنة الدائمة: 6313)

412۔ مفقود الخبر کی وراثت۔

اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ مفقود الخبر دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا، یا تو وہ ایسی حالت میں گم ہوتا ہے جس میں غالباً ہلاکت ہوتی ہے، جیسا کہ لڑائی کا معرکہ، سمندر میں، جنگل میں یا ایسی ہی کوئی صورت، اس میں مذہب یہ ہے کہ چار سال تک انتظار کیا جائے گا، پھر اس کی موت کا حکم لگایا جائے گا، پھر اس حکم کی بنیاد پر موت کے احکامات لاگوں ہوں گے، یا پھر وہ ایسی حالت میں گم ہوتا ہے جس میں غالباً سلامتی ہوتی ہے، جس طرح کہ اس کا اپنے شہر یا کاروبار یا ایسی ہی کسی صورتحال میں گم ہوجانا ہے، اس بارے مذہب یہ ہے کہ اس کی پیدائش سے لے کر اس کی نوے سال عمر ہونے تک انتظار کیا جائے، پھر اس کے مستقل گم رہنے کی صورت میں اس کی موت کا حکم لگایا جائے اور اس پر احکامِ موت مرتب ہوں گے۔ (اللجنة الدائمة: 719)

413۔ وہ اکٹھے ایک ہی حادثہ میں فوت ہوئے کوئی پتہ نہیں پہلے کون ہوا اور بعد میں کون؟

اگر معاملہ ایسے ہی ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ مذکورہ حادثہ میں ہلاک ہونے والے اکٹھے اس حادثہ کے وقت فوت ہوئے، اور کوئی پتہ نہیں کہ ان میں سے پہلے کون فوت ہوا اور بعد میں کون؟ تو پھر کوئی بھی دوسرے کا وارث نہیں

بنے گا، کیونکہ وراثت کی شروط میں سے ہے کہ میت کی وفات کا ثبوت ہو اور وارث کی اس کے بعد زندگی کا ٹھوس ثبوت ہو۔ (اللجنة الدائمة: 652)

414۔ میاں بیوی آگ میں جل کر مر گئے اور پہلے مرنے والے کا علم نہیں۔

جب ایسی صورت ہو کہ میاں بیوی آگ میں جھلس جائیں اور ان میں سے پہلے مرنے والے کا پتہ نہ ہو تو صحیح بات یہی ہے کہ دونوں مرنے والوں میں سے کوئی بھی کسی کا وارث نہیں بنے گا، کیونکہ شرطِ وراثت مفقود ہے اور وہ ہے میت کی وفات کے بعد وارث کا زندہ ہونا، لہٰذا دونوں میتوں کا مال دیگر ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ (اللجنة الدائمة: 6276)

415۔ مطلقہ بائنہ کی وراثت۔

جب عورت کو طلاق بائنہ ہو جائے اور اس کی عدت ختم ہو جائے تو وہ طلاق دینے والے کی وراثت کی حقدار نہیں ہوگی، جبکہ طلاق دینے والا خاوند وفات پا جائے۔ (اللجنة الدائمة: 12532)

416۔ آزاد کردہ لونڈی کی وراثت۔

آزاد کردہ لونڈی جب فوت ہو جائے اور گھر اور جائیداد چھوڑ جائے تو سب سے پہلے اس کے قرض کی ادائیگی اور شرعی وصیت کو نافذ کیا جائے گا، جو باقی بچے گا وہ اس کے سب سے قریبی نسبی رشتہ دار کو ملے گا، اگر کوئی رشتہ دار نہ ہو تو اسے آزاد کرنے والے کو ملے گا، مذکر ہو یا مؤنث، اگر آزاد کرنے والا خود نہ ہو تو اس کے عصبہ میں سے قریبی مذکر کو مل جائے گا۔ (اللجنة الدائمة: 237)

417۔ رجعی طلاق والی کی وراثت۔

جب عورت کو طلاق رجعی ہو اور اس کا خاوند انتہائے عدت سے پہلے ہی فوت ہو جائے تو وہ شرعی حصہ کی وارث ہوگی، اگر وہ عدت سے نکل چکی ہے تو پھر وارث نہیں بن سکتی، اسی طرح اگر طلاق بائنہ ہو جس میں رجوع نہیں، اس عورت کی طرح ہے جس نے مال کی بنیاد پر طلاق لی ہے، یعنی خلع کیا ہے اور جسے آخری تیسری طلاق ہوئی اور دیگر طلاق بائنہ والیاں ان کے لیے اپنے طلاق دینے والوں کی وراثت سے کچھ نہیں، کیونکہ یہ سب اس کی موت کے وقت اس کی بیویاں نہیں تھیں، لیکن اس سے وہ مستثنیٰ ہوگی جس کو اس کے خاوند نے بوقت مرگ طلاق دی اس نیت سے کہ وہ وراثت سے محروم رہ سکے، وہ اس کی وارث بنے گی، عدت میں بھی اور عدت کے بعد بھی، جب تک شادی نہیں کرتی، اگرچہ طلاق بائنہ ہی کیوں نہ ہوتا کہ خاوند کے غلط ارادے کی مخالفت کی جا سکے، علماء کا صحیح قول یہی ہے، واللہ ولي التوفیق۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 256/20)

418۔ مخنّث (ہیجڑے) کی وراثت۔

مخنث کے بارے تفصیل ہے، بلوغت سے پہلے شبہ ہے کہ وہ مذکر ہے یا مؤنث؟ کیونکہ اس کے دو آلے ہوتے ہیں، ایک عورت والا اور دوسرا مرد والا، لیکن بالغ ہونے کے بعد غالباً اس کا مذکر یا مؤنث ہونا واضح ہو جاتا ہے، جب اس کی کوئی ایسی چیز ظاہر ہو جو اس کے مؤنث ہونے کی علامت ہے، جیسا کہ پستانوں کا ابھر آنا یا حیض کا آ جانا یا عورت والے آلے سے پیشاب کرنا تو اس کے بارے مؤنث کا حکم لاگو کیا جائے گا، اور طبی علاج کے ذریعے محفوظ طریقہ

سے مذکر والا آلہ ختم کر دیا جائے گا، اور جب وہ چیز ظاہر ہو جو اس کے مذکر ہونے پر دلالت کرے، جیسا کہ داڑھی کا اُگ آنا اور مذکر والے آلے سے پیشاب کرنا، نیز دیگر علامات جنھیں ڈاکٹرز پہچانتے ہیں تو اس پر مذکر کا حکم لاگو ہوگا اور مذکر والا معاملہ ادا کیا جائے گا، اس سے پہلے موقوف ہوگا تا آنکہ معاملہ واضح ہو جائے، بات کھلنے سے پہلے شادی بھی نہیں کی جا سکتی اور وہ بلوغت کے بعد ہی ہوگا، جیسا کہ اہل علم نے فرمایا ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 251/20)

419۔ قاتل کی وراثت۔

قاتل مقتول کا وارث نہیں بن سکتا، جبکہ قتل جان بوجھ کر اور ظلم کی بنا پر کیا ہو، اسی طرح اگر قتل خطا ہو اس پر دیت اور کفارہ لازم آتا ہو پھر بھی اس کا وارث نہیں بن سکتا، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((ليس للقاتل من الميراث شيء)) [1]

''قاتل کے لیے وراثت سے کچھ بھی نہیں۔''

اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں بن سکتا، جبکہ قتل ظلم کی بنیاد پر ہو، لیکن اگر باقی ورثاء درگزر کر دیں اور اس کو شریک کر لیں تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ وہ مکلّف اور ہوشمند ہوں اور اجازت دیں کہ وہ بھی ان کے ساتھ وارث بن جائے، کیونکہ حق انھی کا ہے اور وہ خود ساقط کر رہے ہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 261/20)

420۔ بیٹے کی باپ سے وراثت جبکہ وہ فرض نماز ادا نہ کرتا ہو۔

نماز کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے اسے ترک کرنا بالاجماع کفر ہے

---

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [4564]

اور سستی و کاہلی کی وجہ سے نہ پڑھنا بھی علماء کے راجح قول کے مطابق کفر ہے، اس بنا پر جائز نہیں کہ مسلم کافر کا وارث بنے، اگرچہ مسلمان کافر کے بیٹوں سے ہی کیوں نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

《 لا يرث المسلم الكافر، ولا الكافر المسلم 》[1]

''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔''

(اللجنة الدائمة: 7109)

421۔ اس کی وراثت جو ولیوں کے بارے غلط عقیدہ رکھتا ہے۔

جو شخص فوت شدگان کے متعلق عقیدہ رکھے کہ وہ نفع و نقصان کے مالک ہیں یا ان سے استغاثہ کرے یا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انھیں پکارے، وہ مشرک ہو جائے گا، اگرچہ أشهد أن لا إله إلا الله پڑھتا ہو، روزہ اور نماز کا بھی پابند ہو، کیونکہ شرک کی وجہ سے اس نے ان اعمال کو ضائع کر لیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴾ [الزمر: 65]

''اور بلاشبہ یقیناً تیری طرف وحی کی گئی اور ان لوگوں کی طرف بھی جو تجھ سے پہلے تھے کہ بلاشبہ اگر تو نے شریک ٹھہرایا تو یقیناً تیرا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا اور تو ضرور بالضرور خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائے گا۔'' (اللجنة الدائمة: 20054)

422۔ غیر مسلم بیوی کی وراثت۔

سوال جب ایک آدمی فوت ہو جائے اور اس کی دو بیویاں ہوں، دوسری

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [6764] صحيح مسلم [1614/1]

بیوی غیر مسلم ہو، اولاد دونوں سے ہو، کیا دوسری بیوی کی اولاد وارث بنے گی؟

موانع وراثت میں سے دین کا مختلف ہونا بھی ہے، اگر اس آدمی کی دوسری بیوی سے اولاد بھی ماں کی طرح غیر مسلم ہے تو وہ اپنے باپ کی وارث نہیں بنے گی، اسی طرح ان کی کافر ماں اپنے مسلمان خاوند کی وارث نہیں بنے گی، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لا یرث المسلم الکافر، و لا الکافر المسلم»[1]

''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔''

اگر کافر بیوی کی اولاد مسلمان ہو یا کچھ مسلمان ہوں تو غیر مسلم ہونا ان کی وراثت میں رکاوٹ نہیں بنے گا، اسی طرح جب وہ چھوٹے ہوں اور ابھی بالغ نہ ہوئے ہوں تو ان پر باپ کے مطابق اسلام کا حکم لگایا جائے گا، اور وہ وارث بنیں گے۔ (اللجنة الدائمة: 20173)

423۔ مسلمان کی کافر سے وراثت۔

مسلمان اولاد جن کا باپ بحالتِ کفر فوت ہوا وہ اس کے وارث نہیں بنیں گے، اس کے متعلق دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بخاری و مسلم رحمہم اللہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لا یرث المسلم الکافر، و لا الکافر المسلم»[2]

''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔''

(اللجنة الدائمة: 4149)

---

[1] متفق علیه.

[2] متفق علیه.

424۔ کافر کی مسلمان سے وراثت۔

اس میں اختلاف ہے، صحیح یہی ہے کہ کافر مسلمان کے وارث نہیں بن سکتے، اکثر اہل علم کا یہی قول ہے، کیونکہ فرمان نبوی ہے:

«لا یرث المسلم الکافر، ولا الکافر المسلم»[1]

''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔''

اسے امام احمد، بخاری، مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 9438)

425۔ بیٹا اپنے باپ کا وارث بنا جبکہ دونوں ہی نصرانی تھے، پھر وہ مسلمان ہو گیا۔

جس وراثت کا تو اپنے باپ کی طرف سے وارث بنا جبکہ تم دونوں ہی نصرانی دین پر تھے، وہ صحیح وراثت ہے، اسلام تیرے اس مال کو لینے اور ملکیت بنانے میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ (اللجنة الدائمة: 17855)

426۔ بندہ فوت ہو گیا، ورثاء کے لیے مال چھوڑا اور قرض بھی تھا۔

جب فوت ہونے والا مقروض ہو، سب سے پہلے ادائیگی قرض واجب ہے، پھر اس کی شرعی وصیت کو نافذ کیا جائے گا، اگر اس نے وصیت کی ہو تو، پھر باقی ماندہ وراثت ورثاء میں تقسیم کی جائے گی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ [النساء: 11]

---

[1] متفق علیہ.

"اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے، مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ ہے۔"

پھر فرمایا:

﴿وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ﴾ [النساء: 12]

"اور تمھارے لیے اس کا نصف ہے جو تمھاری بیویاں چھوڑ جائیں، اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو۔"

﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ﴾ [النساء: 12]

"اس وصیت کے بعد جو کی جائے، یا قرض (کے بعد)، اس طرح کہ کسی کا نقصان نہ کیا گیا ہو، اللہ کی طرف سے تاکیدی حکم ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، نہایت بردبار ہے۔"

(اللجنة الدائمة: 9096)

427۔ عورتوں کی وراثت کے حوالے سے ایک شبہے کا جواب۔

سوال ایک شبہ ہے جو اللہ کے دشمن پیدا کرتے ہیں کہ دین عورت پر ظلم کرتا ہے، جب بیٹا فوت ہوتا ہے اور ورثاء میں باپ، ماں، بیوی اور اولاد چھوڑتا ہے، اس کا ترکہ بھی ہے، باپ مکمل حصہ لیتا ہے، بیوی نصف لیتی ہے، باپ یہاں خرچ کرنے والا نہیں ہے، پھر بیوی نصف کیوں لیتی ہے اور باپ مکمل حصہ کیوں لیتا ہے؟

جو ورثاء تو نے ذکر کیے ہیں، ان میں ترکہ کی صحیح تقسیم اس طرح ہے، پہلے فوت ہونے والے کا قرض ادا کیا جائے گا، پھر اگر وصیت کر گیا ہے تو وصیت کا

نفاذ کیا جائے گا، پھر باقی ماندہ وراثت کو چوبیس حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا، کیونکہ فرع وارث موجود ہے اور یہ چوبیس میں سے تین حصے بنتے ہیں، باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور چوبیس میں سے یہ چار حصے ہوں گے، ماں کو بھی چھٹا حصہ ملے گا جو چوبیس کا چوتھا بنے گا، باقی چوبیس میں سے تیسرا حصے بچے گا جو اولاد میں مذکر کے لیے دو مؤنثوں کے برابر کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا، اس میں بیوی یا ماں، باپ اور اولاد میں سے کسی پر بھی ظلم و زیادتی نہیں ہے، بلکہ حکمت و انصاف کا یہی تقاضا ہے، نص اور اجماعِ امت اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ [النساء: 11]

''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے، مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [النساء: 14]

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے وہ اسے آگ میں داخل کرے گا، ہمیشہ اس میں رہنے والا ہے اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

(اللجنة الدائمة: 6290)

428۔ سونے والا کمرہ اور جو کچھ بیوی کے لیے مختص ہے، خاوند کے ترکہ میں نہیں سمجھا جائے گا۔

سونے والے کمرہ اور جو چیزیں بیوی کے لیے خاص ہیں، ان کا وراثت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ یہ چیزیں بطور خاص بیوی کی ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 4724)

429۔ دیت میں سے بیوی کی وراثت۔

اگر اس کی بیوی آزاد اور مسلمان ہو تو اس کی دیت سے بھی وارث بنے گی، جیسا کہ اس کے باقی مال سے وارث بنے گی، یہ سب اگر وہ مقروض ہوا تو قرض ادا کرنے اور اگر وصیت کر گیا ہے تو شرعی وصیت کے نفاذ کے بعد ہوگا۔

(اللجنة الدائمة: 6979)

430۔ خاوند نے بیوی کا زیور لیا بعد ازاں وہ مر گئی۔

اگر واقعتاً ایسا ہی ہوا جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تو اس کے زیورات اس مال میں شامل کیے جائیں گے مرتے دم جس کی وہ مالک تھی، یہ سب مل کر اس کا ترکہ ہوگا اور اس کا وارث بنا جائے گا، اس کے قرض کی ادائیگی کے بعد اگر وہ مقروض تھی اور اس کی شرعی وصیت کی تنفیذ کے بعد اگر اس نے وصیت کی تھی اس کی وراثت ورثاء میں تقسیم کی جائے گی شرعی طریقہ تقسیم کے مطابق۔ (اللجنة الدائمة: 8768)

431۔ میت کے مال سے کچھ پیسے لینا اور انھیں اس کی روح پر خرچ کرنا۔

میت کے مال سے سب سے پہلے اس کے قرض کی ادائیگی کی جائے،

اگر اس پر قرض ہو، پھر اس کی شرعی وصیت کو نافذ کیا جائے اگر اس نے وصیت کی ہو، باقی ماندہ اس کے ورثاء کے لیے ہوگا، شرعی تقسیم کے مطابق۔ اور اگر ورثاء میں سے کوئی ارادہ کرے کہ اپنے مال میں سے میت کے لیے کچھ صدقہ کرے تو یہ اچھی چیز ہے، اللہ کی طرف سے میت کے لیے ثواب کی امید کی جا سکتی ہے۔
(اللجنة الدائمة: 17951)

432۔ رضاعی ماں کی وراثت۔

رضاعی ماں اس سبب سے کہ اس نے اسے دودھ پلایا ہے اس کی وارث نہیں بن سکتی، چاہے دیگر وارث ہو یا نہ ہوں، البتہ دوسرے سبب سے وارث بن سکتی ہے، بایں طور کہ دودھ پلانے والی دودھ پینے والے کی دادی ہو، یا اس کی نسبی بہن ہو، تو نسبی قرابت کی وجہ سے مستحق وراثت بن سکتی ہے۔
(اللجنة الدائمة: 4324)

433۔ نواسوں کا اپنے نانا کی وراثت کا وارث بننا۔

نواسے اپنے نانا کی وراثت سے وارث نہیں بنتے، کیونکہ وہ ذوالارحام میں سے ہیں اور ذوالارحام فرض حصہ لینے والوں اور عصبہ کی موجودگی میں وارث نہیں بنتے، سوائے میاں بیوی کے۔ (اللجنة الدائمة: 15750)

434۔ بیٹیوں کو وراثت نہ دینا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ورثا اور ان میں سے ہر ایک کے حصے کی وضاحت سورۂ نساء میں فرما دی ہے، ان میں سے بیٹیاں بھی ہیں اور ہر ایک حق والے کو اس کا حق دینے کا حکم خاص بھی دیا ہے، نیز وراثت والی پہلی آیات کا خاتمہ

بایں الفاظ کیا ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [النساء: 13,14]

”یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے وہ اسے جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والا ہے اور یہی بات بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے وہ اسے آگ میں داخل کرے گا، ہمیشہ اس میں رہنے والا ہے اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔“

اور سورۂ کی آخری آیت کو یوں ختم کیا ہے:

﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ [النساء: 176]

”اللہ تمھارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

جس شخص نے بیٹی یا کسی اور وارث کو بغیر اس کی رضا اور طیب خاطر کے اس کے مقررہ حق سے محروم کیا وہ اللہ و رسول ﷺ کا نافرمان ہے، اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی، اس پر جاہلی حمیت اور نا روا عصبیت غالب آ گئی، اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، اگر وہ تائب نہ ہوا اور حقوق وارثوں تک نہ پہنچائے۔

(اللجنۃ الدائمۃ: 2514)

435۔ باپ کا اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک کو وراثت سے محروم کر دینا۔

انسان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے کسی بیٹے کو وراثت سے محروم کر دے اور اس کا حصہ دوسرے کو دے دے کیونکہ بیٹا باپ کی وراثت کا مستحق اس کی وفات کے بعد نسب کے سبب ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم ہے، باپ اس حق کو ساقط نہیں کر سکتا، وہ حدودِ الٰہی میں رہ کر ہی اس میں تصرف کر سکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے باپ کے لیے مشروع قرار نہیں دیا کہ اپنے بیٹے کو محروم کرے اور دوسرے کو اس کا مستحق بنا دے۔ (اللجنة الدائمة: 1342)

436۔ بیویوں کو خاوند کی وراثت سے اور بیٹیوں کو باپ کی وراثت سے محروم کرنا۔

بیویوں کو ان کے خاوندوں کی وراثت سے محروم رکھنا اور اسی طرح بیٹیوں کو ان کے باپوں کی جائیداد سے محروم رکھنا دورِ جاہلیت کا کام ہے، اس لیے کہ دورِ جاہلیت والے ہی عورتوں کو وراثت سے محروم رکھتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ وراثت کا مستحق وہی ہے جو خاندان کی حفاظت کر سکتا اور اسلحہ اٹھا سکتا ہے، سو وہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے محروم کر دیتے تھے جبکہ اللہ عزوجل نے بیویوں کے لیے وراثت مقرر فرمائی ہے فرمایا:

﴿ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ﴾ [النساء: 12]

”تو تمھارے لیے اس میں سے چوتھا حصہ ہے جو انھوں نے چھوڑا، اس وصیت کے بعد جو وہ کر جائیں، یا قرض (کے بعد) اور ان کے لیے اس میں سے چوتھا حصہ ہے جو تم چھوڑ جاؤ، اگر تمھاری کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر تمھاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لیے اس میں سے آٹھواں حصہ ہے، جو تم نے چھوڑا اس وصیت کے بعد جو تم کر جاؤ یا قرض (کے بعد)۔

اسی طرح بیٹیوں کے لیے بھی ان کے باپوں کی جائیداد سے وراثت مقرر فرمائی:

﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ [النساء: 11]

”اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے، مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ ہے۔“

یہ دین اسلام ہی ہے جس نے عورت سے انصاف کیا اور اسے اس کا حق دیا۔ فرمایا:

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا﴾ [النساء: 7]

”مردوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، اس میں سے جو اس (مال) سے تھوڑا ہو یا بہت، اس حال میں کہ مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔“

(الفوزان: المنتقیٰ: 123)

437۔ بعض ورثاء کو محروم کرنے کے لیے کسی کو زندگی میں ہی مال دے دینا۔

انسان کے لیے جائز نہیں کہ بعض ورثاء کو محروم کرنے کے لیے ایسا عقد کرے جس کے پیش نظر اپنا سارا مال زندگی میں ہی کسی کو دے دے تاکہ کوئی مطالبہ نہ کر سکے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر بندے نیز اس کی نیت اور ارادے پر خوب مطلع ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 16666)

438۔ مسئلہ۔

سوال بیٹیوں سے مطالبہ کرنا کہ وراثت اپنے بھائیوں کے لیے چھوڑ دیں اور ان کا شرم وحیا اور خوش معاملگی رکھنے کے لیے یہ اقدام کرنا؟

جواب بیٹیوں پر لجاجت اور اصرار جائز نہیں حتی کہ وہ اپنی وراثت بھائیوں کے لیے چھوڑ دیں، یہ بہت بری عادت ہے، بطور خاص تو نے ذکر کیا کہ وہ حیا اور خوش معاملگی پیدا کرنے کے لیے ایسا کرتی ہیں، یہ مجبور کرنے کے قریب قریب ہے، لہٰذا ناجائز ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیٹیوں کو ان کا حق دیا ہے، فرمایا:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَيَيۡنِۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءٗ فَوۡقَ ٱثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَۖ وَإِن كَانَتۡ وَٰحِدَةٗ فَلَهَا ٱلنِّصۡفُۚ﴾ [النساء: 11]

''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے، مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ ہے، پھر اگر وہ دو سے زیادہ عورتیں (ہی) ہوں، تو ان کے لیے اس کا دو تہائی ہے جو اس

نے چھوڑا اور اگر ایک عورت ہو تو اس کے لیے نصف ہے۔''

جس طرح کے بہنوں اور دیگر عورت کو ان کا وراثت کا حق دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کا حصہ وراثت میں مقرر کیا ہے اور بیٹوں کا بھی حصہ مقرر کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((إن اللّٰه قد أعطىٰ كل ذي حق حقه)) [1]

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دیا ہے۔''

عورت ذات فطرتی کمزوری اور کمانے سے عجز کی وجہ سے مرد کی نسبت وراثت کی زیادہ مستحق ہے، مرد تو کما سکتا ہے، رزق کی تلاش میں دور دراز کا سفر بھی کر سکتا ہے، بہر حال یہ تصرف درست نہیں ہے، عورتوں کو کمزور سمجھنا، ان پر غلبہ پا لینا اور ان کا حصہ لے لینا، صحیح نہیں چاہے اس تبرع اور خوشی کی صورت میں ہو اور اس لیے بھی کہ وہ دلی خوشی سے نہیں دیتیں بلکہ شرم و حیا اور خوش معاملگی اور رکھ رکھاؤ کے طور پر دیتیں ہیں۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 121)

439۔ باپ کا اپنے کوتاہ و عاجز بیٹوں کا حق وراثت چھوڑ دینا یا انھیں برطرف کرنا۔

باپ کا ان کے وراثتی حصے کو چھوڑنا یا معاف کر دینا، ان کے حقوق میں تصرف ہے، اور باپ کا ان کے حقوق میں تصرف مصلحت نہیں ہے، جس طرح کہ یہ تصرف ایسا نہیں، جیسا کہ باپ کے اپنے بیٹے کی ملکیت میں سے کسی چیز کے مالک بن جانے کے حوالے سے ہوتا ہے، کیونکہ باپ کا بیٹے کے مال میں سے کسی چیز کا مالک بن جانا تب ہے جب بیٹے کو اس چیز کی حاجت و ضرورت

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث [3565]

نہ ہو، یہ شرط ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوتاہ بین بیٹے کو اپنی کوتاہی کے سبب اس مال کی حاجت وضرورت ہے، اس لیے کہ اس کی کفالت کرنے والے کی کوئی ضمانت نہیں کہ وہ مستقل ایسا کرے گا۔

صاحب ''المقنع'' نے کہا:

باپ کے لیے جائز ہے کہ بیٹے کے مال میں سے جو چاہے لے لے، بیٹے کو ضرورت ہو یا نہ ہو اس چیز کو ملکیت بنا لے، بیٹا چھوٹا ہو یا بڑا ہو بشرطیکہ بیٹے کو اس کی ضرورت نہ ہو اور باپ اگر ملکیت بنانے سے پہلے اس میں تصرف کرے، بیچنے، آزاد کرنے یا قرض اتارنے کے حوالے سے تو اس کا تصرف درست نہ ہوگا، لہٰذا باپ کا وراثت کے حق سے برطرف کرنا اور چھوڑنا درست نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 248)

440۔ بہنوں کا اپنا حق وراثت چھوڑ دینا۔

اگر ان کا حق وراثت کو چھوڑنا ان کی مکمل رضا مندی اور طیب خاطر سے ہو تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں، وہ اسی کا حق ہے جس کے لیے وہ معاف کر رہی ہیں، اگر ایسا نہ ہو تو پھرنا جائز ہے۔ (اللجنة الدائمة: 8782)

441۔ عورت کا اپنے خاوند کی وراثت کا حصہ خاوند کے بھائیوں کے لیے صدقہ کرنا۔

جائز ہے کہ بیوی اپنے خاوند کی وراثت سے ملنے والا حصہ خاوند کے بھائیوں کے لیے صدقہ کر دے اگر وہ غریب و نادار ہوں اور اگر امیر ہوں تو یہ ہدیہ اور تحفہ ہو جائے گا۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 10/255)

442۔ تقسیم وراثت کو مؤخر کرنا۔

وراثت کو تاخیر سے تقسیم کرنا درست نہیں، کیونکہ اس سے حقوق کو اہل حقوق تک تاخیر سے پہنچانا لازم آتا ہے، اور اس کے ساتھ ہی ادائیگی زکوۃ کی تاخیر لازم آتی ہے، کیونکہ ہر وارث یہی حجت پیش کرے گا کہ اسے اپنے حصے کا پتہ نہیں یا اسے اس کا حصہ ابھی ملا نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 1255)

443۔ میت نے جو کچھ چھوڑا اُسے فی سبیل اللہ دے دینا۔

جب سب ورثاء رضا مند ہوں کہ جو کچھ میت نے چھوڑا وہ فی سبیل اللہ دے دیا جائے یا فقراء میں تقسیم کر دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، انھیں اس کا اجر وثواب ملے گا۔ (اللجنة الدائمة: 10706)

444۔ مالِ حرام کی وراثت۔

جب ساری کی ساری وراثت حرام مال کی ہو کسی بھی وارث کے لیے جائز نہیں کہ اس میں سے کچھ بھی لے، بلکہ اگر ہو سکے تو جن کا مال ہے ان تک پہنچانا ضروری ہے، اگر ایسا نہ ہو سکے تو نیکی کے راستوں میں خرچ کر دیا جائے، اس قصد ونیت سے کہ یہ اس کے مستحقین کی طرف سے خرچ کیا جا رہا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 8827)

445۔ وراثت کے حوالے سے بینک کے فوائد سے گریز کرنا۔

بنک کے فوائد اور منافع جات سے بچنا از حد ضروری ہے، کیونکہ یہ سود اور حرام ہے، چنانچہ وراثت کا مال بنک میں رکھنے کی بجائے عام مسلمانوں کے لیے خرچ کرنا چاہیے اور فقراء ومساکین کو دے دینا چاہیے۔ (اللجنة الدائمة: 20135)

446۔ اس مال کا حکم جس میں سود کی ملاوٹ ہو۔

مال وارث کے لیے حلال ہے، اگر چہ مرنے والے نے حرام طریقہ سے ہی کمایا ہو، ہاں اگر معلوم ہو جائے کہ یہ فلاں کا مسروقہ مال ہے، یا فلاں سے غصب شدہ ہے تو پھر حلال نہیں بلکہ اصل مالک تک پہنچانا واجب ہے، میت کو بری الذمہ کرنے کے لیے اور مال کو باطل طریقہ سے حاصل کرنے سے بچتے ہوئے۔ اور اگر یہ مال اس کی کسب حرام یعنی سود کی کمائی سے ہو تو ورثاء کے لیے حلال ہے اور اس کا گناہ میت پر ہے، کیونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ جب لوگوں کا مرنے والا مرجائے تو وہ پوچھتے پھریں کہ وہ اس مال کا کیسے مالک بنا یا کس طریقہ سے یہ اس کی ملک میں آیا؟ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4/255)

447۔ ایک آدمی مر گیا اور غصب شدہ مال چھوڑ گیا۔

وراثت اگر غصب شدہ مال ہو اور اس کے مالکان کا علم ہو تو ان کو واپس کرنا واجب ہے، کیونکہ یہ مظالم ہیں، انھیں باقی رکھنا اور ان پر قابض رہنا جائز نہیں، بلکہ مالکان کو واپس کرنا اور اس کے شر سے نجات پانا ضروری ہے، اگر اصل مالکان موجود نہیں تو ورثاء اس مال کو صدقہ کر دیں گے اور اس کا اجر اصل مالکان کے لیے ہوگا۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 110)

448۔ تعزیت کے وقت میت کے رشتہ داروں کو تحائف دینا۔

میت کے رشتہ داروں میں سے جو زندہ ہیں انھیں جو چیز ہدیتاً دی جائے گی وہ ان کی ملکیت بن جائے گی، لیکن میت کے لیے ہبہ جائز نہیں، سوائے اس کے کہ اس کی طرف سے صدقہ کر کے ثواب کا ہدیہ کیا جائے، لوگوں کی یہ عادت

کہ تعزیت کے وقت میت کے رشتہ داروں کو تحائف دینا بے بنیاد بدعت ہے، نیز لوگوں کو جو بغرض تعزیت آتے ہیں تنگی و تکلیف میں مبتلا کرنا ہے، مستحب یہ ہے کہ ان کے لیے کھانا تیار کیا جائے اور اگر میت والے مفلس و نادار ہیں تو ان پر صدقہ کرنا مستحب ہے، جس سے ان کی ضرورت پوری ہوجائے یا اس کام پر ان کی معاونت ہوجائے۔ (اللجنة الدائمة: 19664)

449۔ میت کے مال سے ورثاء کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنا۔

یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ مالِ غیر میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف ہے۔ (اللجنة الدائمة: 4990)

450۔ چھوٹے بچوں کے مال سے تعمیر مسجد۔

چھوٹے بچوں کے مال سے مسجد کی تعمیر جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ اس کام اور دیگر کاموں کے لیے معتبر اذنِ شرعی کے مالک نہیں ہیں کہ جس کی بنیاد پر ان کے مال کو لیا جا سکے، ان کے وکیل کے لیے بھی ان کے مال میں تصرف جائز نہیں، سوائے اس کے جس میں ان کی مصلحت ہو اور ان کی دنیاوی مصلحت (کہ وہ چھوٹے ہیں) ان کی اخروی مصلحت سے مقدم ہے، لیکن بالغ اگر اجازت دیں تو وہ اپنے حق میں اجازت کے اہل ہیں، ان کے لیے جائز ہے کہ اپنے باپ سے حاصل ہونے والی ساری وراثت تعمیر مسجد کے لیے وقف کر دیں، اسے اپنے باپ کے لیے کریں یا اپنے اور اس کے درمیان اجر و ثواب کی شراکت کریں۔ (اللجنة الدائمة: 1430)

451۔ عصبہ کی تعریف۔

عصبہ سے مراد ہر وہ وارث ہے جو غیر مختص حصہ لیتا ہے، ورثاء دو طرح

کے ہیں، ایک وہ جن کا حصہ مقرر و مختص ہے، جس طرح کہ میاں بیوی، ماں باپ، بیٹیاں، پوتیاں، حقیقی بہنیں، علاتی بہنیں، اخیافی بہنیں اور ایک قسم وہ جن کا حصہ مقرر و مختص نہیں، جن کا حصہ مختص ہے وہ اصحاب الفروض ہیں اور جن کا غیر مختص ہے وہ عصبہ ہیں، تو عاصب وہ ہوا جو غیر مقرر حصہ لیتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ جب منفرد ہو تو سارے کا سارا مال لے جاتا ہے، اور اگر اس کے ساتھ مقرر حصے والا ہو تو اس کے حصے کے بعد جو باقی بچے گا یہ لے جائے گا اور اگر مقرر حصوں سے وراثت ختم ہو جائے تو یہ ساقط ہو جاتا ہے، مثلاً حقیقی بھائی، اگر کوئی فوت ہو اور اس کا وارث صرف حقیقی بھائی ہو تو سارا مال اس کو ملتا ہے، اور اگر کوئی حقیقی بھائی اور بیٹی چھوڑ کر فوت ہو تو بیٹی کو نصف اور باقی حقیقی بھائی کو مل جاتا ہے اور اگر کوئی فوت ہو اور پیچھے خاوند، حقیقی بہن اور علاتی بھائی چھوڑ جائے تو خاوند کو نصف اور حقیقی بہن کو بھی نصف ملے گا اور علاتی بھائی کو کچھ بھی نہیں ملے گا، یہی عاصب ہے، سو عاصب وہ ہوا جو غیر مختص حصہ لیتا ہے، واضح رہے کہ ''حواشی'' میں سے کوئی بھی وارث نہیں بنتا، جبکہ وہ عورتیں ہوں سوائے علاتی یا اخیافی یا حقیقی بہنوں کے، جب کوئی فوت ہو اور پیچھے چچا اور پھوپھی چھوڑ جائے تو مال چچا کو ملے گا، پھوپھی کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر کوئی فوت ہو اور پیچھے اپنے بھتیجا اور بھتیجی چھوڑ جائے تو بھتیجی کو اپنے بھائی کی موجودگی میں کچھ نہیں ملے گا، اس لیے کہ حواشی کے ساتھ مؤنثوں میں سے سوائے بہنوں کے کوئی وارث نہیں بن سکتا۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 18/255)

452۔ میرا بھائی باپ سے پہلے فوت ہو گیا ہے۔

اگر واقعتاً ایسا ہوا کہ تیرا بھائی تیرے باپ کی وفات سے پہلے فوت ہو گیا

تو تیرے بھائی کو باپ کی وراثت سے کچھ نہیں ملے گا، نہ ہی اس کی اولاد اپنے دادا کی وارث بنے گی، کیونکہ وہ چچاؤں کی وجہ سے محروم ہو جائے گی۔

(اللجنة الدائمة: 6514)

453۔ ایک آدمی حاملہ بیوی دو بیٹیاں اور دو بیٹے چھوڑ کر فوت ہو گیا۔

اگر ان کے ساتھ کوئی اور وارث نہ ہو تو وراثت کی تقسیم یوں ہوگی:

بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا، حمل کے لیے دو بیٹوں کی وراثت موقوف کر دی جائے گی، باقی ترکہ ان دو بیٹوں اور دوسرے مذکورہ ورثاء پر تقسیم کیا جائے گا اور وہ ہیں دو بیٹے اور بیٹیاں، مذکر کو دو مؤنثوں کے برابر ملے گا، پھر جب عورت بچہ جنم دے گی تو دیکھا جائے گا کہ جو موقوف کیا گیا تھا، اگر حمل کے حصے سے زائد ہے تو دوسرے ورثاء کے حصے سے لیا جائے گا، جو حمل کے لیے باقی رکھا جائے گا۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 24/255)

نیکی اور صلہ رحمی

454۔ سب سے افضل چیز جو ایک مسلمان والدین کی زندگی میں ان کے لیے کرسکتا ہے۔

سب سے افضل چیز جو ایک مسلمان اپنے والدین کی زندگی میں کرتا ہے وہ نیکی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ﴾ [الإسراء: 23]

”اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔“

احسان مختلف ہوتا ہے، کبھی قول سے، کبھی فعل سے اور کبھی حال سے ہوتا ہے، اہم بات یہ ہے کہ مقتضائے حال کے مطابق تجھے اپنے والدین کی خاطر وہ کچھ کرنا چاہیے جو احسان سمجھا جاتا ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 6)

455۔ والدہ کے ساتھ نیک سلوک باپ سے مقدم ہے۔

سوال جب ایک عورت اپنے باپ، ماں اور خاوند سے ملے تو سب سے پہلے کس کے ساتھ نیکی کرے؟

شرعی دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ والدین سے نیک سلوک اور احسان واجب ہے، بطور خاص ان کے بڑھاپے میں، فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ [الإسراء: 23]

''اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

اور ثابت ہے:

«أن رجلاً قال: يا رسول الله ﷺ! من أحق الناس بحسن صحابتي؟ قال ﷺ: أمك، قال: ثم من؟ قال: أمك، قال: ثم من؟ قال: أمك، قال: ثم من؟ قال: أبوك» [1]

''ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! لوگوں میں سب سے زیادہ زیادہ میرے حسنِ صحبت کا کون حقدار ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں، اس نے کہا: پھر کون؟، آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں، اس نے کہا: پھر کون، آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں، اُس نے کہا: پھر کون، آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا باپ۔''

چنانچہ عورت پر لازم ہے کہ پہلے اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرے، پھر اپنے باپ کے ساتھ اور اپنے خاوند کی نیک کام میں اطاعت کرے اور اچھے طریقے سے اس کے ساتھ رہے۔ (اللجنة الدائمة: 13167)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5626] صحيح مسلم، رقم الحديث [2548]

456۔ والدین کی وفات کے بعد کن اعمال کے ذریعے ان سے نیکی کروں؟

صدقہ، استغفار، صلہ رحمی، ان کے دوستوں کی عزت، یہ سارے ایسے کام ہیں کہ جن کی بنا پر ان سے نیکی کی جاسکتی ہے، ان کے لیے استغفار کرنا سب سے افضل چیز ہے۔ اے مسلمان بھائی! تجھ پر لازم ہے کہ اپنے فوت شدگان کے لیے دعا کرے اور اپنی ذات کے لیے صالح اعمال کر، تو نیک اعمال کا بہت ہی زیادہ محتاج ہے، تیرے پاس عنقریب وہ دن آنے والا ہے جب تو تمنا کرے گا کہ کاش تیرے نیکی کے صفحے میں ایک نیکی ہی ہوتی۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 6)

457۔ والدین کی وفات کے بعد نماز پڑھتے وقت ان کے لیے بھی نماز پڑھنا، درج ذیل حدیث کو بنیاد بناتے ہوئے۔

« من بر الوالدین بعد مماتهما أن تستغفر لهما، مع صلاتك وأن تصوم لهما مع صیامك »

”والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ نیکی میں سے ہے کہ تو ان کے لیے نماز پڑھے اپنی نماز کے ساتھ اور ان کے لیے روزہ رکھے اپنے روزے کے ساتھ۔“

یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت نہیں، لیکن والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ نیکی میں سے ہے کہ تو ان کے لیے استغفار کرے، اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، ان کے دوستوں کی عزت کرے، جن رشتوں کی بنا پر تیرے اور ان کے درمیان تعلق ہوں ان سے صلہ رحمی کر، یہ ان کی وفات کے

بعد ان کے ساتھ نیکی ہے، لیکن ان کے لیے اپنی معروف اور شرعی نماز کے ساتھ نماز پڑھے یا ان کے لیے روزہ رکھے، اس کی کوئی بنیاد اور دلیل نہیں ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 642)

458۔ بیٹے کی اپنے فوت شدہ باپ کے لیے نفلی نماز۔

انسان کے لیے جائز ہے کہ اپنے باپ یا کسی اور مسلمان کے لیے نفلی نماز پڑھے، جس طرح کہ جائز ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کرے، صدقات، نمازوں، روزے اور حج وغیرہ میں کوئی فرق نہیں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 542)

459۔ اس عورت کا حکم جو اپنے والدین پر اور اپنی اولاد کے والدین پر لعنت کرتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إن من الكبائر أن يلعن الرجل والديه» قيل: يا رسول الله وكيف يلعن الرجل والديه؟ قال: «يسب الرجل أب الرجل فيسب أباه ويسب أمه»[1]

”بے شک کبیرہ گناہوں میں سے ہے کہ آدمی اپنے والدین پر لعنت کرے، کہا گیا یا رسول اللہ ﷺ! آدمی اپنے والدین پر کیسے لعنت کرتا ہے؟ فرمایا: یہ دوسرے کے باپ کو گالیاں دیتا ہے اور وہ اس کے باپ کو گالیاں اور اس کی ماں کو گالیاں دیتا ہے۔“

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [5141]

جب یہ آدمی اپنے والدین کے لیے لوگوں کی لعنت کا باعث ہے تو وہ آدمی کیسا ہے جو اپنے والدین پر بذات خود لعن طعن کرتا ہے؟ یا خود ہی اپنے اوپر لعن طعن کرتا ہے؟ جس طرح کہ یہ عورت ہے جو اپنی اولاد کے والدین پر لعن طعن کرتی ہے، ایسا آدمی گناہ، اللہ کے غصے اور لعنت کا زیادہ مستحق ہے، اور زیادہ ممکن ہے کہ اس کی لعنت اس کی طرف لوٹ آئے، اس کی دلیل صحیح مسلم میں ہے، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«لعن اللّٰه من ذبح لغير اللّٰه، ولعن اللّٰه من آوىٰ محدثاً، ولعن اللّٰه من لعن والديه، ولعن اللّٰه من غير منار الأرض»[1]

”اللہ کی لعنت ہے اس پر جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا اور اللہ کی لعنت ہے جس نے کسی بدعتی کو جگہ دی، اور اللہ کی لعنت ہے اس پر جس نے اپنے والدین پر لعنت کی اور اللہ کی لعنت ہے اس پر جس نے زمین کے نشانات کو بدلا۔“

اسی طرح وہ حدیث جسے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« إن العبد إذا لعن شيئا صعدت اللعنة إلى السماء، فتغلق أبواب السماء دونها، ثم تهبط إلى الأرض فتغلق أبوابها دونها، ثم تأخذ يميناً وشمالاً، فإن لم تجد مساغاً رجعت إلى الذي لعن، إن كان لذلك أهلاً وإلا رجعت إلى قائلها»[2]

---

1. صحيح مسلم [1978/43]
2. حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [4905]

”بے شک بندہ جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے اس کے لیے آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، پھر وہ زمین کی طرف گرتی ہے، اس کے دروازے بھی بند کر دیے جاتے ہیں، پھر دائیں بائیں جاتی ہے، اگر کوئی راستہ نہ ملے تو جس پر لعنت کی گئی ہوتی ہے اس کی طرف لوٹتی ہے، اگر وہ اس لعنت کا مستحق ہوتا ہے تو اس پر ہو جاتی ہے اور اگر وہ اس کا مستحق نہیں ہوتا تو لعنت کہنے والے پر ہی لعنت ہو جاتی ہے۔“

لعنت حرام اور بہت بڑا گناہ ہے، مسلمان گالی گلوچ اور لعن طعن نہیں کرتا نہ ہی فحش گو اور بد اخلاق ہوتا ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ليس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذي))[1]

”مؤمن لعنت بھیجنے والا، طعن کرنے والا، فحش گو اور بد اخلاق نہیں ہوتا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گالی دینے والے، فحش گو اور لعن طعن کرنے والے نہیں تھے، ہم میں سے کسی کو ڈانٹتے تو بس اتنا فرماتے:

((ماله ترب جبينه))[2]

”اسے کیا ہے؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو!“

(اللجنة الدائمة: 19350)

460۔ جن رشتوں کو ملانا واجب ہے۔

ماں یا باپ کی جانب سے جو رشتے استوار ہوتے ہیں ان کی صلہ رحمی

---

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [1977]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [6031]

واجب ہے، چچے اور ماموں سب سے صلہ رحمی کرنا انسان پر واجب ہے، لیکن اگر عورت ان کی محرم نہ ہو تو اس کے لیے حلال نہیں کہ ان کی طرف جائے، مصافحہ کرے اور چہرہ ننگا کرے، کیونکہ یہ سب غیر محرموں کی نسبت سے اسی پر حرام ہے، لیکن وہ گھر والی عورتوں سے پوچھے، تم کیسی ہو؟ مرد کیسے ہیں؟ بچوں کا کیا حال ہے؟ جو فوت ہو چکے ہیں جن سے اس نے صلہ رحمی نہیں کی تھی تو اپنی قطع تعلقی کی معافی مانگے، اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرے اور ان فوت شدگان کے لیے استغفار کرے، یقیناً یہ ان سے صلہ رحمی ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 18)

461۔ میں صلہ رحمی کرتا ہوں جبکہ وہ قطع تعلقی کرتے ہیں۔

صلہ رحمی واجب ہے، خواہ وہ صلہ رحمی کریں یا نہ کریں، اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((ليس الواصل بالمكافئ)) ❶

''صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو برابر برابر کا معاملہ کرتا ہے۔''

یعنی صلہ رحمی اس صورت کرتا ہے جبکہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کی جاتی ہے، بلکہ فرمایا:

((إنما الواصل من إذا قطعت رحمه وصلها))

''صلہ رحمی کرنے والا بس وہ ہے جو تب بھی صلہ رحمی کرے جبکہ اس سے قطع تعلقی کی جا رہی ہے۔''

سو صلہ رحمی واجب ہے، وہ صلہ رحمی کریں یا نہ کریں۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 7)

---

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [5991]

462۔ رشتہ داروں سے ان کی نماز چھوڑنے کی وجہ سے بائیکاٹ کرنا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ گھر والے ہوں یا دیگر اقرباء ان کا انسان پر حق ہے، چاہے وہ کافر ہی ہوں، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ﴾ [لقمان: 14,15]

”اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے، اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کی حالت میں اسے اٹھائے رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا۔ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مان اور دنیا میں اچھے طریقے سے ان کے ساتھ رہ۔“

لیکن یہ گھر والے جو نماز نہیں پڑھتے اسلام سے مرتد سمجھے جائیں گے، کیونکہ جو نماز نہیں پڑھتا وہ کافر ہے، جیسا کہ کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر دلالت کرتے ہیں، بلکہ بعض علماء نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے، جب وہ نماز کے تارک ہیں تو دین اسلام سے مرتد ہیں، انسان کے لیے ان سے ملنا جائز نہیں، سوائے نصیحت اور خیر خواہی کے کہ وہ ان کی طرف جائے، انھیں نصیحت کرے اور ان کے لیے واضح کرے کہ اس ارتداد میں کتنی رسوائی اور دنیا و آخرت کی عار ہے، شاید کہ وہ لوٹ آئیں، اگر وہ مصر رہیں تو

ان کا کوئی حق نہیں، ان سے قطع تعلقی اور بائیکاٹ واجب ہے، لیکن میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو اور دیگر لوگوں کو جو اس بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں دین اسلام کی طرف لوٹا دے حتی کہ وہ نماز اور باقی واجبات الٰہیہ پر کاربند ہو جائیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 17)

463۔ ازدواجی زندگی میں خرابی ڈالنے کے سبب بیوی کے گھر والوں کو چھوڑ دینا۔

تیرے لیے جائز ہے کہ انھیں چھوڑ دے، ان کی زیارت مت کر جبکہ ان سے ملنے سے تجھ کو یا تیری بیوی کو کسی فساد کا اندیشہ ہو تو اپنی بیوی کو ان کی طرف جانے اور ملنے سے روک سکتا ہے، بعض وہ لوگ جو میاں بیوی کے مابین فساد مچاتے ہیں، میں انھیں نصیحت کروں گا کہ ان کا یہ فعل جادوگروں کے فعل کی مانند ہے، اللہ کی پناہ! ایسی چیزوں سے رکنا ضروری ہے جو میاں بیوی کے درمیان جدائی پیدا کریں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 15)

464۔ آدمی اپنی بیوی کو اس کے رشتہ داروں سے ملنے سے روکتا ہے۔

جو قطع رحمی کا حکم دیتا ہے، اللہ و رسول کا مخالف ہے، اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کا حکم دیا اور نبی ﷺ نے بھی اس کی ترغیب دلائی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قطعی تعلقی کو اس اسبابِ لعنت میں شمار کیا ہے:

﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ

وَتُقَطِّعُوٓا۟ أَرْحَامَكُمْ ۝ أُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَعَنَهُمُ ٱللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰٓ أَبْصَـٰرَهُمْ﴾ [محمد: 22,23]

''پھر یقیناً تم قریب ہو اگر تم حاکم بن جاؤ کہ زمین میں فساد کرو اور اپنے رشتوں کو بالکل ہی قطع کر دو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی۔ پس انھیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔''

قطع رحمی کا حکم دینے والا اللہ و رسول ﷺ کا مخالف ہے، اسے توبہ کرنی چاہیے اور رجوع الی اللہ کرنا چاہیے اور اس چیز کو ملائے جس کے ملانے کا اللہ تعالیٰ نے فرمان جاری کیا ہے، اور وہ شخص کہ جسے قطع تعلقی کا حکم دیا جا رہا ہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس آدمی کا حکم مانے، اس لیے کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے، اگر آدمی اپنی بیوی کو قطع تعلقی کا حکم دے تو اس پر موافقت لازم نہیں ہے، سوائے اس کے کہ یہ چیز اس کی زندگی میں ضرر رساں ہوں، مثلاً کہ عورت کا اپنے رشتہ داروں سے ملنا عورت اور اس کے خاوند کے درمیان دشمنی اور عداوت کا سبب بنے، ان کے مابین دوری کا موجب ہو یا بیوی کے وہاں جانے سے کسی حرام کام کے ارتکاب کا اندیشہ، جیسا کہ بعض گھر والوں میں ہوتا ہے، اس صورت حال میں مرد بیوی کو منع کر سکتا ہے، لیکن ارادہ قطع رحمی کا نہ ہو بلکہ مقصد اس مفسدت اور خرابی سے بچنا ہو، جو وہاں جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس نیت سے وہ قطعی تعلقی کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا، اسی طرح ہم ان بچوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ جنھیں ان کے باپ قریبی رشتہ داروں سے ملنے سے روکتے ہیں، چچاؤں اور ماموؤں وغیرہ سے، اگر مقصد قطع تعلقی ہے تو یہ حرام اور اللہ و رسول ﷺ کی مخالفت ہے اور اگر ان مفاسد اور خرابیوں سے گریزاں ہونا مقصود ہے جو وہاں جانے سے واقع ہو سکتی ہیں تو پھر جائز ہے، کیونکہ مقصد اصلاح ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 14)

465۔ مسئلہ۔

وہ عورت جو اپنی ساس سے سختی سے پیش آتی ہے اور اس کے ساتھ اپنی طرف سے مشکلات پیدا کرتی ہے تا کہ خاوند اپنی ماں سے دور ہو جائے۔

یہ حرام کام ہے اور چغل خوری ہے، اللہ پناہ دے! نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((لا يدخل الجنة قتات))[1]

''چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

اور آپ ﷺ ایک دن دو قبروں کے پاس سے گزرے انھیں عذاب ہو رہا تھا، تو فرمایا:

((إنهما ليعذبان وما يعذبان في كبير؛ أما أحدهما فكان لا يستبرئ من البول، وأما الآخر فكان يمشي بالنميمة))[2]

''یقیناً ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی بڑے گناہ پر سزا نہیں دی جا رہی، ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چغل خوری عذاب قبر کا موجب ہے، اللہ پناہ دے، اس عورت کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اپنے خاوند اور اس کی ماں کے مابین جدائی مت ڈالے اور فراق کے لیے اپنی طرف سے حرام باتیں نہ گھڑے، اور اگر کبھی کوئی اشکال اس کے اور اس کی ساس یا سسر کے درمیان ہو جائے تو اس کا حل بغیر فراق اور جدائی کے ہونا چاہیے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب:......)

---

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [6056] صحيح مسلم [105/169]

[2] متفق عليه. صحيح البخاري [5705] صحيح مسلم [292]

466۔ ''بیٹھنے والی'' عورتوں سے مراد اور ان سے متعلقہ احکامات۔

بیٹھنے والی عورتوں سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جو حرکت کرنے سے عاجز آ گئی ہیں، قوت اور چستی نہ ہونے کے سبب:

﴿ الّٰتِیۡ لَا یَرۡجُوۡنَ نِکَاحًا ﴾ [النور: 60]

''جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں۔''

یعنی جو اپنی بڑی عمر کی وجہ سے مایوس ہو چکی ہیں کہ کوئی ان سے شادی کرے گا، ان عورتوں کے لیے جائز ہے کہ زیب و زینت کا اظہار کیے بغیر کپڑوں کو اتار دیں، یعنی وہ کپڑے اتار دیں جو عادتاً عورتیں گھر سے باہر نکلتے وقت پہنتی ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ خوبصورتی والی زینت جو فتنے کا باعث بن سکتی ہے اسی کو ظاہر نہ کریں، اس بنا پر جب ایسی عورت گھریلو کپڑوں کے ساتھ جو کہ زیب و زینت والے نہیں ہیں گھر سے نکلے گی تو اس پر کوئی حرج نہیں، مگر جو پھر بھی یہی چاہیے کہ وہ نہ نکلے تاکہ اس کا پیچھا نہ کیا جائے اور اس کو جوان نہ سمجھا جائے، اگرچہ اس کے لیے اس انداز سے نکلنا مباح ہے، لیکن پھر بھی ایسا نہ کرے تو زیادہ بہتر ہے، اس میں واضح دلیل ہے کہ ان بیٹھنی والی بوڑھی عورتوں کے علاوہ دیگر عورتوں پر گناہ ہے، اگر وہ نکلتے وقت عادت کے کپڑے، جن کو پہن کر عورتیں باہر نکلتی ہیں، کو چھوڑتی ہیں، اور یہ چہرے کے پردے کی دلیل ہے، کیونکہ چہرہ سب سے بڑا مظہر زینت ہے، چہرے کا اظہار خوبصورت کپڑوں سے زیادہ باعث فتنہ ہے، بلکہ پھوٹنے والی خوشبو سے بھی زیادہ پر فتن ہے، آدمی کا تعلق اس عورت سے جس نے چہرہ ننگا کر رکھا ہے اس عورت کے تعلق سے زیادہ مضبوط ہے جس نے خوبصورت ملبوسات زیب تن کر رکھا ہے، جبکہ چہرہ چھپا ہو۔

اس مناسبت سے میں چاہوں گا کہ اپنی نصیحت کا رخ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کی طرف موڑ دوں کہ وہ اپنے بارے اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور بازار جاتے وقت زینت کا اظہار نہ کریں اور ایسی عمدہ خوشبو لگا نہ جائیں جو پھوٹ رہی ہو اور مرد سونگھتے پھریں، اور نہ ہی اپنے چہروں کو ننگا کریں، اس لیے کہ چہرہ اس سے بڑی خوبصورتی ہے جو فتنہ گر ہے، اور شیطان ابلیس ابن آدم میں خون کی مانند چلتا ہے اور عورت کو ابھارتا ہے، تھوڑے سے زیادہ کی طرف اور چھوٹے سے بڑے کی طرف، عورتوں کو چاہیے کہ اپنی عادت اور اپنی حیا والی فطرت پر ہی رہیں اور ہلاک ہونے والوں سے دھوکہ مت کھائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ [الأنعام: 116]

”اور اگر تو ان لوگوں میں سے اکثر کا کہنا مانے جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے، وہ تو گمان کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اٹکل دوڑاتے ہیں۔“

ہم اس شر اور فتنے سے بچنے کی توفیق اللہ تعالیٰ سے ہی مانگتے ہیں۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 3)

467۔ اختلاف کے وقت اپنی آواز والدین سے بلند کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ احسان، نیکی اور نرمی کا حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝

وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا﴾ [الإسراء: 23 تا 25]

''اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر کبھی تیرے پاس دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ ہی جائیں تو ان دونوں کو ''اف'' مت کہہ اور نہ انھیں جھڑک اور ان سے بہت کرم والی بات کہہ۔ اور رحم دلی سے ان کے لیے تواضع کا بازو جھکا دے اور کہہ اے میرے رب! ان دونوں پر رحم کر جیسے انھوں نے چھوٹا ہونے کی حالت میں مجھے پالا۔ تمھارا رب زیادہ جاننے والا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے، اگر تم نیک ہوگے تو یقیناً وہ بار بار رجوع کرنے والوں کے لیے ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا ہے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ان سے آواز بلند کرنا جائز نہیں، بلکہ ان کا ادب اور ان کے لیے بازوؤں کو جھکا دینا واجب ہے، ان کا اولاد پر بد دعا کرنا بہت بڑی بات ہے اس لیے کہ یہ جلد قبول ہوتی ہے، اگر بیٹا ان پر ظلم کرتا ہو۔

(اللجنة الدائمة: 4494)

468۔ والدین کی اطاعت میں سنت ترک کرنا۔

جب والدین کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے احکامات میں سے کسی حکم کی مخالف ہو یا اللہ کی حرام کردہ چیز کے ارتکاب کا باعث ہو تو خالق کی نافرمانی میں

مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں، سو تیرے لیے جائز نہیں کہ تو ایسی چیز میں اپنے باپ کی اطاعت کرے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔ (اللجنة الدائمة: 6448)

469۔ والدین کو کلمہ ''یوہ'' کے ساتھ پکارنا۔

مسلمان پر واجب ہے کہ والدین کو مخاطب کرتے ہوئے، بلاتے ہوئے یا بات چیت کے لیے لطف و ادب سے پیش آئے، مثلاً کہے: امی جان، ابو جان، والد گرامی، والدہ صاحبہ وغیرہ، اور ایسے ہی الفاظ جن میں احترام، توقیر اور عظمت کا اظہار ہو، اگر کلمہ ''یوہ'' اس کے ماحول میں غیر شائستہ اور نازیبا سمجھا جاتا ہے تو ماں کو اس کے ساتھ بلانا ناجائز ہے، اور اگر ناشائستہ نہیں تو کوئی حرج نہیں۔
(اللجنة الدائمة: 6753)

470۔ والدین کی نافرمانی سے مراد۔

والدین کی نافرمانی: انھیں تکلیف پہنچانا ہے، اگرچہ ''اف'' کہہ کر یا چہرے پر تیوڑی چڑھا کر ہو اور ان کی نافرمانی کرنا سوائے اس کے کہ وہ برائی کا حکم دیں یا اچھائی سے روکیں، پھر ان کی اطاعت نہیں ہوگی، چاہے مخالفت سے تکلیف ہی ہو، صرف اس چیز کو والدین کی نافرمانی نہیں کہا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت یقیناً زیادہ حق رکھتی ہے۔ (اللجنة الدائمة: 9402)

471۔ والدہ کو اس کا نام لے کر پکارنا۔

آدمی پر واجب ہے کہ اپنے والدین سے نیک سلوک کرے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے ساتھ احسان کا حکم دیا ہے:

﴿ وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ [الإسراء: 23]

''اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

تجھ پر لازم ہے کہ اپنی ماں کو بہترین ناموں سے پکارے، جن میں عزت و احترام ہو، اس کے ساتھ برے انداز سے پیش مت آ ؤ، یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ (اللجنة الدائمة: 14826)

472۔ اگر والدین کی موت کے بعد ان کی نافرمانی سے توبہ کرے تو کیا اس کی توبہ قابل قبول ہے؟

تمام گناہوں سے توبہ واجب ہے، اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کے تمام گناہ معاف فرما دیتے ہیں، اگر اس کی توبہ درست ہو۔ فرمایا:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ﴾ [الزمر: 53]

''کہہ دے اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوجاؤ، بے شک اللہ سب کے سب گناہ بخش دیتا ہے، بے شک وہی تو بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

وہ شخص جو والدین کا نافرمان تھا اور اس حالت میں وہ فوت ہوگئے اس کے لیے مشروع ہے کہ ان کے لیے کثرت سے دعا کرے اگر وہ مسلمان تھے۔ اور ان کی طرف سے صدقہ کرے، جو قرض چھوڑ گئے ہیں، ان کے قرض کی ادائیگی اور شرعی وصیتوں کو پورا کرے۔ (اللجنة الدائمة: 16595)

473۔ مشرک والدین سے نیکی۔

جیسے بھی ہوں وہ ان سے نیک اور اچھا برتاؤ کرے، اگرچہ وہ مشرکین کے ملک میں ہی رہتے ہوں، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ کا عموم ہے:

﴿ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ [لقمان: 15]

"اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مان اور دنیا میں اچھے طریقے سے ان کے ساتھ رہ۔"

اور اس کے علاوہ بھی آیات و احادیث کا عموم والدین سے نیکی کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 4461)

474۔ ایک مسلمان گھر میں اجتماعی روابط۔

اللہ تعالیٰ نے ان امور کی محافظت کا حکم دیا ہے جن کی بنیاد پر خاندانوں اور جماعتوں کے باہمی روابط مربوط و مستحکم ہوتے ہیں، چنانچہ صلہ رحمی اور رشتہ داروں سے احسان کا حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ [النساء: 1]

"اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں سے بھی، بے شک اللہ ہمیشہ تم پر پورا نگہبان ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى﴾ [النساء: 36]

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت والے کے ساتھ۔''

اور فرمایا:

﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ﴾ [الأنعام: 151]

''کہہ دے! آؤ میں پڑھوں جو تمھارے رب نے تم پر حرام کیا ہے، (اس نے تاکیدی حکم دیا ہے) کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ خوب احسان کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم ہی تمھیں رزق دیتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ [الإسراء: 23]

''اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لا يدخل الجنة قاطع)) [1]

---

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [5984] صحيح مسلم [2556]

’’قطع تعلقی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔‘‘

اور فرمایا:

«من أحب أن يبسط له في رزقه، وأن ينسأ له في أثره فليصل رحمه» ❶

’’جس کو پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشائش کر دی جائے اور اس کے اثرات دیرپا کر دیے جائیں وہ اپنے رشتوں کو جوڑے۔‘‘

نیز فرمایا:

«إن الله حرم عليكم عقوق الأمهات، و وأد البنات» ❷

’’یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور بچیوں کو زندہ درگور کرنا حرام قرار دیا ہے۔‘‘

اور دیگر احادیث ہیں جن میں صلہ رحمی کی ترغیب، آدابِ اسلام کو اپنانے اور مکارم اخلاق کو سینے سے لگانے کی تعلیم نیز حسنِ معاشرت پر حفاظت کی تلقین کی گئی ہے، اسی سے خاندانوں اور افرادِ خانہ کے روابط مضبوط ہوتے ہیں اور تمام مسلمان یکجا ہوتے ہیں نہ کہ آداب اسلام اور مکارم اخلاق سے نکلنے اور مجتنب رہنے سے۔ (اللجنة الدائمة: 7480)

475۔ دعوتی مصلحت کے پیشِ نظر اس نے اپنے بھائی کو چھوڑ دیا۔

مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دنوں سے زیادہ دنیاوی سبب سے چھوڑے، حدیث نبوی ہے:

---

❶ متفق عليه. صحيح البخاري [2067] صحيح مسلم [2257/20]

❷ متفق عليه. صحيح البخاري [2408] صحيح مسلم [2559/23]

«لا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث» [1]

”کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے۔“

اور اگر دین کی خاطر ہو بایں طور کہ وہ ظاہراً نافرمانی کا ارتکاب کرتا ہو یا بدعتی ہو اور نصیحت اسے کارگر نہ ہو تو اسے چھوڑ سکتا ہے، جبکہ اس کے توبہ تائب ہونے کی امید ہو اور اگر واپسی کی کوئی امید نہ ہو بلکہ مزید شر کا خطرہ ہو تو اُسے مت چھوڑے، بلکہ مسلسل نصیحت کرتا رہے، شاید کہ اللہ اسے ہدایت دے دے، اس حالت میں چھوڑتے وقت مصلحت اور مفسدت دونوں کا خیال رکھا جائے گا۔
(اللجنة الدائمة: 15931)

476۔ اسلام میں صلہ رحمی کا درجہ۔

صلہ رحمی واجب ہے جبکہ قطع تعلقی حرام ہے، کتاب و سنت کے دلائل اس پر شاہد ہیں، اگر صلہ رحمی سے کسی بُرے کام کا اندیشہ ہو، اگر تو اس کو ختم کر سکتا ہے تو صلہ رحمی کر اور بُرے کام کا خاتمہ کر اور اگر تو برائی کا خاتمہ نہیں کر سکتا تو جہاں صلہ رحمی کے نتیجے میں برائی پیدا ہوتی ہو اس تعلق کو قطع کر دے اور دیگر رشتہ داروں سے خوش معاملگی استوار کر۔ (اللجنة الدائمة: 10795)

477۔ صلہ رحمی کس چیز سے مکمل ہوتی ہے؟

صلہ رحمی رشتہ داروں سے نیکی اور اچھے برتاؤں سے مکمل ہوتی ہے، نیز ان کو ملنے کے لیے جانے اور ان کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھانے سے۔
(اللجنة الدائمة: 4917)

---

[1] متفق عليه. صحيح البخاري [6065] صحيح مسلم [2559/23]

تالیف
فضیلۃ الشیخ محمد عبدالرحمن عمر حفظہ اللہ

ترجمہ
پروفیسر حافظ عبدالجبار حفظہ اللہ
فاضل کنگ سعود یونیورسٹی ریاض

مکتبہ بیت السلام الریاض

www.KitaboSunnat.com
3/J-50 جوہر ٹاؤن لاہور
1000
سے زیادہ جنت کے راستے
مسعودؒ اسلامک لائبریری
کتاب نمبر: 1174
J3-504 جوہر ٹاؤن لاہور
جمع و ترتیب
فضیلۃ الشیخ محمد امین انصاری حفظہ اللہ
ترجمہ
حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ
مدرس جامعہ نصر العلوم اہل حدیث گوجرانوالہ
مکتبہ بیت السلام الریاض

477
جواب في
الزواج والطلاق

لأصحاب الفضيلة

الإمام ابن باز
العلامة العثيمين
العلامة الفوزان
سعودی فتوی کمیٹی

پاکستان میں ملنے کا پتہ

مکتبہ قدوسیہ
غزنی سٹریٹ ⊙ اردو بازار ⊙ لاہور ⊙ پاکستان
Tel: 42-37351124 , 37230585
E-mail: maktaba_quddusia@yahoo.com
Website: www.quddusia.pk